سیدہ کا لال

از

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیریؒ

سلسلۂ عصمت نمبر ۵۷

عصمت بک ڈپو کراچی

۱۹۵۴

چودھویں بار

مطبوعہ مشہور آفسٹ پریس کراچی

دیباچہ

الحق مُرّ کی صداقت سر آنکھوں پر، مگر جب بخار تیز ہو جاتا اور جان پہ آبنتی ہے تو کڑوی دوا تو درکنار عمل جراحی تک کے واسطے تیار ہونا پڑتا ہے۔ مسلمان کا فر بنائیں، بے ایمان کہیں لیکن ایمان کی بات یہ ہے کہ کربلا میں جس آگ کے شعلے بلند ہوئے وہ برسوں اندر ہی اندر سُلگ رہی تھی۔ شہادت امام حقیقتاً انجام تھا اُس ابتدا کا اور خبر تھی اُس مبتدا کی جس کا ظہور سرورِ کائنات کی زندگی ہی میں ہوا۔ یہ تمام واقعات از ابتدا تا انتہا تصویر تھے نفسانیت کی اور تفسیر انا بشرٌ مثلکم کی۔

مسلمانوں کے ایک گروہ کا یہ خیال کہ عام مسلمانوں کو بنی فاطمہ سے پوری ہمدردی نہیں۔ ایک حد تک صحیح ہے اور اس میں شک نہیں کہ مظالم کربلا کا مقصد صرف نخلِ زہرا کو تاراج کرنا تھا۔ مگر جس طرح اپنی کتاب 'امنہ کے لال' میں میں نے شانِ رسالت کا فیصلہ اس شعر پر کیا کہ ؎

ترے احکام نے ختمِ رسل ساکت زباں کر دی
نہ ہوتا قفل گر منہ پر تو بتلاتے کہ کیا تو تھا

اسی طرح اس معاملہ میں بھی یہ شعر پیشِ نظر ہے ؎

عقاید میں کسی کے دخل دینے کی ضرورت کیا
قیامت پر بھی رہنے دو گے کوئی فیصلہ باقی

لیکن مسلمانوں کا وہ فریق جو سانحہ کربلا کو معمولی جنگ بتا کر غلامانِ زہرا کے زخموں پر نمک چھڑک رہا ہے حقیقتاً انصاف سے محروم اور ایمان سے بے بہرہ ہے اور مجھے باوجود اس یقین کے کہ حقیقی فیصلہ کے واسطے یوم الحق ہے" یہ کہنے میں تامل نہیں کہ مظالم کربلا کو نظر انداز کرنے والے مسلمان پیغمبر عرب کی اُمت نہیں ہو سکتے۔

میرے دورانِ ادارت میں ایک مضمون تعزیوں کے خلاف رسالہ عصمت میں شائع ہوا تھا جس کے جواب میں ایک لڑکی نے یہ لکھا تھا "میں تعزیوں پر قربان ہوں گی۔ پٹکوں کی روؤں گی"۔ مسلمانوں کے وہ جید علما، جن کے ہاتھ میں اسلام کی باگ اور جنت اور دوزخ کی کنجیاں ہیں، شاید اس لڑکی پر کفر کا فتوے لگانے میں ایک لمحہ بھی تامل نہ فرمائیں گے۔ لیکن میری ذاتی کیفیت یہ ہے کہ سنہ ۶ میں جس کو بیس سال سے زیادہ ہوئے۔ میرا ایک سات برس کا بچہ ضائع ہوا۔ کئی مہینے بعد اس کی ایک اچکن میرے سامنے آئی یہ اچکن اس کو پہننی بھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ مگر اس لئے کہ اُس کے نام کی تھی اُس کو آنکھوں سے لگا کر گھنٹوں رویا ہوں۔ اب اگر کوئی مولوی صاحب قرآن و حدیث کا حوالہ دے کر مجھے گنہگار اور مشرک بدعتی فرمائیں تو میں یہ عرض کروں گا کہ اگر آپ صحیح فرماتے ہیں تو اسلام نے فطرت انسانی کا مطالعہ نہیں کیا یا آپ اسلام کو نہ سمجھ سکے۔

الزہرا میں باوجود اس کے کہ میں نے کتاب باوضو لکھی اور رجحان کہیں

سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا کا نام قلم سے نکلا آنکھوں سے ٹپکا یا۔ میں نے یہ احتیاط کی کہ پڑھنے والے کو میرے عقاید کا پتہ بآسانی نہ چلے مگر اُس وقت رہنا تھا اور اب چلنا ہے۔ اُس وقت مصلحت اور ضرورت سامنے تھی آج عقیدت اور حقیقت۔ اُس وقت جوانی کی قوت نے دل کی بات زبان پر نہ آنے دی آج موت کی طاقت صداقت کی شمع دکھا رہی ہے اور فیصلہ کے واسطے میرا ایمان کافی ہے۔

دو چار دفعہ نہیں متواتر پندرہ سال علمائے اسلام سے تحریری بھی اور زبانی بھی شیعوں سے بھی اور سُنیوں سے بھی یہ التجا کی کہ مولود شریف اور شہادت نامہ ایسا لکھ دیں جس کی بنیاد تاریخ پر ہو جس کے واقعات پر فلسفہ قہقہے نہ لگائے۔ اور سائنس مضحکہ نہ اڑائے مگر سنیوں نے توجہ فرمائی نہ شیعوں نے۔ مولود شریف تیار ہوا نہ شہادت نامہ۔

تاریخ شہادت کی تکمیل میں مجھے یہ دیکھ کر دلی رنج ہوا کہ میری نظر سے ایک شہادت نامہ بھی ایسا نہ گزرا جو میری منشا کے مطابق ہوتا سنیوں سے تو مجھے شکایت نہیں ہو سکتی کیونکہ ان کے ایک فریق نے یہ کہکر اپنا دامن بچا لیا کہ دو عرب بچے لڑے۔ ایک غالب ہوا ایک مغلوب، رونا کیسا اور نیاز کس کی۔ تعجب شیعہ حضرات پر ہے کہ اُنھوں نے وقت کے مطالبہ اور زمانہ کی ضرورت کو نظر انداز فرما دیا۔

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ تاریخ اسلام میں کربلا سے زیادہ اہم کوئی واقعہ نہیں مگر یہ تعجب اور افسوس نہیں صدمہ کی بات ہے کہ مسلمانوں

تاریخ اتنے سنگین واقعہ میں ہمزباں نہیں مثلاً حضرت قاسم حضرت علی اصغر کی عمروں میں انتہائی اختلاف ہے۔ اسی طرح بی بی سکینہ اور حضرت مسلم کی صاحبزادی کی موجودگی میں بعض یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ بی بی شہربانو اس وقت زندہ تھیں شمر کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ چونکہ مختار کی بیوی کا بھائی تھا اس لئے اس کے قتل میں بیوی نے مختار سے وعدہ لے لیا تھا کہ جب تک وہ ہماری پناہ میں ہے قتل نہ کیا جائے۔ مگر جب وہ رات کو بھاگ کر جا رہا تھا قتل کر دیا گیا۔ ایک تعجب انگیز اختلاف یہ ہے کہ امام حسن علیہ السلام کو جعدہ کے ذریعہ جو زہر دلوایا گیا وہ امیر معاویہؓ کی نہیں یزید کی کوشش تھی۔ حالانکہ اس وقت یزید کی کوئی حیثیت ہی نہ تھی۔

میں نے اختلافی معاملات میں انتہائی احتیاط سے کام لیا اور فریقین کی مستند کتابوں کو سامنے رکھ کر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

شہادت ناموں میں عام طور پر جو واقعات کربلا ہیں ان میں یہ نہیں بتایا گیا کہ اس قیامت خیز جنگ کے اسباب کیا تھے بنو امیہ اور بنو فاطمہ کے تعلقات کی کیفیت کیا تھی اور اس لڑائی کی تہہ میں کیا چیز کام کر رہی تھی۔ شہادت کے بعد پڑھنے والا یزید۔ ابن زیاد۔ شمر، خولی اور عمرو سعد وغیرہ پر لعنت بھیج چکتا ہے تو فطری طور پر وہ یہ سننے کا مشتاق ہوتا ہے کہ ان بدبختوں کا کیا حشر ہوا اور انسانی طاقت کے فیصلہ کے بعد خدائی طاقت نے کیا فیصلہ کیا۔ میرے علم میں اردو کی

کوئی ایسی کتاب نہیں جس میں واقعہ کربلا کے اسباب اور بعد کے حالات بھی ہوں میں نے اس کتاب میں جہاں عبد مناف سے لے کر شہادت امام حسینؑ تک بیچ کی کوئی کڑی نہیں چھوڑی وہاں بعد شہادت کے مختصر حالات اور قاتلانِ امام کی موت پر بھی بحث کی ہے۔ باوجود اس احتیاط کے میں نے "سیّدہ کے لال" میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں لکھا جس کے تسلیم کرنے میں عقلِ سلیم کو تامل ہو۔ میں جانتا ہوں کہ بعض مسلمان مراثی نثر پر پہلا اعتراض یہ کریں گے کہ جو کچھ لکھا گیا یہ فرضی اور غلط ہے اور دوسرا یہ کہ یہ سب بے سود رونا رلانا۔ لغو اور بیکار ضرورت یہ ہے کہ مسلمانوں میں زندگی پیدا کی جائے۔ میں ان معترضین کے جواب میں حسنِ عقیدت کو علیحدہ کر دیتا ہوں اور پھر عرض کرتا ہوں کہ جو کچھ لکھا گیا حرف بہ حرف صحیح ہے۔ فطرتِ انسانی کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے۔ یہ مبالغہ نہیں اُس سے کم ہے جو کچھ ہوا ہوگا۔ کہنے والے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھیں تو فیصلہ ہوگا کہ اس قیامت خیز مصیبت میں کیا کچھ نہ گزری ہوگی اور کیا کچھ نہ ہوا ہوگا۔ اب رہا دوسرا اعتراض اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں میں زندگی اُس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک بہنیں بی بی زینبؑ کی لونڈیاں نہ ہوں۔ لڑکے علی اکبر کے غلام اور بھتیجے و بھانجے قاسم۔ عون و محمّد کے مقدس نام نہ جپیں۔ اسلام اُسی وقت تک زندہ ہے۔ جب تک روایاتِ اسلامی زندہ ہیں جب یہ ختم ہوئیں تو اسلام وہ اسلام ہوگا جو خدا نہ کرے کہ

بعض مسلمان فرماتے ہیں کہ حسینؑ خود ہی

۴۴
۴۷

اس کتاب میں موجود ہے کہ امام حسینؑ کا تشریف لیجانا اس حدیث کے تحت تھا کہ کہیں میری وجہ سے کعبہ کی بے حرمتی نہ ہو۔ امام عالی مقام کا یہ اندیشہ حرف بہ حرف پورا ہوا اور دو سال بعد ہی وہ وقت آگیا کہ کعبۃ اللہ کی اینٹ اینٹ بجی۔ خانۂ خدا میں پتھر پھینکے گئے غلاف کعبہ میں آگ لگائی گئی اور مسلمانوں کا خون پانی کی طرح مکہ معظمہ میں بہہ گیا۔

دلی۔ جولائی سنہ ۱۹۳۱ء راشد الخیری

رسعد
مشتاق ہوتا ہے کہ
فیصلہ کے بعد خداد

سیدہؓ کا لال

فہرست مضامین

حصہ اوّل

تاریخ شہادت

عنوان	صفحہ
خاندانی عداوت	۱۳
بی بی خدیجہؓ کا نکاح۔ اولاد اور فضیلت	۱۶
اُمّ المومنین کا عشق اسلام سے	۱۹
اُمّ المومنین کی محبّت جناب سیّدہ سے	۲۵
اُمّ المومنین کی رحلت	۲۷
ہجون میں پہلا مسلمان جنازہ	۲۹
جناب سیّدہ کی کیفیت	۳۰
عداوت کی ترقی	۳۶
سیّدۃ النساء کے فضائل	۳۸
سیّدۃ النساء کی مشابہت باپ سے	۴۲
حضرت علیؓ	۴۴
حسنین علیہما السلام کی پیدائش	۴۷

حصّہ دوم
مراثیٔ کربلا

عنوان | صفحہ

کی حرکات پر نظر ڈالنی چاہیئے تاکہ شہادت امام کا اصلی راز معلوم ہو جائے۔

جس طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نبوت کی تصدیق میں پیش قدمی کی اسی طرح ابوسفیان بطلانِ نبوت میں پیش پیش ہے سرورِ کائنات نے جب نبوت کا دعویٰ فرمایا تو یہی وہ شخص تھا جس نے نہ صرف تکذیب پر بس کی بلکہ جسمانی اور روحانی ہر قسم کی ممکن اذیت پہونچائی۔ آدمی چلتا پرزا اور تھوڑا بہت اثر بھی رکھتا تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ چھوٹے سے بڑا اور بچہ سے جوان ان ہی لوگوں میں ہوا۔ خوب سے واقف، حالات اور معاملات سے خبردار اس لئے جو داؤں کیا وہ بھرپور۔ اسلام کی جتنی لڑائیاں ہوئی ہیں۔ ان میں شاید ہی کوئی ایسی لڑائی ہو جس میں ابوسفیان کا جوڑ توڑ نہ ہو۔ اس کے دل میں بنو ہاشم کی کچھ ایسی آگ لگی ہوئی تھی کہ گھر کا بچہ بچہ اس نام کا دشمن تھا۔ ھندہ جس نے حضور اکرمؐ کے چچا امیر حمزہؓ کا کلیجہ چبا کر فخر کیا اس کی بیوی تھی۔

جب صداقت کذب پر غالب آئی اور اسلام کی قوت نے شرک کو مغلوب کیا۔ مکہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تو منافقین کو اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ اسلام قبول کریں۔ جانی دشمن اور خون کے پیاسے رسالت کے قدموں پر قربان ہوئے اور کلمہ توحید پڑھا۔ ان ہی لاچاروں میں ابوسفیان بھی تھا۔ خدا اور اس کا رسول اُس کا اسلام قبول کرے۔ مگر ہماری رائے میں اس کا دامن بے گناہ خونوں سے اس قدر شرابور ہے کہ فطرت انسانی اس عفو پر متحیر و متعجب ہوگی۔

اُمّ المومنین بی بی خدیجہؓ کا نکاح اُن کی اولاد اور اُن کا مرتبہ

بنو ہاشم اور بنو اُمیہ کی عداوت کا حال تو اس بیان سے اچھی طرح معلوم ہو گیا اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ ایمان لا کر اُمّ المومنین ہوئیں اور اپنا تمام مال و متاع اسلام پر قربان کیا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام کی کامیابی میں بڑا حصّہ اُمّ المومنین بی بی خدیجہؓ کی دولت اور ان کی خدمات کا ہے۔ ان کے نکاح کے بعد اسلام کو جو تقویت حاصل ہوئی اور اُنہوں نے ہر موقع پر جو مدد دی اُس سے سُنّی یا شیعہ کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ ام المومنین کے ہاں رسالت مآب سے سات بچے پیدا ہوئے تین لڑکے اور چار لڑکیاں۔ قاسمؑ طاہرؑ۔ عبداللہؑ۔ زینبؑ۔ ام کلثومؑ۔ امنہؑ۔ فاطمہ زہراؑ۔ بی بی فاطمہ سب سے چھوٹی تھیں اور یہی وجہ ہے کہ سرورِ عالمؐ کو ان سے عشق تھا اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے چھوٹے بچے سے ہر ماں باپ کو زیادہ محبت ہوتی ہے اس محبت یا عشق کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ حضور اکرمؐ دم بھر کی مفارقت بھی جناب سیدہ کی گوارا نہ فرماتے تھے۔ جب کبھی سفر میں تشریف لے جاتے تو سب سے پیچھے اُن سے رخصت ہوتے اور جب واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے اُن سے ملتے۔ اُن کے بچوں کو اپنا بچہ فرماتے۔ اس تعلق کی تفصیلی وجوہ پر میں "الزہراؑ" میں بحث کر چکا ہوں جس کا خاتمہ مولوی نواب صدیق حسن خاں صاحب کے

ان اشعار پر ہے ؎

دی کسے گفت عائشہ در فضل	بہتر از بنت سید البشر است
مصرعۂ در جواب او گفتم	رشتۂ دیگر رگِ جگر دگر است

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ سیدہؓ کی پیدائش پر رسالت مآب نے یہ الفاظ فرمائے کہ "میری یہ بچی دنیا کی بزرگ ترین عورت ہے"۔ بی بی خدیجہؓ کے متعلق یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ سرورِ عالمؐ سے اُن کا نکاح ایک معرکہ تھا جو کہ آنحضرت نے نبوت سے قبل سر کیا وہ اس طرح کہ اُم المومنین کے پہلے شوہر قباش اور دوسرے عتیق کے بعد تجارت کا تمام کاروبار کچھ عرصہ تک اُن کے باپ خویلد نے انجام دیا مگر جب ضعیفی نے زیادہ کمزور کر دیا تو اُنھوں نے سب حساب کتاب بیٹی کے سپرد کر گوشہ نشینی اختیار کی بی بی خدیجہؓ نے مجبوراً خود ہی دیکھ بھال شروع کی اور گو کام ٹھیک ہو رہا تھا تاہم وہ ایک متدین آدمی کی ضرورت محسوس کر رہی تھیں، ان کے تموّل اور خاندانی شرافت کی وجہ سے اکثر آدمی نکاح کے متمنی تھے۔ اور پیام دے رہے تھے۔ مگر وہ انکار کر چکی تھیں اور اپنے وقت کا بیشتر حصہ خانہ کعبہ میں بیٹھ کر خدا کی عبادت میں بسر کرتیں۔

حضور اکرمؐ پر اُس وقت تک نزولِ وحی نہ ہوا تھا۔ مگر دیانت و شرافت کا سکہ سب کے دلوں پر بیٹھ چکا تھا اور چونکہ آسمانی کتابیں یہ خبر دے رہی تھیں کہ ایک پیغمبر پیدا ہونے والا ہے اور ان کے عالم وقت کے منتظر تھے اور کاہنہ عورتیں بی بی خدیجہؓ سے کہہ رہی تھیں کہ تمہاری

قوم میں ایک پیغمبر پیدا ہو گا۔ اس لیے ان کا ذہن رسول اکرم کی طرف منتقل ہوا۔ اب تاریخ تو یہ کہہ رہی تھی کہ اُمّ المومنین کو ایک ایماندار نائب کی ضرورت تھی، جو اُن کے کاروبار کو سنبھالے مگر ہماری رائے میں حُسنِ عقیدت نے بھی بی بی خدیجہؓ کو رسول اللہ صلعم کی طرف کھینچا اور جب وقت نکاح کی بات چیت شروع ہوئی تو انھوں نے نہ صرف آمادگی ظاہر کی بلکہ سبقت کی۔

ان واقعات سے یہ معلوم ہو گیا کہ ایک طرف تو بنو امیہ اور ہاشم کے دلوں میں جو شعلے بلند ہو رہے تھے بی بی خدیجہ کے نکاح نے اس پر اور تیل چھڑکا کیونکہ قریب قریب مکّہ کے تمام رئیس ان سے نکاح کے خواستگار تھے دوسری طرف خود بنو ہاشم کے بعض امراء کچھ علانیہ اور کچھ خفیہ حضورؐ سے حسد کرنے لگے۔

اس لئے کہ ہر معاملہ پوری طرح ذہن نشین ہو جائے ہم ایک اور واقعہ نقل کرتے ہیں۔ جس کی ذمہ داری بخاری جیسی مستند کتاب پر ہے۔ جو کلامِ الٰہی کے بعد ہمارے عقیدے میں سب سے زیادہ صحیح ہے اور یہ بیان اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ کا ہے جس کا مفہوم یہ ہے۔

اُمّ المومنین بی بی خدیجہؓ کے بعد رسولِ اللہ صلعم اُن کی تعریف اکثر فرماتے تھے۔ ایک روز حسبِ عادت انھوں نے تعریف فرمائی تو ایک بی بی نے کہا، "وہ تھیں کیا ایک بڑھیا بیوہ تھیں۔ خدا نے اُن سے بہتر آپ کو دیں۔" یہ الفاظ آپ کو اس قدر ناگوار ہوئے کہ چہرۂ اقدس سُرخ ہو گیا اور فرمایا۔ "اُن سے اچھی بیوی نہیں ملی۔ وہ ایمان لائیں اُس وقت جب سب کافر تھے اُنھوں نے

میری تصدیق کی اُس وقت جب سب جھٹلا رہے تھے۔ انھوں نے اپنا مال و دولت اسلام پر قربان کیا۔ خدا نے اُن کے بطن سے مجھے اولاد دی" اس واقعہ سے اُمّ المومنین بی بی خدیجہؓ کے احسانات کا پتہ چل سکتا ہے اور بآسانی معلوم ہو سکتا ہے کہ ان کا اثر بعد رحلت حضورؐ کے قلب پر کس قدر تھا

قصرِ اسلام کی سنگین بنیادیں اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے کرم سے دبی ہوئی ہیں تو اس کی عالی شان چھتوں پر ام المومنین بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ کے احسانات کا جھنڈا لہرا رہا ہے جس کا اقرار بانیٔ اسلام صلعم کی زبانِ مبارک نے ہمیشہ فرمایا۔ بدر کی لڑائی میں جب کچھ قیدیوں کی رہائی اس شرط پر قرار پائی کہ وہ فدیہ دیں تو قیدیوں میں ابوالعاص بھی تھے جو بنت الرسولؐ بی بی زینبؓ کے شوہر تھے۔ شوہر کی رہائی کے واسطے زینبؓ نے اپنی ہیکل جو اُن کی ماں اُمّ المومنین بی بی خدیجہؓ کی تھی خدمت اقدس میں بطور فدیہ بھیجی جب یہ ہیکل سامنے آئی تو آپ نے فرمایا "یہ ہیکل اُس کی ہے جس کی عمر کا آخری حصّہ اسلام کی خدمت میں بسر ہوا۔

اُمّ المومنین کا عشق اسلام سے

بی بی خدیجہؓ کے نکاح نے نوبت یہاں تک پہنچا دی کہ قریش نے اپنے تعلقات بالکل محدود کر دیئے اور اُمّ المومنین کے پاس عورتوں کی آمد و رفت برائے نام رہ گئی۔ کنبہ اور برادری تو فرنٹ ہو ہی گئی تھی محلہ اور پڑوس کی بھی کوئی عورت پاس آکر نہ پھٹکتی۔ چنانچہ بی بی فاطمہؓ کی پیدائش

کے وقت کسی عزیز نے آکر جھانکا تک نہیں۔

عمر کی زیادتی کے ساتھ اُم المومنین کے قویٰ میں انحطاط شروع ہو گیا تھا ادھر رسول اللہ صلعم کے افکار جن میں وہ برابر کی شریک تھیں روز بروز ترقی کر رہے تھے اور اُدھر چھوٹے چھوٹے بچوں کی تربیت اور گھر کا انتظام سر پر تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ صحت خراب ہو گئی۔ دولت کا بڑا حصہ اسلام پر قربان ہو چکا تھا اور وہ وقت آگیا کہ رئیس التجار خویلد کی وہ بیٹی جس کی دولت سے قریش سیراب ہو رہے تھے کنبہ جس کا ہاتھ اور برادری جس کا منہ تکتی تھی۔ اپنا تمام مال و متاع شوہر پر لٹا کر اللہ اللہ کرتی اور کوئی آکر بات تک نہ کرتا، بیماری نے موت کا یقین دلا دیا تھا تنہا گھڑیوں میں جب رات کا سایہ سر پر ہوتا اور معصوم سیدہ کو گلے سے لگا کر لیٹتیں۔ اس وقت فطرت انسانی مستقبل کا نقشہ سامنے لاتی اور سوچتیں کہ میرے بعد اس بن ماں کی بچی کا کیا حشر ہوگا کس کے پکھوے سے لگے گی اور دشمن اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ میرے جیتے جی یہ حالت ہے کہ ہر متنفس جان کا دشمن ہے اور بظاہر اس دشمنی کے ختم ہونے کی اُمید نہیں میری آنکھ بند ہونے کے بعد اس بچی کا انجام کیا ہوگا۔ پانچ برس کا زمانہ اسی ادھیڑ بن میں بسر ہوا۔ عزیزوں کی عداوت کا فکر اور رسالت کے مخالفین کا رنج ایسا ہاتھ دھو کر پیچھے پڑا کہ بدن میں سکت نہ رہا ایک طرف حضور اکرم کا فکر تھا۔ دوسری طرف جناب سیدہ کا عبادت الٰہی سے فارغ ہو کر اکثر بچی کو سینہ سے لگا کر روتیں اور فرماتیں کہ موت سر پر آپہنچی کاش فاطمہ میرے سامنے بڑی ہو جاتی تو میں

باطمینان دنیا سے رخصت ہو جاتی۔

حارثہ بنت عقیل کا بیان ہے کہ ایک روز دوپہر کے وقت جب گرمی شدّت کی تھی اور ہوا چاروں طرف آگ برسا رہی تھی میں ام المومنین کے گھر میں داخل ہوئی یہ دیکھ کر کہ ان کی حالت روز بروز بگڑ رہی ہے اکثر جایا کرتی تھی۔ بی بی خدیجۃ الکبریٰ مرض الموت میں گرفتار ہیں۔ کمزوری کا زور تھا۔ اور اب چلنا پھرنا بھی مشکل تھا۔ میں نے دیکھا کہ معصوم سیّدہ اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے بیمار کا سر دبا رہی تھی۔ تیز بخار تھا اور درد زیادہ۔ ام المومنین کی خالہ اطم بجائے تسکین کے نہایت جگر خراش گفتگو کر رہی تھی۔ ام المومنین سے بآسانی بات نہ کی جاتی تھی۔ انھوں نے رُک رُک کر کہا "آرزو ہے کہ خدا سے برحق خاتمہ بالخیر کرے"۔ اطم امّ المومنین کے ساتھ کی کھیلی اور بچپن کی سہیلی تھی۔ مگر ایسی کٹّر اور سنگ دل کہ سُن کر ہنسی اور ہنس کر کہا "جس پر ایمان لائی ہو اور جس کو دولت دی ہے وہی خاتمہ بالخیر کرے گا"

امّ المومنین نے اس کا جواب دینے کی کوشش کی مگر آنکھیں بند ہو گئیں اور بول نہ سکیں اطم نے اپنے الفاظ پھر دُہرائے اور کہا "خدیجہ تم جس تکلیف میں مر رہی ہو یہ تم نے خود پیدا کی ہے۔ بزرگوں کی نافرمان اور برادری کی گنہگار عورت کو اسی طرح مرنا چاہیئے۔ اب بھی اگر توبہ کر لو اور اپنی حرکتوں پر نادم ہو تو خاندان تمھارے ساتھ ہے۔ تمہاری نافرمان میّت ہماری اپنی ہو گی۔ اور ہم تمہارا جنازہ تزک و احتشام سے اُٹھائیں گے۔ ورنہ جس طرح تمہارے حلق میں کوئی پانی تک ٹپکانے والا نہیں ہے۔ اسی طرح تمہاری لاش

کا بھی کوئی اُٹھانے والا نہ ہوگا غنیمت ہے کہ تم نے اپنی غلطیوں کا خمیازہ دنیا ہی میں دیکھ لیا اور تم ہمارے واسطے ایک سبق ہوگئیں۔ تم پر جو گذرنی تھی گذر گئی۔ اس بچّی کی کیوں مٹّی پلید کرتی ہو۔ ہم پر نہیں تو اِس معصوم پر رحم کرو۔ تم جس رسالت پر ایمان لائی ہو یہ غلط ہے۔ اسی نے تم کو یہ دن دکھایا۔ اگر تم اپنی غلطی کا میرے سامنے اقرار کرو تو میں وعدہ کرتی ہوں کہ ہم سب تمہاری مدد کو تیار رہیں اور تمہاری بچّی کو سر آنکھوں پر بٹھائیں گے اور اس کو کلیجہ سے لگا کر اپنے بچّوں کی طرح پالیں گے۔"

اطہر کے الفاظ جادو تھے کہ مردے میں جان پڑ گئی۔ اُمّ المومنین اُٹھ بیٹھیں بدن تھر تھر کانپ رہا تھا اور آنکھ سے آنسو کی لڑیاں بہہ رہی تھیں۔ نفرت سے اطہر کی طرف دیکھا اور کہا" اطہر میرے سامنے سے دُور ہو جا۔ جو موت مجھ کو آرہی ہے خدا ہر قریش کو نصیب کرے اور میری طرح سب کا توحید پر خاتمہ ہو۔ یہ حالت جس کو اذیت سمجھ رہی ہے حقیقت میں راحت ہے۔ تو نے میری کیفیت کو غلط سمجھا، فلاکت میرے واسطے نعمت اور تنہائی میرے لئے جنت ہے۔ میری بچّی کا بہتر وارث وہی ہے جس کی راہ میں میں نے اپنی دولت قربان کی میں بظاہر دنیا سے خالی ہاتھ رخصت ہوتی ہوں۔ مگر زندگی کے بیش بہا خزانے میرے ساتھ ہیں۔ آسمانی فرشتے فاطمہؓ کی حفاظت کریں گے۔ میں رسول اللہ کے یہ الفاظ سن چکی ہوں کہ فاطمہؓ دُنیا کی بہترین عورت ہے۔ یہی میرا ایمان ہے تو اگر زندہ رہی تو دیکھ لیجیو کہ میری بچّی کا نام مسلمانوں کے واسطے راحت جان ہوگا۔ دُنیا کے تاریک پردے تیری آنکھوں پر پڑے ہیں

۴۲۸۸

اور شیطان تجھ کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ میں تجھ کو سمجھاتی ہوں اس لئے کہ میری بہن ہے نصیحت کرتی ہوں اس واسطے کہ بھتیجی اور سہیلی ہے کہ ایمان لا اس اُس رسول پر جس کی رسالت برحق ہے جس کی صداقت کی شہادت شجر و حجر دے رہے ہیں۔ تیری زندگی جس پر تو نازاں ہے ابدی نہیں تو نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ تیری ہر حالت منقلب اور ہر کیفیت متغیر تھی۔ تیرا بچپن جوانی سے بدلا اور اب جوانی بھی ڈھلنی شروع ہو گئی سیاہ بال آدھے سے زیادہ سفید ہو گئے اور چہرہ کی جھریاں شباب کو وداع کر چکیں اگر تیرے دل میں ایمان کی جھلک ہوتی تو یہ تغیر اور یہ انقلاب جو پیام موت ہے تیری آنکھیں کھول دیتا اور تیری زندگی موت سے پہلے موت کے واسطے تیار ہو جاتی۔ تجھ کو بتاتی ہوں کہ انجیل و زبور اس پیغمبر کے ظہور کی خبر دے رہی ہیں۔ جس پر میں ایمان لائی اور جس کے نکاح نے مجھ کو بنت خویلد سے اُمّ المومنین بنا دیا۔ تیرے منہ پر آنکھیں تیرے دماغ میں عقل ہے تیرے پہلو میں دل ہے۔ تو دیکھ رہی ہے۔ تو سن رہی ہے۔ اب تک دیکھا اور سنا، اب سمجھ اور غور کر کہ تو۔ تیرا خاندان اور تیری قوم اعلان نبوت کے بعد اس کے ساتھ کیا سلوک کر رہی ہے افسوس ہے۔ تمہاری عقلوں پر۔ تم ایک طرف اس کی انسانیت کا اقرار کرتے ہو۔ اس کی دیانت کا کلمہ پڑھتے ہو، اس کو امین اور صادق کا لقب دیتے ہو اور دوسری طرف اُس کی جان کے دشمن اور خون کے پیاسے ہو۔ عقل مند ہو، ہوشیار رہو۔ بتاؤ بولو، آخر کس خطا اور کس قصور میں اگر تم پیغمبر تسلیم نہیں کرتے نہ کرو۔ لیکن سنو جو کہتا ہے اور کرو جو بتاتا ہے۔ تم ان صفات کا انسان،، اس طبیعت کا

کا آدمی، اپنے کنبہ میں، اپنے محلہ میں، اپنے شہر میں، مردوں میں، عورتوں میں، مُردوں میں اور زندوں میں دکھا دو اور بتا دو۔ تم نے اپنی شرارت میں اپنی عداوت میں اپنی خباثت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ گڑھے کھود رہے۔ اوجھڑیاں ڈال رہے ہو۔ مگر اُس کی زبان پر سوائے صبر و شکر کے دوسرا لفظ نہیں آتا۔ اگر اب بھی تمہارا ایمان اس کی رسالت تسلیم نہیں کرتا تو بدبخت ہو اور اس دنیا کے ساتھ جس کا خاتمہ یقینی ہے دین بھی تباہ کر رہے ہو۔ اطم موت دور نہیں۔ آنکھ بند بند کرنے کی دیر ہے مجھے آرہی ہے اور تجھ کو بھی آئے گی۔ لیکن میں نے دنیا سے دین خریدا۔ فانی زندگی سنواری۔ خوش رہی اور بشاش چلی، خالی ہاتھ آئی اور بھری پُری جاتی ہوں۔ زندگی کا مقصد یہی ہے اور دُنیا کی غرض یہی۔ اطم مجھ سے سبق لے اور توبہ کر، ڈر موت سے جو برحق ہے اور خوف کر عذاب کا جو اٹل ہے۔ توبہ کر گناہوں سے اور باز آ شرک سے ایمان لا توحید پر اقرار کر رسالت کا"

یہاں تک پہونچ کر اُمّ المومنین کی زبان بند ہو گئی وہ گر پڑیں اور بے ہوش ہو گئیں مگر اس تقریر کا اثر اطم اتنا ہوا کہ اس کی ہچکی بندھ گئی اُٹھی اور اُمّ المومنین کے قدموں میں گر پڑی اور چیخیں مار مار کر اس قدر روئی کہ اُمّ المومنین کی آنکھ کھُل گئی اور انھوں نے پوچھا کیا غُل غپاڑہ ہے" اطم نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "خدیجہ بہن مجھے بھی مسلمان کر لو"

تھوڑی دیر بعد رسول اللہ تشریف لے آئے اور اطم نے اسلام قبول کیا۔ اس کے اسلام نے مکہ بھر میں کھلبلی مچا دی، شام کے قریب خاندان کے بہت سے آدمی اُمّ المومنینؓ کے گھر پر چڑھ کر آئے اور اس قدر بپھرے ہوئے کہ

اللہ کی پناہ، اطہر کو پکڑ کر لے گئے اور چلتے وقت یہ کہہ کر گئے کہ ہم سب خدیجہؓ سے اس کا بدلہ جلد لے لیں گے۔

میں کہہ سکتی ہوں کہ خدیجہؓ عورت نہیں فرشتہ تھی حالت لمحہ بہ لمحہ بگڑ رہی تھی اور موت کے آثار جسم کی رگ رگ سے نمودار تھے۔ قریش اس قدر چیخ پیٹ کر گئے لیکن اطہر کے مسلمان ہونے کی خوشی ان تمام حالات پر غالب تھی وہ اپنی تکلیف بھول گئیں باغ باغ تھیں میں دوپہر سے دیکھ رہی تھی کہ طبیعت کا رنگ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے رات کو اپنے ہاں جا کر صبح پھر آگئی آج مجھ سے پہلے ہی اسماء بنت عمیس پہنچ چکی تھیں۔ اس واسطے مجھے اطمینان ہو گیا اور میں چلی آئی۔

اُمّ المومنینؓ بی بی خدیجہؓ کی محبّت جناب سیدہؓ سے

دوسرے روز گئی تو مرض کی کیفیت میں کوئی خاص فرق نہ تھا۔ مگر اطہر کے مسلمان ہونے کی خوشی اُمّ المومنین کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔ دوپہر کے وقت پانی مانگا۔ بی بی فاطمہؓ نے کر آئیں پی چکیں تو چہرہ پر افسردگی کے آثار ظاہر ہوئے۔ اسماء نے مجھے اشارہ کیا تو میں نے دیکھا کہ آنسو بہہ رہے ہیں میں نے عرض کیا کہ شاید آپ کو کوئی تکلیف ہو رہی ہے اور درد سر وغیرہ ہے تو میں دبا دوں یہ کہکر میں نے سر پر ہاتھ رکھا تو بخار تیز تھا۔ میرے سوال پر مسکرا کر فرمایا" جسمانی تکلیف کی پروا میں نے تمام عمر نہیں کی اب کیا کروں گی"۔ اسماء نے اپنے ہاتھ سے آنسو پونچھے اور کہا اُمّ المومنین آپ سے زیادہ خوش نصیب عورت دنیا میں کون ہو سکتی ہے۔ آپ زندگی کو اس طرح ختم کر رہی ہیں جو کسی دوسرے

کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ آپ نے دنیا سے اتنا کما لیا کہ کوئی نہ کما سکے گا۔ آپ یہاں سے اس قدر سرخ رو رخصت ہو رہی ہیں کہ آج کی اسلامی دنیا اور آنے والی دنیا آپ کا نام سر آنکھوں پر رکھے گی آپ نے اپنے کارنامے اور اپنی خدمات ایسی بے مثل چھوڑی ہیں کہ دنیا ان کا ثانی پیدا نہیں کر سکتی۔ یہ ایسا وقت کہ آپ جس قدر بھی خوش ہوں کم ہے آپ کی اذیت کا دور ختم ہوا اور راحت کا وقت شروع ہوتا ہے۔ آپ کو ہنسنا چاہیے۔ کہ خدا آپ سے راضی رسول آپ سے خوش آپ اس وقت کیوں جی بھاری کر رہی ہیں" میری گفتگو پر چند لمحہ کے واسطے اُمّ المومنین کے خیالات اس طرف منتقل ہوئے اور مسرت کی ایک عارضی لہر ان کے چہرے پر دوڑی لیکن فوراً ہی ختم ہو گئی اور فرمانے لگیں۔

اسماء تمہارا کہنا درست ہے اور اس اعتبار سے میں جس قدر بھی خوش ہوں کم ہے میں سمجھتی ہوں کہ میری دولت کا مصرف اس سے بہتر نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ خدا کی راہ میں کام آئے اور ارشاد نبوی کے مطابق میرا یہ عمل بھی مقبول ہو سکتا ہے کہ محض خدا کے واسطے میں نے دنیا کو اپنا دشمن بنا لیا اور راہِ صداقت پر تمام تعلقات قربان کر دیئے مگر تم جانتی ہو کہ میں بشر ہوں اور فطرتِ انسانی کے تقاضے سے مجبور ہو کر مجھ کو اس وقت اپنی چھوٹی بچی فاطمہؓ کا فکر ہے کہ میرے بعد کیا ہو گا۔ میرا عقیدہ اور یقین یہ ہے کہ خدا سب کی مشکلیں آسان کرتا ہے اور وہی سب کچھ کرے گا، مگر ماتا کے آنسو نہیں رکتے اور بہت سی باتیں رہ رہ کر کلیجہ مسوس رہی ہیں۔ یہ آج بچہ ہے اور کل جوان ہو گی۔ مجھے یہ بھی اطمینان ہے کہ میرا خدا جس پر ایمان لائی اس کو اچھا دولہا دے گا اور یہ دونوں میاں بیوی

اس دنیا میں خوش و خرّم رہیں گے مگر تم جانتی ہو کہ جس وقت بچی دلہن بن کر میکے سے وداع ہوتی ہے تو سسرال میں ہر متنفس غیر اور پرایا ہوتا ہے۔ اسی واسطے میکے کی ایک دو عورتیں دلہن کے ساتھ جاتی ہیں کہ وہاں کی ضرورتوں میں کام آئیں اور عالم تنہائی میں انیس ہوں۔ یہ انتظام مائیں کرتی ہیں اور بھروسہ کے قابل عورتیں ساتھ بھیجتی ہیں۔ میری خواہش ہے کہ اگر اس وقت تم زندہ ہو تو تم جانا اور مجھ سے وعدہ کرو کہ میری اس آرزو کو پورا کروگی؟"

اس قدر گفتگو کے بعد اسماء کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور انہوں نے کہا۔ امّ المومنین آپ اطمینان رکھئے میں، وعدہ کرتی ہوں کہ اگر زندہ رہی تو آپ کی بچی کے ساتھ اس کی سسرال جاؤں گی اور جب تک اس کو ضرورت ہوگی اور جب تک یہ اچھی طرح اپنے دولہا سے مانوس نہ ہوگی وہیں رہوں گی۔" امّ المومنین یہ سنکر خوش ہوئیں اسماء کے حق میں دعا کی اور خاموش ہو گئیں۔

امّ المومنین بی بی خدیجۃ الکبریٰ کی رحلت

رات گذری مگر تمام رات ام المومنین کو نیند نہ آئی۔ بخار تیز تھا۔ مگر اس حالت میں بھی ان کی زبان پر کلمہ توحید جاری تھا۔ ابھی صبح پوری نہ ہوئی تھی کہ سانس بگڑ گیا۔ مگر دماغی حالت صحیح تھی بچی کو انہوں نے اپنے پاس بلا کر گلے سے لگایا اور باآواز بلند کلمہ طیبہ پڑھ کر کہا۔ "فاطمہؑ تجھ کو خدا کے سپرد کیا" دو یا تین مرتبہ یہ الفاظ کہے اور اس کے بعد پاک روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ مکہ کے مشہور قبرستان حجون میں دفن ہوئیں اور جس بچی کے

بطن سے اسلام کے دو شہزادے پیدا ہونے والے تھے وہ ماں کی شفقت سے ہمیشہ کو محروم ہو گئی۔

رسولِ ہاشمی کو برحق سمجھنے والے مسلمانوں! انصاف کی نگاہیں بلند کرو اور شوق کے قدموں سے آگے بڑھو۔ قبرستان حجون میں تم کو وہ جنازہ نظر آئیگا جس پر عقل انسانی تحسین و مرحبا کے پھول نچھاور کر رہی ہے۔ فرشتے اپنی پلکوں سے اس قبر کی جھاڑو دے رہے ہیں۔ یہ عورت ہے جس نے مظلوم اسلام کی اس وقت حمایت کی جب دنیا اس کو ٹھکرا رہی تھی۔ یہ وہ بیوی ہے جس نے اپنا تمام زر و دولت اور مال و متاع مذہب مقدس پر لٹا دیا۔ اور آج خالی ہاتھ اللہ کے حضور میں جا رہی ہے۔ یہ وہ ماں ہے جو مسلمانوں کے واسطے سیدہ جیسی بچی چھوڑ رہی ہے وہ بچی جو دنیا کی بہترین عورت ہے وہ بچی جس کا نام مسلمان سر آنکھوں پر رکھیں گے۔ وہ بچی جس کی زندگی مسلمانوں کے واسطے پیامِ تسکین اور جس کی موت ان کی زندگی کا سبق ہوگی، جس کے پیٹ سے حسنینؓ جیسے بچے پیدا ہوں گے وہ بچے جو مسلمانوں کو زندگی کے معنے بتائیں گے یہ وہ مسلمان ہے جس کے ایثار کا جواب دنیا کی کوئی مسلمان عورت نہ دے سکی یہ وہ بیگم جس کی خدمات افضل البشر کا مقابلہ کر رہی ہیں۔ یہ وہ حور ہے جس کی میت صداقت کے پھولوں سے آراستہ اور حقیقت کے جواہرات سے مزین ہے۔ یہ وہ دلہن ہے جس کا لباس سدا بہار پھولوں سے معطر ہے ہماری پہلی ماں اور ہمارے آقا کی پہلی بیوی، اسلام کی پہلی مربی۔ رسول اللہ کی پہلی جاں نثار اور کلمۂ توحید کی پہلی سرپرست۔

قریش کا منافق گروہ جنازہ کی بیکسی پر ہنس رہا ہے مگر آسمان کی آنکھیں اُمّ المومنین کی وداع پر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہیں قربان اُس میّت پر۔ میّت والی کے نام پر، نثار اُس جنازہ پر، جنازہ کی بیکسی پر جس کا طواف ملائکہ مقربین کر رہے ہیں۔ قریش کے ناپاک ہاتھ اس جنازہ کو کندھا دینے کے قابل نہ تھے فرشتے ہاتھوں ہاتھ لائے ہیں اور یہ وہ وقت ہے کہ عروس اسلام کا وہ جسد خاکی جو مذہب مقدس پر پروانہ وار فدا رہا چشم انسانی سے رُوپوش ہو کر ابدی نیند سو جائے۔

زندہ دنیا کی مسلمان لڑکیاں زیادہ نہیں چند لمحے کے واسطے آنکھیں بند کریں اور سوچیں کہ وہ کیا وقت ہوگا اور خلوص وصداقت کی اس دیوی نے کس دل سے کیسی کیسی قربانیاں کی ہونگی عزیز فرنت ہو گئے" کنبہ دشمن ہوا۔ محلہ نے ملنا جلنا ترک کیا۔ برادری نے آنا جانا چھوڑا۔ اثاثہ ختم۔ دولت فنا اور یہ سب کس کے لئے اور کیوں؟ ایک تن واحد کے واسطے خدا اور اُس کے رسولؐ کی رضامندی کے لئے۔

ہیجون میں پہلا مسلمان جنازہ

جب دفن کا وقت آیا تو بنو اُمیہ اور قریش نے متفقہ کوشش کی کہ اُمّ المومنین ہیجون میں دفن نہ ہوں۔ ان میں سے ایک شخص عروان نامی آگے بڑھا اور کہا یہ ہمارا خاندانی قبرستان ہے جہاں ہمارے بزرگ اور آبا ؤ اجداد دفن ہیں یہ ہمارے مذہب سے برگشتہ ہو کر عبداللہ کے لڑکے پر ایمان لائی اور بڑوں کے عقیدہ سے پھری۔ ہم اس کو یہاں دفن ہونے نہ دیں گے۔" ابتدا میں اس بحث نے زیادہ طول پکڑا مگر وہ خود ہی ٹھنڈے ہو گئے اور کہا

زندگی تک یہ اپنے عقائد کی مالک تھی مگر اب یہ گوشت پوست ہمارا ہے اور اگر ہمارے ہاں دفن ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔

سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا کی کیفیت

طلوع آفتاب کو دو پہر سے زیادہ گذر چکے۔ جنازہ کو گئے چار پانچ گھنٹے ہو گئے اُطم اپنے گھر گئی فاطمہ بنت اسد، فاطمہ بنت زبیر بھی چلی گئیں، اب گھر میں ایک معصوم بچی کے سوا کوئی نہیں کتنا نازک وقت اور درد انگیز سماں ہے کہ پانچ سال کی ایک معصوم بچی جو ابھی موت و زندگی کو نہیں سمجھ سکتی۔ ماں کو چاروں طرف ڈھونڈھتی پھر رہی ہے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہے کونے کونے جاتی ہے چپے چپے پوچھتی ہے، بچھونے اٹھا کر دیکھتی ہے اور مایوس ہو کر ایک کونے میں خاموش ہو بیٹھتی ہے اس کو تسکین دینے والے گھر کے در و دیوار ہیں اور سینہ سے لگانے والے ہوا کے جھونکے بیکسی و تنہائی کے عالم میں ننھا سا دل ڈرتا ہے۔ کھڑی ہوتی ہے اِدھر اُدھر دیکھتی ہے اور پھر اماں کہتی ہوئی دروازے تک پہونچ کر لوٹتی ہے اور گر پڑتی ننھی سی جان کا پرواز تخیل دفعتہً اس کو اس واقعہ کی طرف لے گیا اور دو روز پہلے کا وہ سماں آنکھوں کے سامنے آگیا۔ جب ماں بستر مرگ پر پڑی ہے آنکھ سے زار و قطار آنسو کی لڑیاں جاری ہیں۔ اسماء بنت عمیس سے رو رو کر درخواست کر رہی ہے کہ میرے بعد جب بچی جوان ہو اور شادی کا وقت آئے تو اس لئے کہ میری فاطمہ کو تکلیف نہ ہو تم اس کے ساتھ چلی جانا۔ اسماء تم مجھ سے

وعدہ کرو کہ اس کی وداع کے وقت تم ساتھ جاؤ گی میں اور کسی قابل نہیں ہوں۔ ہاں تمہارے واسطے دعا کروں گی میں نے اپنا بھرا پرا گھر محض خدا کے واسطے اجاڑا ہے اور پشت ہا پشت کی دولت جو پہاڑوں سے کاٹے نہ کٹتی اس کے رسول پر قربان کی ہے جس کی خدمت میں بیسیوں لونڈی غلام حاضر رہتے وہ آج انسان کی صورت کو ترس رہی ہے۔ وہی خدا جس کے واسطے میں نے ثروت لٹائی میری دعا قبول کریگا اسماء بن ماں کی بچی کو دھوکہ نہ دینا اور مجھ کو مُردہ سمجھ کر میری پیاری زھرا کو تنِ تنہا رخصت نہ کر دینا۔ اسماء میری بچی آنکھوں کا تارا ہے۔ خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر اقرار کرو کہ میرے کلیجہ کے ٹکڑے کو اکیلا نہ چھوڑو گی۔

معاملہ کو سمجھنے کی عمر نہ تھی مگر ماں کی صورت جو آنکھ سے اوجھل ہو چکی تھی بھولے بھالے دل کے سامنے آگئی۔ بیتاب ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ بلبلاتی اور روتی ہوئی۔ اِدھر اُدھر دوڑی آسمانی حوریں خاموش آنسوؤں پر قربان ہو رہی تھیں مگر دنیا کے بسنے والے بے خبر تھے۔ اور جانتے تھے کہ مقدس لبوں کا یہ نالہ عرش عظیم تک جا رہا ہے۔ اور کائنات سماوی اس کے سامنے اپنی آنکھیں بچھا رہی ہے قریشی دل جن کی گودوں میں بچے تھے جن کی انگنائیوں میں لال کھیل رہے تھے جو ماںتا کے درد سے پوری طرح واقف تھے ایسے پتھر ہوئے کہ آج ایک انسان ایسا نہ تھا۔ جو جنت کی اس حقیقی حور کو کلیجہ سے لگاتا۔ بن ماں کی بچی کو تسکین دیتا اور سر پر ہاتھ رکھتا محلہ اس کی آہوں پر ہنس رہا تھا اور برادری اس کے آنسوؤں کا مضحکہ اڑا رہی تھی وہ حسرت و یاس کی تصویر بن کر اس دروازہ میں جا کھڑی ہوئی جس میں سے ماں کا جنازہ گیا تھا۔

عورتیں سروں پر ردا ڈالے ہر سمت پھر رہی تھیں اور خاموش آنکھوں کی ٹکٹکی صرف اس توقع پر بندھی تھی کہ ماں کا پکھوا نصیب ہو جائے اور ان راستہ چلتی عورتوں میں شاید وہ صورت بھی نظر آجائے جو اپنے ہاتھ بڑھا کر میری گردن میں ڈال دے اور کلیجہ سے لگائے وقت کا بڑا حصہ گذر گیا ننھے منے دل پر نا اُمیدی کی گھٹا چھا گئی دفعتہً فاطمہ بنت اسد سامنے آتی ہوئی دکھائی دی۔

ایک حسرت نصیب نگاہ معصومانہ انداز سے اوپر اُٹھی۔ قدم آگے بڑھے۔ بنت اسد شہزادی کی صورت دیکھ تڑپ اُٹھی۔ روتی ہوئی آنکھوں سے گود میں اُٹھا کر پیار کیا اندر لائی ہچکی بندھی ہوئی تھی کہ فاطمہ بنت زبیر بھی آگئی دونوں کی دونوں سیدہؓ کو گلے سے لگائے رو رہی تھیں۔ جب بچی سو گئی تو بنت اسد نے کہا۔

اُمّ المومنین کو فاطمہؓ سے اس قدر عشق تھا کہ رحلت سے چند گھنٹے قبل بستر سے اُٹھیں اور پیالے میں تھوڑی سی مٹی بھگوئی اور کپڑے درست کئے۔ اور کہا "میری بچی کا سر چکٹ رہا ہے میرے بعد اس کا سر کون دھلائے گا میں اپنے سامنے اس کا سر دھو دوں کہ قریش کی عورتیں میری فاطمہ پر نہ ہنسیں۔ تم دیکھتی ہو کہ اس کے کپڑے میلے ہو گئے میرے بعد اُس کے کپڑے کون بدلے گا۔ موت کا گھر ہوگا۔ لوگ آئیں گے اور جائیں گے۔ میں چاہتی ہوں میری شہزادی کسی کی نگاہ میں حقیر نہ ہو میں اپنے ہاتھوں سے آخری خدمت اپنی بچی کی انجام دیدوں"۔

اُمّ المومنین کی طبیعت زیادہ بگڑ رہی تھی۔ اُنھوں نے بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر

کھینچا اور سینہ سے لگا کر روتی رہیں۔ پھر یہ کہکر "بیوی ماں تجھ سے ہمیشہ کو چھوٹتی ہے۔ میری ننھی سی جان اب تو بن ماں کی ہوتی ہے اور آج خدا کا حکم تجھ کو ماں کی ماتا سے محروم کرتا ہے۔ چاند سا مکھڑا اور یہ بھولی صورت جس پر میں قربان تھی مجھ سے چھوٹ رہا ہے۔" فرمایا "بی بی میں تجھ کو خدا کے سپرد کرتی ہوں۔ خاندان تیرا دشمن ہے اور برادری میں کوئی اتنا نہیں کہ محبّت کا ہاتھ سر پر پھیرے۔ آ میری بیگم میری گود میں آ میں اپنے ہاتھ سے تیرا منہ دھلا کر اُجلے کپڑے پہناؤں' ارمان یہ تھا کہ ان ہاتھوں سے دلہن بناؤں گی مگر تقدیر میں نہ تھا۔"

"فاطمہؓ ننھی سی عمر اور چھوٹا سا حافظہ ہے مگر کچھ نصیحت کرتی ہوں یاد رکھنا باپ کے سوا اب کوئی دنیا میں اتنا نہیں کہ تمھاری طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھے قریش جان کے دشمن اور بنو اُمیہ خون کے پیاسے ننھی سی جان پر نت نئے ظلم ہوں گے تکلیفیں بھگتنی پڑیں گی۔ فاقوں میں روٹی کا ٹکڑا میسر نہ ہوگا۔ اور پیاسی ایک ایک قطرہ کو ترسو گی۔ ان پیارے پیارے نازک ہاتھوں میں جن پر میں ہزار بار قربان چکی پیستے پیستے چھالے پڑیں گے۔ دیکھو مرنے والی ماں کے خون پر جو رگ رگ میں دوڑ رہا ہے حرف نہ آنے پائے۔ بی بی سخت سے سخت مصیبت میں شکایت زبان پر نہ آئے۔ فاقوں میں پیٹ سے پتھر باندھنا اور ظلموں میں زبان پر مہر لگانا' میری مینا' ماں تیرے آنسوؤں پر نثار' تو رو کر اپنا دل بھاری نہ کر' تجھے کیا معلوم کہ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہوگا۔"

اُمّ المومنینؓ سے زیادہ رقت مجھ پر طاری تھی انھوں نے سیّدہ کا ہاتھ اپنے منہ پر پھیرا اور کہا "جانتی ہوں اس جسم پر نیل پڑیں گے اور

دشمن کا پوری طاقت سے حملہ ہوگا۔"

اسماء کا بیان اور یہ فقرہ ختم نہ ہوا تھا کہ رسول اللہؐ صلعم گھر میں داخل ہوئے تو عجب سماں تھا۔ بچھڑی ہوئی بیٹی جس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا اُٹھ بیٹھی اور باپ کی صورت دیکھتے ہی تڑپ اُٹھی۔ دوڑ کر لپٹ گئی۔ سرورِ کائنات نے سر پر ہاتھ پھیرا تو چہرہ اقدس پر نظر ڈال کر پوچھا "اماں کہاں ہیں۔ اس سوال نے سب کے کلیجے اُڑا دیئے سید المرسلین نے فرمایا۔ "خدا کے ہاں" معصوم دل اس کا مطلب نہ سمجھ سکا اور بچی کی خاموش نظریں باپ کے چہرے پر جمی رہیں۔ سرورِ عالمؐ نے گود میں اُٹھا کر پیار کیا اور تسکین دے کر باہر تشریف لے گئے۔ معصوم اور مغموم چہرہ خوشی سے بدل گیا اور شہزادی یہ کہتی ہوئی ہشاش بشاش گھر میں دوڑنے لگی، رسول اللہ (صلعم) میری اماں کو اللہ میاں سے لینے گئے ہیں............ اب میری اماں آتی ہوں گی............ میں ان کا بچھونا صاف کر دوں۔ سلوٹیں پڑی ہوئی ہیں .... خالہ ہیں اتنے دوا بھگوا دوں آتے ہی پی لیں گی، کھانسی کو آرام ہو جائے گا۔ کہیں مجھ سے خفا نہ ہوگئی ہوں............ خالہ جان رسول اللہ (صلعم) سے کہہ دینا مجھے بھی ساتھ لے چلیں میں اماں جان کو منا لوں گی وہ مجھ ہی سے ناخوش ہیں۔ آؤ اٹھو اچھی خالہ جان۔ جاؤ کہہ دو مجھے ساتھ لے چلیں میرے کہنے سے فوراً آجائیں گی............ میں ہاتھ جوڑ کر قصور معاف کرالوں گی۔ بڑی خالہ جان تم جا کر رسول اللہ (صلعم) سے کہہ دو کہ وہ اب اپنی اماں جان سے نہ روٹھے گی۔ کپڑے بھی بدل لوں گی، سر بھی دھلوا لونگی۔

خالہ اماں۔ میری اماں جان مجھ سے خفا ہو کر چلی گئیں، اب رسول اللہ (صلعم) منالائیں گے۔ ایسی خفا ہوئیں کہ آج صبح سے مجھے کھانا بھی نہیں دیا۔ اب آتی ہوں گی.......... ایسی بگڑیں کہ سارا دن گذر گیا ایک کھجور بھی منہ میں نہیں گئی.......... ہاں ہاں مجھے یاد آگیا۔ کپڑوں پر خفا ہوئیں کہ میں نے کپڑے نہیں بدلے اچھا اب جلدی سے بدل لوں۔"

تاریکی پردہ دنیا پر چھا چکی تھی قریش جگمگاتی روشنی میں رنگ رلیاں منا رہے تھے۔ مگر دونوں جہاں کی شہزادی کے پاس چند قطرے تیل کے نہ تھے کہ ماں کی لحد پر جلا دیتی۔ ننھا سا دل اپنے معصوم جذبات سے ماں کے آنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اندھیرے میں منہ دھویا جلدی جلدی کپڑے بدلے اور دروازہ میں جا کر کھڑی ہوئیں۔ ساعت قیامت سے وہ وقت کم نہ تھا۔ جب پانچ چھ برس کی ایک جان دروازہ میں کھڑی اس ماں کی راہ دیکھ رہی تھی جو زمین کا پیوند ہو چکی دفعتہً سلمہ بنتِ صفیہؓ ردا اوڑھے اور منہ ڈھانکے ڈیوڑھی میں داخل ہوئی بی بی خوشی کے مارے اچھل پڑی اور لپٹ کر کہا۔

"اہا میری اماں جان آگئیں"

بنتِ اسد اور بنت زبیرؓ کے سینوں میں کہرام مچا ہوا تھا سلمہؓ بی بی کے اس کہنے سے کہ میری اماں جان آگئیں اور لپٹ جانے سے بالکل بے اختیار ہو گئی منہ چھپائے رکھا اور گود میں اٹھا کر کلیجہ سے لگا لیا۔

شام ہو چکی ہے اور لڑکے تھپیڑے کم ہو چکے ہیں نیند کے ڈورے شہزادی کی آنکھوں میں نمودار ہو گئے ہیں آنکھیں مچتی ہیں اور کھلتی ہیں اور

اُمّ المومنین بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ کے بعد یہ پہلی رات ہے کہ شہزادی ماں کے پہلو سے بچھڑ کر سلمہ کے سینے سے چمٹتی ہے۔ دونوں ہاتھ گلے میں اور سر گردن سے لگا ہوا نیند کے جھونٹوں میں یہ الفاظ زبان سے نکل رہے ہیں۔

"اماں جان اب میں نہیں جانے دوں گی"

روتی ہوئی آنکھوں سے تڑپتے ہوئے دل سے چھپے ہوئے چہرے سے سلمہ بچی کو لے کر لیٹی اور آہستہ آہستہ سر پر ہاتھ پھیر کر بال درست کئے سلمہؓ کا زخمی دل جوان بیٹے کا داغ اٹھا چکا تھا شہزادی کی حالت سے اتنا بے اختیار ہوا کہ منہ پر منہ رکھ کر رونے لگی فرطِ محبت سے بھینچ بھینچ کر ہچکیاں لے رہی تھی کہ بیوی کی آنکھ کھل گئی اور دیکھ لیا کہ یہ آواز میری ماں کی نہیں ہے۔ روتی ہوئی اٹھ بیٹھی اور اسی نیند میں کہا:۔

"پھوپی جان تو میری اماں جان کدھر گئیں"

اس کا جواب ایک بے اختیار چیخ تھی جو سلمہؓ کے منہ سے نکلی اور اور اس نے کہا "خدا کے ہاں گئی ہیں" اب شہزادی اٹھ کھڑی ہوئی اور کہا۔ "رسول اللہ (صلعم) نے بھیج تو دیا تھا شام کو آ گئی تھیں۔ اب پھر چلی گئیں۔ آپ نے بھی نہ روکا"

عداوت کی ترقی

یہ واقعات صاف بتا رہے ہیں کہ عداوت باہمی کس حد تک پہنچ چکی تھی سنگدلی کی کیا کیفیت تھی، ماں باپ کی عداوت کا بچوں سے بدلہ لینا کسی مذہب

میں جائز نہیں۔ مگر کچھ ایسے شقی القلب لوگ تھے کہ ان کی نگاہ میں ہر ظلم جائز اور شرارت درست تھی شیطنت کا کوئی دقیقہ اور خباثت کا کوئی شائبہ ایسا نہ تھا جو ان سے چھوٹا ہو۔ ان سے یہ توقع تو ہو ہی نہ سکتی تھی کہ وہ ام المومنین کے بعد سیدہؓ سے کسی قسم کی ہمدردی کریں اگر مظالم ہی میں کمی کر دیتے تو اُن کا احسان تھا۔ مگر انھوں نے عہد کر لیا تھا کہ مکاری پوری طرح ختم کریں گے۔ اسلام جوں جوں ترقی کرتا گیا۔ ان کی آفات بھی اتنی ہی بڑھتی گئیں۔ یہاں تک کہ جناب سیدہؓ بچپن کی منازل کو ختم کرتی ہوئی شادی کے قابل ہوئیں اور ہر طرف سے پیام نکاح آنے لگے اور بالآخر حضرت علیؓ سے ہو گیا۔

اس عقد نے عداوت کی آگ کو بھڑ دیا۔ مگر اب اسلام ابتدائی اسلام نہ تھا۔ اب یہ روز بروز ایسا قوی ہو رہا تھا کہ کٹر سے کٹر دشمن بھی اس کے سامنے بھنگا تھے۔ کھلے مقابلہ کی تو ہمت اور طاقت دونوں ختم ہو چکی تھیں۔ لیکن دل ہی دل میں انگاروں پر لوٹتے تھے اور کوئی موقع مل جاتا تو چوری چھپے وار کرنے میں کسر نہ چھوڑتے۔

بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ کے نکاح نے دلوں پر جو بجلی گرائی وہ اُن کی موت سے بھی ٹھنڈی نہ ہوئی جناب سیدہؓ کے نکاح نے دوسری قیامت بپا کی۔ اب بدبختوں کو اس کے سوا دوسرا شغل نہ تھا کہ راتیں اسی دھیڑبن میں صبح کرتے اور دن اسی غور خوض میں شام۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اُس وقت جو جو کچھ کر رہے تھے کھلے خزانے اور اب جو کچھ ہو رہا تھا چوری چھپے اس وقت دشمن جانی تھے اور اب بغلی گھونسے۔ جب بر سر پیکار تھے۔ اور اب درپے آزار۔

سیدۃ النساء کا درجہ و فضائل

سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا کی جو عزت دو قعت سرور کائنات کی نگاہ میں تھی اور آپ جو اس قدر محبت فرماتے تھے اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ سچ مچ کی رسول زادی تھیں۔ صبر و شکر عفو تحمل ان کی ماں سے ملا اور ایثار و رحم جود و سخا باپ سے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ فاطمہؓ جس طرح بہترین عورت تھی اسی طرح بہترین بیوی اور گھر والی۔ گو اس کے گھر میں قاقم و سنجاف نہ تھے۔ مگر انگنائی اور دیواریں ستھری صاف، کچھ شک نہیں کہ اس کی چکی سونے چاندی کی نہ تھی لیکن گرد و غبار سے پاک اور خاک مٹی سے محفوظ۔ ہمارا بچھونا تھا تو معمولی چمڑے کا مگر صاف اور ستھرا مجھے یاد نہیں کہ فاطمہؓ نے کبھی میری خواہش کے خلاف کوئی کام کیا ہو۔ اس کی دلی خواہش اور کوشش مجھ کو خوش اور رضامند رکھنا تھا وہ نماز فجر کے بعد اپنے ہاتھ سے چکی پیستی تھی اور گھر میں جھاڑو دیتی تھی اس کو متواتر فاقے جھیلنے پڑتے تھے لیکن کبھی شکایت زبان پر نہ آئی۔ ایثار کی یہ کیفیت تھی کہ ایک موقع پر بنی سلیم کا ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت تلخ گفتگو کی۔ آنحضرت نے اس کا جواب اس قدر نرمی سے دیا کہ وہی شخص جو کاہن اور جادوگر بنا رہا تھا اس نے تصدیق نبوت کی۔ اسلام قبول کر چکا تو سرور کائنات نے فرمایا تیرے پاس کچھ کھانے کو ہے۔ اس نے عرض کیا۔ قبیلہ بنی سلیم میں مجھ سے زیادہ مفلس کوئی شخص نہیں۔ حضور اکرم نے اپنی جماعت سے فرمایا تم میں کون شخص ایسا ہے

جو اس کو ایک اونٹ دیدے۔ سعد ابنِ عبادہ اٹھے اور عرض کیا میرے پاس ایک اونٹنی ہے وہ میں اس کو دیتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ مسلمانوں تمہارے ایک بھائی کا سر ننگا ہے۔ کون ہے جو اس کا سر ڈھانک دے" حضرت علیؓ نے یہ سُن کر اپنا عمامہ اس کے سر پر رکھدیا۔ اب رسالت مآب نے فرمایا "ہے کوئی اللہ کا بندہ جو اس کا پیٹ بھر دے" یہ سُن کر سلمانؓ اُٹھے اور اس کو ساتھ لے کر باہر نکلے۔ چاروں طرف پھرے مگر کھانا کہیں موجود نہ تھا۔ دفعتہً جناب سیدہ کا خیال آیا۔ اس کو ہمراہ لے کر دروازہ کھٹکھٹایا اور مفصل کیفیت بیان کی سیدہ کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور فرمایا۔ سلمانؓ قسم ہے اس خدائے بہتر و برتر کی جو کون و مکان کا خالق ہے۔ کہ میرے پاس آج تیسرا روز ہے کہ رزق کی قسم سے کوئی چیز نہیں مگر سلمانؓ جو بھوکا پیغمبر زادی کے گھر پر آیا بھوکا نہیں جا سکتا۔ میری چادر لے اور شمعون یہودی سے کہہ فاطمہ محمد (صلعم) کی بیٹی کی یہ ردا رکھ کر جنس دے دے۔ سلمانؓ پر اس واقعہ سے ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی انھوں نے چادر کو بوسہ دیا اور روتے ہوئے شمعون کے پاس چلے اعرابی ساتھ تھا اور جنابِ سیدہؓ کے ایثار وکرم پر دل ہی دل میں عش عش کر رہا تھا کہ سلمانؓ نے شمعون کو چادر دی اور بی بی فاطمہؓ کا پیغام پہونچا دیا۔

یہودی نے چادر کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور واقعہ پر غور کرنے لگا۔ دفعتہً اس کی حالت بگڑی اور کہا "سلمانؓ بی بی فاطمہؓ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں لے سلمانؓ یہ وہ لوگ ہیں جن کی خبر ہمارے پیغمبر نے توریت میں دیدی ہے

میں پہلے جناب سیّدہ کے رحم و کرم کی تصدیق کرتا ہوں، حقیقتاً وہ بنت الرسولؐ ہے اور اس کے بعد آپ کے باپ پر ایمان لاتا ہوں، لے اناج لے اور جا۔

سلمانؓ فوراً سیّدہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے اناج پیسا اور آٹا گوندھ کر روٹی پکائی تو سلمانؓ نے کہا اس میں سے دو روٹیاں بچوں کے لئے لیجئے سلمانؓ کی اس تجویز پر سیّدہؓ مسکرائیں اور فرمایا "یہ میرا نہیں ہے۔ خدا کی راہ پر دے چکی"۔

سلمانؓ اعرابی کو ساتھ لے روٹی سمیت سرورِ کائنات کی خدمت میں حاضر ہوئے جب اعرابی کھانا کھا چکا تو حضور اکرمؐ نے دعا فرمائی اور کہا "الٰہی فاطمہؓ تیری لونڈی ہے اس سے راضی رہیو"۔

اسی قسم کا ایک اور واقعہ ہے جابر بن عبداللہ انصاری کا بیان ہے کہ ہم نے حضور اکرمؐ کے ساتھ نماز عصر پڑھی نماز کے بعد سب بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بڈھا شخص جس کی مفلسی اس کے لباس سے اور پریشانی اس کی چال ڈھال سے ٹپک رہی تھی داخل ہوا اور لڑکھڑاتے ہوئے رُک رُک کر کہا "اے پیغمبر اسلام! میں بڈھا ہوں، فقیر ہوں، بیمار ہوں اور کل سے بھوکا ہوں سن اور میری مشکل کا خاتمہ کر۔ بھوکا ہوں، پیٹ بھر، ننگا ہوں، بدن ڈھانک، محتاج ہوں، خرچ دے"۔ آنحضرتؐ نے اس کو بلایا اور پاس بٹھا کر فرمایا "میرے پاس اس وقت کچھ موجود نہیں ہے۔ مگر میں تجھ کو ایک ایسے شخص کے پاس بھیجتا ہوں جو خدا کو اچھی طرح سمجھتا ہے"۔ اور یہ فرما کر بلالؓ سے کہا کہ اس سائل کو فاطمہؓ کے پاس لے جاؤ۔ بلالؓ سائل کو لے کر درِ سیّدہؓ پر

آئے اور اس کی کیفیت بیان کی جناب سیدہؓ نے فرمایا "ہمارے ہاں اللہ کا نام ہے مگر سائل نے خدا کا واسطہ دیا ہے۔ اس لئے خالی ہاتھ نہ بھیجوں گی۔ مینڈھے کی ایک کھال جس پر بچے سوتے ہیں موجود ہے" یہ فرما کر کھال لائیں اور سائل کو دے کر فرمایا "جس کا واسطہ دے رہا ہے۔ وہی خوب جانتا ہے کہ پیغمبر زادی کے گھر میں دینے کے واسطے اس کے سوا کچھ نہیں۔ اس کو بیچ کر اپنی ضرورت پوری کرے" سائل نے کہا "میں بھوک کی شکایت کر رہا ہوں۔ اس کے بیچنے میں کچھ دقت ہو گی۔ اگر بیچ بھی لوں تو تمام ضرورتیں پوری نہیں ہو سکتیں" سائل کا فقرہ ختم ہو۔ تبھی سیدہؓ کو خیال آیا اور کہا "مجھے خیال نہیں رہا۔ "یہ لے" اتنا کہہ کر اپنے گلے سے ایک کنٹھی اتار دی یہ وہ کنٹھی تھی جو کہ آج ہی حمزہ بن عبد المطلب کی بیٹی نے بھیجی تھی اور اُتار کر کہا "لے اس سے تیری تمام شکائتیں رفع ہوں گی" سائل خوش خوش چلا کنٹھی بیچی اور کھانا کھا کر مسجد میں آیا۔ حضور اکرم خاموش تشریف فرما تھے۔ عرض کیا کہ درحقیقت فاطمہؓ خدا کو خوب سمجھتی ہے۔ حضور اکرم نے فرمایا۔ فاطمہؓ کے واسطے دعا کرو۔ سائل نے ہاتھ اُٹھائے اور کہا "اے اللہ جس طرح محمد (صلعم) کی بیٹی نے مجھ پر رحم کھایا تو قیامت میں اس پر رحم کیجیو"

جناب سیدہؓ کی خصوصیت میں یہ بات سب سے زیادہ قابل ذکر ہے کہ ان کی عبادت میں جو بعض اوقات رات رات بھر ہوتی تھی انہوں نے دنیاوی زندگی کے واسطے کبھی دعا نہ کی۔ بارہا یہ ہوا ہے کہ عشا کے بعد سے صبح تک وہ عبادت الٰہی میں مصروف رہیں اور دعا کے وقت اُن کے دلی جذبات صرف

شوہر اور بچوں یا عامۃ المسلمین کی ذات پر ختم ہو گئے چنانچہ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ جو بات فاطمہؓ کے سوا میں نے دوسری عورتوں میں بہت کم دیکھی وہ یہ تھی کہ اس نے کسی حال میں کسی وقت میرے حقوق کی ادائیگی میں ذرہ برابر فرق نہ آنے دیا۔ تیمم کے احکام ابھی نازل نہ ہوئے تھے کہ انہوں نے بیماری میں غسل کیا اور نماز کے واسطے تیار ہوئیں میں نے اس موقعہ پر ان کو روکنا چاہا اور کہا کہ اگر تم نے زیادہ محنت کی تو اندیشہ ہے کہ مرض ترقی نہ کر جائے۔ تم نے باوجود طبیعت خراب ہونے کے دن بھر چکی پیسی ہے' انھوں نے مسکرا کر جواب دیا "گھر کا کام اور خدا کی عبادت دونوں باتیں مرض کا علاج ہیں۔ ان سے بجائے فائدہ کے نقصان نہیں ہو سکتا"

جناب سیدہ کی مشابہت باپ سے

سیر کی قریب قریب تمام کتابیں بتا رہی ہیں کہ جناب سیدہؓ عادات و خصائل کے اعتبار سے' طبیعت و مزاج کے اعتبار سے' رفتار و گفتار کے اعتبار سے' صبر و تحمل کے اعتبار سے۔ رحم و کرم کے اعتبار سے' دوسرا باپ تھیں اور اس کے سوا کہ پیغمبر نہ تھیں بہت ہی کم فرق تھا۔ سرور کائنات بی بی فاطمہؓ کا انتہائی لحاظ فرماتے تھے اور ان کی بات کو بہت کم ٹالتے تھے اور جب مجبور ہو جاتے تھے اور رائے میں اختلاف ہوتا تھا۔ تو اس بات کا خصوصیت سے لحاظ فرماتے تھے کہ بی بی سیدہؓ ناخوش نہ ہو جائیں چنانچہ ایک موقع پر اُمہات المومنین میں اختلاف ہوا۔ اور حقیقت کوشش کی گئی کہ کسی طرح معاملہ رفع دفع ہو جائے مگر کامیابی نہ ہو سکی معاملہ رسالت مآب سے متعلق تھا۔ اس لئے بیویوں نے فیصلہ کیا کہ اُم المومنین

بی بی سلمہؓ حضور اکرم کی خدمت میں حاضر ہو کر سب بیبیوں کی طرف سے عرض کریں چنانچہ بی بی سلمہؓ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں لیکن وہ کامیاب نہ ہوئیں اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ کہ جناب سیدہؓ کو تکلیف دی جائے۔ کیونکہ سب جانتے تھے کہ ان کی بات ٹل نہیں سکتی ادھر حضور اکرمؐ جو فیصلہ فرما چکے تھے وہ اُمہات المومنین کے موافق نہ تھا۔ جس وقت بی بی فاطمہؓ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں تو حضور نے فرمایا۔ "فاطمہؓ جس چیز کو میں عزیز سمجھتا ہوں کیا وہ تجھ کو عزیز نہیں" بی بی فاطمہؓ نے فرمایا "کیوں نہیں جو آپ کو عزیز ہے وہ مجھ کو بھی عزیز ہے" جناب سیدہؓ یہ فرما چکیں تو رسالت مآب نے اپنا خیال ظاہر فرما دیا اور اس طرح جناب سیدہ کا اطمینان ہو گیا اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جناب سیدہ کی تجویز یا درخواست کو حضور اکرم نے اس وقت تک رد نہ فرمایا جب تک اپنی رائے سے متفق نہ فرما لیا۔ ان کے اتفاق کر لینے کے بعد اپنا خیال ظاہر فرمایا۔

اس قسم کے کئی مواقع پیش آئے ہیں کہ جناب سیدہ کی رائے سے سرورِ کائنات متفق نہ ہو سکے مگر ان کی دل شکنی کا اس قدر لحاظ تھا کہ ان کو مطمئن کیے بغیر کبھی اختلاف نہ فرمایا۔

اُم المومنین بی بی خدیجہؓ کے بعد کئی عورتوں نے جناب سیدہ کی تربیت میں حصہ لیا اور رسول اللہ صلعم کا ہاتھ بٹایا اور گو حضور اکرم کو خدمت و اشاعتِ اسلام سے بہت ہی کم فرصت ملتی تھی مگر جناب سیدہؓ کی محبت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ جس قدر فرصت ملتا تھا جناب سیدہ کی تربیت میں صرف فرماتے تھے۔ ظاہر ہے

کہ حضور اکرمؐ کی صحبت و تربیت کی پلی ہوئی بچی نزول وحی کے سوا کہ وہ اختیاری نہ تھی۔ مزاج کی دوسری رسول ہوگی۔

حضرت علیؓ

سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس وقت اسلام کی تلقین شروع فرمائی اس وقت آپ کے چچازاد بھائی علی ابن ابی طالبؓ کی عمر دس سال کی تھی اور آپ کو رسول اکرم سے اس درجہ عشق تھا کہ جب آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کون خدا کی راہ میں میری مدد کر سکتا ہے؟ تو سینکڑوں آدمیوں میں سے جس نے اس صدا پر لبیک کی وہ یہی دس سال کا بچہ تھا اور یہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ خدا کا شیر اپنے بھائی کے ساتھ دنیا کو زیر و زبر کرنے میں پورا مددگار ہوگا۔ جب رسول اکرم دشمنوں سے گھبرا کر گھر سے تشریف لے جائیں گے۔ جب اعدا کی پوری جماعت تلواریں ہاتھ میں لے خون رسالت کی پیاسی گھر سے باہر بیٹھی ہوگی۔ اُس وقت یہی بچہ جس کے عہد معصومیت پر فرشتے بھی متحیر ہیں رسول خدا پر قربان ہونے کو تیار ہوگا اور جو کچھ آج زبان سے کہہ رہا ہے وہ کر کے بھی دکھا دے گا اور منافق و ظالم جب بستر رسولؐ پر قتل کے واسطے آئیں گے تو دیکھ کر سر پیٹ لیں گے کہ جس کے سر کو تن سے جدا کرتے ہیں وہ عبداللہ کا لخت جگر نہیں ابوطالب کا ہے۔

حضرت علیؓ نے ایک دو مرتبہ نہیں کئی دفعہ سرور کائنات پر قربان ہونے کی کوشش کی اور اپنے الفاظ کو سچا کر دکھایا۔ شجاعت، صداقت، کرم، ایثار، خلوص و محبت فطرت نے کوٹ کوٹ کر ان کی ذات میں ودیعت کئے تھے۔ رسول

اکرم صلعم کی محبت اور مذہب مقدس کی الفت سونے پر سہاگہ ہوگئی جس نے چمنستانِ اسلام کے اس شاداب پھول کو سدا بہار بنا دیا۔ یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ فیصلہ خداوندی تھا یا تصفیہ رسالت مگر عقل سلیم اس کے تسلیم کرنے میں متامل نہیں ہوسکتی کہ بی بی فاطمہؓ کے واسطے ایک ایسے ہی شوہر کی ضرورت تھی جس میں خدا نے فضائلِ انسانی اپنے ہاتھ سے رکھے ہوں۔ ایک طرف تو حضرت علیؓ کی ہمت وجرات کا ڈنکا تمام عرب میں بج رہا تھا اور دوسری طرف ان کے رحم وانصاف کے گیت بچہ بچہ کی زبان پر تھے۔

میدانِ جنگ میں شجاعانِ اسلام عاجز آجاتے تھے۔ دشمن غالب ہونے کے قریب پہونچتے تھے تو سرور کائنات حضرت علیؓ کو مقابلہ کا حکم دیتے تھے، سنگین سے سنگین معرکہ میں بھی جب مسلمان پریشان ہوگئے ہیں اور رسول اللہ صلعم نے حضرت علیؓ کو روانہ کیا ہے۔ تو فتح کا سہرا حضرت علیؓ کے سر رہا ہے۔

غزوہ بدر میں جب فریقین تیار ہوگئے اور لڑائی شروع ہوگئی تو مشرکین ومنافقین کا سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ سامنے آیا۔ یہ مشہور جری تھا اور اس کی شجاعت کا سب لوہا مانتے تھے۔ اس نے اسلام کے کئی بہادروں کو جام شہادت پلاکر باوازِ بلند سرورِ عالم سے کہا کہ "میری تلوار اب قریش کے خون کی پیاسی ہے۔ کوئی میرا ہمسر لشکرِ اسلام میں موجود ہو تو مقابلے کے لئے بھیجو" اس گستاخانہ فقرہ سے مسلمان برافروختہ ہوئے اور رسالت مآبؐ نے حیدر کرار کو حکم دیا، کہ میدان میں جاکر عتبہ بن ربیعہ کا مقابلہ کریں بھلا شیر خدا کی جرأت کا مقابلہ عتبہ کیا کرتا شجاعت جس پر گھمنڈ کر رہا تھا دھری کی دھری رہ گئی

اور تیغ حیدری نے لڑائی کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں کیا۔

جو شخص جرأت و ہمت کے لحاظ سے تمام عرب میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا جس کی طاقت نے فطرتِ انسانی کو متحیر کر دیا اس کے ایثار کرم کی کیفیت یہ تھی کہ سرورِ عالم کی ہجرت کے بعد مدینہ منوّرہ میں ایک رات دونوں میاں بیوی اور بچوں پر فاقہ کی گذری۔ نماز فجر سے فراغت پا کر خدا کا شیر تلاشِ معاش میں باہر نکلا۔ چاروں طرف نظر دوڑائی مگر کوئی ذریعہ یا جگہ میسر نہ آئی۔ دن کا بڑا حصہ اسی ادھیڑبن میں بسر ہوا۔ اپنا خیال مطلق نہ تھا مگر معصوم بچوں کی بھوک پر کلیجہ کٹ رہا تھا۔ بازار کے متواتر پھیرے کئے۔ لیکن کام نہ ملا۔ اور آفتاب کی روشنی جھلملانی شروع ہوئی۔ اب امیر علیہ السّلام کو یقین تھا کہ کل کی طرح آج کی رات بھی پہلو والے لالوں پر صاف گذری اور بنت الرسولؐ پر فاقہ رہا۔

اتفاق محض سے جب نماز مغرب کے بعد شام کی تاریکی پردہ دنیا پر چھا رہی تھی اور رات فاقہ زدہ سیدؓ اور اس کے لالوں پر سیاہ آنسو گرا رہی تھی کہ ایک تاجر اپنا سامان لے کر پہنچا اور جن مبارک ہاتھوں نے خیبر کا دروازہ چشم زدن میں اکھاڑ کر پھینک دیا اور جن کو بوسہ دینا کائنات فلکی کا فخر تھا۔ وہ اسباب ڈھونے میں مصروف ہو گئے دنیا کی آنکھیں اس سے زیادہ تیرہ و تار سماں مشکل دیکھیں گی کہ علیؓ ابنِ ابی طالب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا داماد فاطمہؓ کا شوہر حسنینؓ کا باپ اور "خدا کا شیر" بیوی بچوں کا پیٹ بھرنے کے واسطے اِن کندھوں پر جو حسنؓ حسینؓ کا جھولا ہیں۔ بھاری بھاری اسباب ڈھو رہا ہے۔ چہرہ خاک آلود ہے اور لباس گرد میں اٹ رہا ہے۔ رات کے

ابتدائی حصہ نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر یہ کیفیت دیکھی اور آسمان اس درہم پر جو شیر خدا کے ہاتھ میں رکھا گیا پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ اور انسانیت کی اس مجسم و مکمل تصویر نے بچوں کے پیٹ بھرنے کی فکر میں جلدی جلدی قدم بڑھائے۔ مدینہ کی گلیاں ان مبارک قدموں کو ذوق شوق میں بوسے دے رہی تھیں کہ سامنے سے ایک بڑھیا جس کے قویٰ کا انحطاط حیاتِ انسانی کی تفسیر کر رہا تھا۔ لکڑی ٹیکتی ہوئی سامنے سے آئی اور صورت دیکھ کر بآواز بلند کہا۔

"علیؑ میں اور میرا بڈھا بیمار شوہر تین وقت سے بھوکے ہیں۔ خدا کا واسطہ ہمارا پیٹ بھر دے"۔ بڑھیا کے الفاظ زنجیر بن کر امیر علیہ السّلام کے پاؤں میں پڑے۔ مقابلہ پورا تھا۔ تین ہی وقت کا فاقہ سیدؑ اور سیدہ کے بچوں پر تھا فطرتِ انسانی کا تقاضہ کچھ اور تھا۔ مگر بڑھیا کی صدا نے جس میں خدا کا نام شامل تھا اس قلب کو جو عبادت الٰہی کے وقت گرم پانی کی طرح جوش کھاتا تھا موم کر دیا۔ درہم بڑھیا کے حوالہ کیا اور فرمایا "خدا تجھ پر اور مجھ پر رحم کرے"۔

اب یہ کہنے میں تامل نہیں ہو سکتا کہ سیدہؓ جیسی ماں کی گود اور امیر جیسے باپ کی آغوش سے جو بچے پیدا ہوئے ہوں گے ان کی طبعیتیں کیسے کیسے انسانی جواہرات سے مالامال ہوں گی اور مال و متال کی بجائے ان کو ورثہ میں ماں باپ سے کس قسم کی فضائل و خصائل ہاتھ آئی ہوں گی۔

حسنین علیہما السّلام کی پیدائش

حضور اکرمؐ کی ہجرت کو ڈھائی سال ہو چکے تھے اسلام ابتدائی حالت

سے آگے بڑھ چکا تھا مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا اور اس ترقی کے ساتھ ہی رسولِ اللہ اور خاندانِ رسالت کی ذاتی تکالیف بھی زیادہ ہو رہی تھیں۔ بی بی فاطمہؓ کے گھر پر افلاس نے ڈیرے ڈال دیئے تھے کہ ۳ سنہ ہجری کے رمضان المبارک کا منجھلا دہا اپنے ساتھ ایک نعمتِ غیر مترقبہ لایا صبح صادق کے وقت مدینہ میں اس خبر نے کہ بی بی فاطمہؓ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا گھر گھر خوشی کے سامان پیدا کر دیئے۔ ان ماں باپ کا بچہ تھا جن سے رسولِ خدا کو غایت درجہ محبت تھی اس لئے جس قدر تعلق اس بچہ سے سرورِ عالم کو ہوتا کم تھا۔ آپ نے صورت دیکھکر فرطِ محبت سے بوسہ دیا گود میں لیا اور حسنؓ نام رکھا۔ ایک سال بعد ۴ سنہ ہجری میں جناب سیدہؓ کے ہاں دوسرا بچہ پیدا ہوا۔ جس کا نام حضورِ اکرمؐ نے حسینؓ رکھا اور دونوں بچوں کو سرورِ کائنات نے اپنے بچوں کی طرح پالا اور تربیت فرمائی۔

اسماء بنت عمیس جو ولادِ سیدہؓ کے وقت میکے سے ساتھ آئی تھیں بچوں کی پرورش میں مدد دے رہی تھیں۔ ان بچوں کی تربیت مقدس ماں نے زیادہ تر کلام اللہ سے کی وہ بچوں کو لوری بھی دیتی تھیں تو آیاتِ ربانی سے۔ خفا ہوتی تھیں تو ان ہی سے اور سمجھاتی تو ان ہی سے چنانچہ ایک موقع پر جب دونوں بچوں میں کسی بات پر جھگڑا ہوا تو ماں نے پاس بٹھا کر لڑائی جھگڑے اور فتنہ و فساد کی آیات اس خوبی سے پڑھیں اور درد سے سمجھائیں کہ دونوں اصل بات کو بھول کر خدا کے خوف سے رونے لگے اور وعدہ کیا کہ آئندہ کبھی ایسی غلطی نہ کریں گے۔ بی بی زینب صلوٰۃ اللہ علیہا جو میدانِ کربلا میں

سیدالشہداء کے ہمراہ تھیں اور جنھوں نے اپنے دو بچے عون و محمد بھائی پر قربان کئے بی بی فاطمہؓ کی پانچویں صاحبزادی ہیں اور گو عمر میں خاصی چھوٹی تھیں مگر چھوٹے بھائی سے ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ وہ کسی وقت بھی اُن کے پاس سے جُدا نہ ہوئیں اور کھیل کود میں بھی زیادہ تر ان ہی کے پاس وقت گذارتیں۔

ماں کے فیضِ صحبت اور باپ کے اثرِ تربیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ کلام الٰہی ان بچوں کی نوکِ زبان تھا اور چونکہ ماں باپ دونوں عالِم تھے اس واسطے بچے بھی اُٹھتے بیٹھتے ہر فعل کو اسی دائرہ میں محدود رکھتے۔ بچوں کی پیدائش کے بعد سرورِ عالم باوجود اُمہات المومنین کی موجودگی کے اکثر وقت بی بی سیدہؓ کے ہاں بسر فرماتے۔ بچوں کو اس قدر تعلق ہو گیا تھا کہ وہ بھی گھر میں بہت کم رہتے اور مسجد نبوی میں حضور اکرمؐ ہی کے پاس کھیلتے، کئی دفعہ یہاں تک ہوا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہیں اور سجدہ میں ہیں کہ حسنؓ یا حسینؓ پشت پر سوار ہو گئے، یہ بھی عجیب لطف ہوتا تھا کہ دونوں جہان کا بادشاہ سجدہ میں ہے۔ شہزادے گھوڑا بنائے پشت پر سوار ہیں اور رسالت مآب بچوں کی دل شکنی کے خیال سے سر نہیں اُٹھاتے۔

حضور اکرمؐ کی رحلت

بنو امیہ اور بنو ہاشم کے باہمی تنازعات بدستور رہتے۔ گو اسلام ہر اعتبار سے ترقی کر رہا تھا مگر دلی کدورتیں کسی طرح ختم نہ ہوتی تھیں۔ یہاں تک کہ سرورِ عالم کی رحلت کا وقت آگیا۔ جب طبیعت زیادہ بگڑی تو آپ نے

فرمایا" کاغذ قلم۔ دوات لاؤ کہ میں کچھ لکھوا دوں تاکہ میرے بعد تم لوگوں میں کوئی جھگڑا نہ ہو"

حضرت عمرؓ نے جو بعد میں خلیفۂ دوم ہوئے رسول اللہ کے یہ الفاظ سن کر کہا کہ" اس وقت سرورِ کائنات کا مزاج صحیح نہیں اس لئے تکلیف دینے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی خدا کی کتاب ہمارے واسطے کافی ہوگی"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور رسالت مآب صلعم جو کچھ لکھوانا چاہتے تھے وہ نہ لکھا گیا۔

اسی جگہ سے مسلمانوں میں دو فریق ہو گئے ایک سنّی دوسرا شیعہ۔ عداوت رنجش باہمی کدورت تو پہلے ہی سے موجود تھی اس واقعہ نے ایک نیا اختلاف پیدا کر دیا بعض کا خیال تھا کہ سرورِ عالم حضرت علیؓ کے حق میں وصیت فرماتے اور خلافت کا فیصلہ ان ہی کے حق میں ہوتا بعض کا خیال تھا کہ ایسا نہ ہوتا اور حضرت عمرؓ نے جو کچھ کہا درست کہا۔

اس وقت رسول اللہ صلعم کے چچا حضرت عباسؓ نے حضرت علی کو خصوصیت سے اس طرف متوجہ کیا اور صلاح دی کہ وہ آں حضرتؐ سے خلافت کے مسئلہ کو طے کریں۔ اور دریافت کریں کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا اور یہ منصب کس کو ملنا چاہیئے۔ مگر اُنھوں نے کھُلے الفاظ میں کہدیا کہ" مجھ کو اپنے خاندان کا حال معلوم ہے اور موت کے وقت جو کیفیت طاری ہوتی ہے وہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے یہ سوال کس منہ سے اور کس دل سے کروں۔ جو خدا کو منظور ہوگا وہ ہوگا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال نہیں کر سکتا"۔

حضور اکرمؐ کی طبیعت زیادہ بگڑی تو آپ نے اُمّ المومنینؓ بی بی عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ "اپنے باپ ابوبکر صدیقؓ سے کہو کہ وہ میری جگہ امامت کریں، اور نماز پڑھائیں"۔ ام المومنین نے جواب میں کہا کہ "میرے باپ بہت رقیق القلب آدمی ہیں وہ ضبط نہ کر سکیں گے اور آپ کی جگہ خالی دیکھ کر ان کا دل بھر آئے گا۔"

اختلاف کا ایک قصہ یہاں بھی پیدا ہو رہا ہے۔ بعض مسلمانوں کا خیال ہے کہ اُمّ المومنینؓ کا یہ جواب دل سے نہ تھا۔ ان کا مقصد اس حکم کو یہ کہہ کر مضبوط کرنا اور اپنے باپ کی محبت کو جھلکانا تھا۔ امّ المومنین نے یہ بھی کہا کہ آپ امامت کے واسطے کسی اور شخص کو مقرر کیجیے مگر سرورِ عالمؐ نے بار بار اسی پر اصرار فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے پر مجبور ہوئے۔ چنانچہ پانچ وقت حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی، مگر جب وہ آخر مرتبہ نماز پڑھا رہے تھے تو رسول اللہ صلعم حضرت علیؓ کے سہارے سے مسجد میں تشریف لائے نمازیوں نے جب حضور اکرمؐ کی آواز سُنی تو کھنکارنے لگے کہ ابوبکر صدیق پیچھے ہٹ جائیں اور خود رسالتؐ مآب امامت کریں لیکن حضور نے آگے بڑھ کر ان کی پشت پر ہاتھ رکھا کہ وہ نماز نہ چھوڑیں اور بدستور امامت میں مصروف رہیں۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس وقت امّ المومنین نے اپنی رائے پر اصرار کیا اور فرمایا کہ میرے باپ نماز نہ پڑھا سکیں گے تو سرورِ عالمؐ کے چہرے پر شکن پڑ گئی۔ بہرحال یہ وہ نماز تھی جس میں حضرت ابوبکرؓ نے امامت کی اور رسول اللہ صلعم نے ان کے پیچھے نماز پڑھی اور داہنے ہاتھ پر کھڑے ہوئے

بخار تیز تھا کھڑے نہ رہ سکے اس لئے نماز بیٹھ کر ادا فرمائی جماعت کے ساتھ رسالت مآبؐ کی یہ آخری نماز تھی اس کے بعد باہر تشریف نہ لا سکے۔

بیماری میں اہلِ بیت نے ہر ممکن خدمت کی جناب سیدہؓ حضرت علیؓ اور حسنین علیہم السلام ہر وقت خدمتِ اقدس میں حاضر تھے حضور کی زبانِ مبارک سے اَللّٰھُمَّ رَفِیْقَ الْاَعْلٰی نکل رہا تھا۔ اب بی بی سیدہؓ کو یقین کامل ہو گیا کہ باپ کی مفارقت کا وقت آن پہنچا۔ اس یقین نے باپ کی رحلت کے ساتھ ماں کی موت بھی یاد دلا دی مگر اس خیال سے کہ حضور اکرم ملاحظہ نہ فرمائیں۔ علیحدہ جا کر خاموشی سے روئیں اور آنسو پونچھ کر سامنے تشریف لائیں۔ حضرت علیؓ کا بھی یہی حال اور بچوں کی بھی یہی کیفیت تھی مگر سرورِ عالم کی حالت چونکہ لحظہ بہ لحظہ بگڑ رہی تھی اس لئے سمجھ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند گھڑیوں کے مہمان ہیں۔ بی بی فاطمہؓ کی حالت بہت ہی نازک ہو رہی تھی۔ ماں کی موت از سرِ نو زندہ ہو گئی۔ وہ رہ رہ کر اٹھتی تھیں۔ باپ کے مبارک قدموں سے آنکھیں ملتی تھیں اور روتی تھیں، جب حالت زیادہ خراب ہو جاتی اور ہچکی بندھ جاتی تو دور چلی جاتیں اور کھڑی ہو کر دیکھتیں اور سوچتیں کہ باپ کی صورت تھوڑی دیر بعد آنکھ سے اوجھل اور خدا کا رسولؐ دنیا سے رخصت ہو گا۔ دنیا آج مجھ بن ماں کی بچی کو باپ کے سایہ سے محروم کرتی ہے اور وہ باپ جو میرا اور میرے بچوں کا عاشق زار تھا۔ ہمیشہ کو مجھ سے چھوٹتا ہے۔ زندگی موت کی پناہ میں میرے باپ کو مجھ سے چھینتی ہے۔ اور میرا حقیقی وارث مجھ سے جدا ہوتا ہے۔ جس باپ نے ماں کے بعد ماں اور باپ

دونوں کے فرایض ادا کئے جس نے ماں کی طرح پال پوس کر جوان کیا یہ اُس کی وداع کا وقت ہے۔ جب دماغ اس قسم کے خیالات کو جمع کرتا اور دل صدا دیتا کہ آج ماتا کے دروازے بند ہوتے ہیں اور جن آنکھوں سے محبت کے چشمے پھوٹتے تھے اور دل ہی دل میں باغ باغ ہوتی تھیں اب ابدی نیند سوئیں گی۔ اور باپ کا سایہ سر سے اُٹھتا ہے۔ خدا کی وحی میرے گھر سے وداع ہوتی ہے۔ میرے بچے نانا کی شفقت سے محروم ہوتے ہیں تو بیتابانہ دوڑ کر لپٹ جاتیں۔ مقدس ہاتھ آنکھوں سے لگاتیں گردن میں ہاتھ ڈال کر چمٹتیں اور بھینچ بھینچ کر روتیں مگر پھر خیال آتا کہ اس اضطراب سے رسول اللہ صلعم آگاہ نہ ہو جائیں تو چھوڑ کر دور کھڑی ہوتیں دیکھتیں، روتیں، بلبلاتیں اور پھر آکر چمٹ جاتیں بخار بہت تیز تھا اور اس قدر تیز تھا کہ ہاتھ آسانی سے نہ رکھا جاتا تھا۔ اس حالت میں جب سیدہؓ سینۂ اقدس سے لپٹی ہوئی تھیں، سرور عالمؐ نے آنکھ کھولی بات نہ کی مگر ہاتھ بچی کے سر پر رکھکر خاموش ہو گئے اور آنکھیں بند کرلیں۔ شفقت پدری کے اس جوش نے جناب سیدہؓ کو اور بھی بے چین کر دیا۔ انھوں نے ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگائے۔ منہ پر پھیرے اور ہونٹوں پر رکھ لئے۔

جب حالت اور زیادہ نازک ہوئی تو دونوں بچوں کو گلے سے لگا کر کہا حسنینؓ مجھ سے میرا باپ جدا ہوتا ہے۔ پیارے بچو آج تمہاری ماں تمہاری ماں یتیم ہوتی ہے اور شفیق باپ کا سایہ اس کے سر سے اُٹھتا ہے۔ کلیجہ کے ٹکڑوں نانا کی صورت آج دل بھر کر دیکھ لو۔ اب یہ مبارک چہرہ نظر آنے والا نہیں تم دیکھ لو کہ میں خدا کے رسولؐ کو دنیا سے اس طرح وداع کر رہی ہوں کہ

گھر میں جلانے کا تیل میسّر نہیں، دین دنیا کے بادشاہ میرے مقدس باپ کی روح اندھیرے گھپ میں رخصت ہو رہی ہے۔ حسن بابا کو رخصت کرنے میں میرا ہاتھ بٹاؤ اور ماں کی مصیبت میں شریک ہو۔ ان ہاتھوں کو بوسے دو۔ ان قدموں سے آنکھیں ملو۔ اور یاد رکھو کہ آج وہ پہاڑ ٹوٹتا ہے اور وہ باپ چھوٹتا ہے جس کو عمر بھر روؤ گے۔

جناب سیّدہؓ کی تقریر سے باوجودیکہ شیر خدا ضبط سے کام لے رہے تھے اس قدر متاثر ہوئے کہ آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ بچوں کا ہاتھ پکڑ کر کہا فاطمہؓ میرے بچے تیرے اور تیرے باپ کے غلام ہیں۔ یہ اور ان کے ساتھ میں اگر اختیار میں ہوتا تو رسول اللہ صلعم پر قربان ہو جاتے۔

اس گفتگو سے حضور اکرم صلعم کی آنکھ کھلی تو ملاحظہ فرمایا کہ سیّدہؓ مچھلی کی طرح تڑپ رہی ہیں۔ اشارہ سے پاس بلایا اور کلیجہ سے لگا کر فرمایا "فاطمہؓ اہل بیت میں سب سے پہلے مجھ سے تم ہی ملو گی"۔ اس ارشاد سے کچھ تسکین ہوئی مگر اس کے بعد سردارِ دو جہان پر آثارِ سکرات نمودار ہوئے تو بے اختیار ہو کر انھیں گلے میں ہاتھ ڈال کر رخِ انور کو بوسہ دیا۔ لیکن اب وہ دماغ جس نے ایک اشارہ میں عرب کی کایا پلٹ دی بچی کا اضطراب بھی محسوس نہ کر سکتا تھا۔ یہاں تک کہ مبارک روح نے عالمِ بالا کو پرواز کیا۔

اس وقت یوں تو ہر مسلمان متفکر اور پریشان تھا مگر سیّدہؓ اور حسنینؓ کی حالت دیکھی نہ جا سکتی تھی معصوم بچے جسد خاکی کے قدموں میں لپٹے ہوئے تھے اور حضرت علیؓ لپٹ لپٹ کر رو رہے تھے۔ جناب سیّدہؓ الگ بیٹھی

دیکھ رہی تھیں جب مفارقت ابدی کا خیال آتا تو دوڑ کر لپٹ جاتیں۔ اس وقت حضرت علیؓ نے جناب سیدہؓ کو سمجھایا اور تلقین صبر کی تو بی بی فاطمہؓ نے حضرت علیؓ سے کہا۔

"علیؓ سمجھ رہی ہوں جو کہہ رہے ہو۔ سن رہی ہوں جو سمجھا رہے ہو مگر دل کی کیفیت زبان پر نہیں آسکتی۔ یہ رحلتِ رسول ہی نہیں ہے میرے ماں اور باپ دونوں کی مفارقت ابدی کا وقت ہے۔ آج وہ باپ دنیا سے اٹھ رہا ہے جس کی شفقت میں مامتا شامل تھی جس کی آغوشِ محبت ہر وقت فاطمہ کے واسطے کھلی ہوئی تھی مجھ سے وہ باپ چھوٹ رہا ہے جو میری صورت کا پروانہ تھا۔ کس کس محبت اور احسان کو یاد کروں۔ میرے سر سے اور گھر سے وہ سایہ اٹھتا اور رحمت ختم ہوتی ہے جس نے مجھ کو پھول کی طرح پالا اور موتی کی طرح رکھا۔ دنیا اور دنیا کے بسنے والے اس سے زیادہ نازک وقت نہ دیکھیں گے جس کے قدموں میں تاج شاہی گر رہے تھے جو فقیروں کو بادشاہ بنا گیا جس نے عرب کی متمول ترین عورت میری ماں خدیجۃ الکبریٰؓ کی تمام دولت خدا کی راہ میں لٹا دی وہ آج دنیا سے اس طرح رخصت ہو رہا ہے کہ ہم سب پر دو روز سے فاقہ ہے اور میرے دونوں لال بھوکے پیاسے میرے باپ کو رخصت کر رہے ہیں۔ میرا باپ اس دنیا میں چند روز کا مہمان تھا۔ مگر دنیا نے اس کی مہمان نوازی کس طرح کی۔ اس نے قریش کے ساتھ کیا کیا۔ قریش نے کیا جواب دیا۔ ان کا فیصلہ ان کے ایمان کریں گے۔ یہ گروہ جو اس وقت موجود ہے شاہد ہے کہ ہمارا گھر جس سے رحمت و برکت کے سمندر جاری ہوئے۔ جس نے فقیروں کے

پیٹ بھرے اور ننگوں کے بدن ڈھانکے، کبھی دو وقت بھی ہمارا پیٹ نہ بھرسکا میرے باپ نے دشمنوں کے ہاتھ سے جو جو اذیتیں بھگتیں اس کا فیصلہ قیامت کے روز ہوگا۔ کونسی اذیت تھی جو نہ دی اور کونسی تکلیف تھی جو نہ پہنچائی۔ بھوکا رکھا۔ پیاسا رکھا۔ پتھر مارے۔ سر پھوڑا۔ دانت توڑے اور وہ پیارا جسم جس پر میں ایک بار نہیں ہزار بار قربان ہوجاؤں۔ جس پر فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ ان سنگ دل ظالموں کے ہاتھوں زخموں سے چکنا چور ہوا۔ میرا گھر اور خاندان میرا کنبہ، میری قوم، میرا وطن یتیم ہو رہا ہے یتیموں کا سہارا، بیکسوں کا گذارا رانڈوں کا وارث، اپاہجوں کا والی، دوستوں کا عاشق، دشمنوں کا دوست مدینہ سے نہیں، عرب اور حجاز سے نہیں۔ دنیا سے جارہا ہے۔ نبوت نہیں جوہر انسانیت بھی اور رسالت ہی نہیں شرافت طبیعت بھی اس دور کے ساتھ ختم ہوتی ہے علیؓ ہمارا مہمان سدھارتا ہے۔ خدا اپنی امانت واپس لیتا ہے اور اس کا رسول اپنا کام ختم کرنے کے بعد منزلِ مقصود پر پہنچتا ہے۔

اپنے پیٹ سے پتھر باندھ کر دوسروں کے پیٹ بھرنے والا۔ اور خود پیوند لگا کر دوسروں کے جسم ڈھانک دینے والا انسان گڑھوں میں گر کر چوٹیں اور ماریں کھا کر خدا کی راہ پر ثابت قدم رہنے والا رسول دنیا میں نہیں ہے۔ قربان جائیں اس جسدِ خاکی کے جس کی مہمان نوازی پوری نہ ہوئی اور جس کی خاطر مدارات ہمارے گنہگار ہاتھ نہ کرسکے۔ دل کا ارمان دل میں رہا۔ کہ فانی جسم اپنے شفیق باپ کی خدمت کرتا۔ روؤں اور چیخوں نثار ہوں اور قربان ہوں۔ مگر اب باپ کی صورت نظر آنے والی نہیں علیؓ! آؤ میرے بچوں کو لادو

ان قدموں میں سر رکھیں اور بابا کے چہرۂ اقدس کی آخری زیارت کر لیں۔ ان کو بتا دو کہ رسول اللہ صلعم کی رحلت تمہارے چمنستانِ حیات میں ایک خزاں کی خبر لا رہی ہے۔ باپ کا فراق مجھ کو زندہ درگور کر دے گا۔ میں باپ کی ملاقات کو مامتا پر قربان کر دوں گی اور جب تک زندہ رہوں گی دعا کروں گی کہ موت مجھ کو باپ کے پاس پہونچا دے۔ مگر یہ کہہ دیتی ہوں کہ دشمنوں کی متفقہ طاقت حسنین کے خلاف ختم ہو گی اور جس طرح تکالیف کا کوئی ذرۂ سنگ دل گروہ نے میرے باپ کے واسطے نہ چھوڑا اسی طرح مصائب کے کسی شائبہ سے یہ جماعت میرے بچوں کو محفوظ نہ رکھ سکے گی اور جب وہ وقت آئے گا کہ رحلتِ رسولؐ کے بعد فاطمہؓ اور علیؓ دنیا میں نہ ہوں گے اس وقت ان بچوں کا بہترین وارث خدا کی ذات ہو گی علیؓ! رسول اللہ کی زندگی کا خاتمہ حسنینؓ کی مصائب کا آغاز ہے۔ باپ کا صدمہ مجھکو زندہ نہ چھوڑے گا۔ اور میرے بعد تم تنہا رہ جاؤ اس وقت کے واسطے جو پہلے تم کو اور پھر بچوں کو زندگی وبال کر دے گا۔"

شیعہ سنی کا اختلاف

رسالت مآب صلعم کی وفات کے وقت بھی فریقین کا اختلاف ہے اور وہ اس طرح کہ اہلِ تسنن کا یقین یہ ہے کہ رحلت کے وقت سرور کائنات کا سر اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ کی گود میں تھا اور وہ اس پر فخر کرتی تھیں کہ آنحضرت صلعم میری ہی باری میں میری گود میں اور میرے ہی حجرہ میں دنیا سے رخصت ہوئے اہلِ تشیع کا دعویٰ ہے کہ حضور اکرمؐ نے شیرِ خدا حضرت علیؓ کرم اللہ

وجہ کی گود میں وفات پائی اور دم واپسیں میں شیرِ خدا نے ٹھوڑی کو سہارا دیا۔

بعد وفات

رسول خدا کے انتقال کی خبر آناً فاناً سب جگہ پھیل گئی۔ لوگ جوق در جوق آنے شروع ہوئے تھوڑی دیر میں تمام محلہ آدمیوں سے پٹ گیا اختلاف کی آگ بھڑک رہی تھی اور ہر گروہ اپنی اپنی جدا رائے رکھتا تھا۔ اس موقع پر مسلمانوں کا یہ رنگ دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ ممبر پر چڑھے اور فرمایا "تم میں سے وہ لوگ جو رسول اللہ صلعم کی عبادت کرتے تھے اور صرف اُن کی وجہ سے خدا کو مانتے تھے سُن لیں کہ حضور اکرم کا انتقال ہو گیا مگر وہ لوگ جو خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کے معترف تھے۔ اور محمدؐ کو رسولِ خدا سمجھتے تھے وہ بدستور اپنے خدا کی عبادت کریں۔ کیونکہ وہ ہے اور زندہ رہے گا۔ اس کے سوا ہر شے اور ہر شخص خواہ وہ رسول ہو یا پیغمبر انسان ہو یا حیوان فانی ہے۔ آج سرورِ کائنات ہم میں موجود نہیں وہ اپنا کام پورا کر گئے اور جس مقصد کے لئے تشریف لائے تھے اس کی تکمیل ہو گئی خدا کی مقدس کتاب تکمیل دین کی شاہد ہے۔ اور اسی طرف سرورِ عالمؐ نے اشارہ فرمایا اور خدا کے احکام نازل ہو چکے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اصلاح کے واسطے پیدا ہوئے اور اب وہ تشریف لے گئے۔ تم باہمی فیصلہ کرو کہ کیا کرنا ہے"۔

حضرت عمرؓ جو اسلام کے دوسرے خلیفہ ہیں رسول اللہ صلعم کی وفات سُنتے ہی تلوار ہاتھ میں لے کر باہر نکلے اور کہا کہ اگر کسی کی زبان سے یہ سُنا

کہ رسول اللہ صلعم کا انتقال ہوگیا تو اس تلوار سے گردن اڑا دوں گا۔" وہ اپنی اس رائے پر ایسے قایم ہوئے کہ تلوار لئے چاروں طرف ٹہلنے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر قریب پہونچے اور کہا "جب رسول اللہ کا انتقال ہوگیا تو اس کے چھپانے کی کیا ضرورت ہے اور لوگوں کو کیوں منع کرتے ہو۔ اس کے ساتھ ہی تمہارا یہ خیال کہ سرور کائنات واپس تشریف لائیں گے صحیح نہیں ہے۔ مرنے کے بعد اس دنیا میں کوئی زندہ نہیں ہوتا اور یہ خدا کا حکم ہے۔"

دنیا کے رُخِ روشن پر مصائب و آلام کی سیاہ گھٹائیں اکثر چھائیں جس کی ابتدا جنت الفردوس میں حضرت آدمؑ سے ہوئی۔ کارزارِ حیات میں زندگی نے موت کا بارہا سختی سے مقابلہ کیا جس کا تماشا حضرت ابراہیمؑ کی چھری نے اسمٰعیلؑ کی گردن پر دیکھا ہے۔ انسان فراق کے مناظر سے بارہا دوچار ہوا۔ جس کا آغاز ہابیل۔ قابیل کے فانی اجسام لے کیا چشم انسانی نے اکثر آنسوؤں کے بدلے خون گرائے۔ قلبِ حزیں نے بارہا قیامت خیز نالے بلند کئے مگر آج ناپائیدار دنیا سے وہ انسان رخصت ہوتا ہے۔ جس کی نظیر اس سے قبل اور اس کے بعد زمین دیکھ سکی نہ آسمان ملائکہ اس کے گھر کے غلام تھے۔ اور انسان اس کی خوبیوں کے گرویدہ اس کے رونے والے فاطمہؓ اور علیؑ۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ ہی نہیں یتیم اور بیوائیں لنگڑے اور اپاہج ہیں اس کا دربار انسانی نہیں خدائی دربار تھا۔ فریادیں اس کے حضور میں کامیاب ہوئیں اور آنسو اس کے سرکار میں قہقہوں سے متغیر ہوئے۔ قدرت نے اپنی ہر اذیت کا اس کی انسانیت پر تجربہ کیا اور مجسم آلام کا کوئی ذرہ ایسا نہ تھا جس کا واسطہ اس انسانِ کامل

سے نہ ہو۔ مصائب کی خوفناک گھڑیاں آئیں اور گئیں اذکار کے خطرناک آفتاب نکلے اور ڈھلے۔ تکالیف کی کالی بھونرا راتیں نمودار ہوئیں اور گذریں مگر حیات مقدس کی مبارک آنکھوں نے ہر کیفیت فانی اور عارضی سمجھی، ناکامی کے خوفناک بھوت ہر گوشے سے برآمد ہوئے اور مایوسی کی سیاہ گھٹائیں جھوم جھوم کر آئیں۔ مگر زبان جو الفاظ ادا کر چکی تھی اس کی گونج لحہ بہ لحہ ترقی کرتی گئی۔ تیر و تفنگ اس استقامت پر قربان ہوئے اور تیغ و خنجر نے اِس استقلال کو سجدہ کیا جس کی دشمنی پر پاؤں تلے کی چیونٹی بھی کمربستہ تھی اس کی صداقت کا کلمہ شجر و حجر کی زبان سے ادا ہونے لگا۔

آج وہ زندگی ختم ہوتی ہے جس کا ہر سانس اپنوں سے زیادہ اغیار کے واسطے مفید ثابت ہو۔ موت آج مسلمانوں سے وہ دولت چھینتی ہے جس پر وہ ہمیشہ فخر کریں گے۔ مدینہ کا قبرستان آج اِس جسم کو آغوش میں لیتا ہے۔ جس کی روح پاک ملائکہ عالم بالا پر لے گئے۔ آسمان اس وقت اپنوں سے زیادہ غیروں کے نالے سنے گا اور زمین اس موقع پر دوستوں سے بڑھ کر دشمنوں کے آنسو گود میں لے گی یہ وہ موت ہے جس کے جواب میں تاریخ کے صفحات کائنات کے اوراق اور انسان کی زبان ششدر اور حیران ہے انتقال کے بعد آنسوؤں کی فوج انسانی آنکھوں سے اُمنڈ اُمنڈ کر برس رہی تھی حارث بن نعمان کا بیان ہے کہ میں نے ایک شخص کو مسجد نبوی کی دیواروں سے سر پھوڑتے دیکھا۔ زبان اس کے دل کی کیفیت کا آئینہ تھی جس سے یا محمدؐ یا محمدؐ کے نعرے لگا رہا تھا۔ میں اس کے قریب پہنچا اور صبر کی تلقین کی۔ میرے سمجھانے سے اس کی حالت اور زیادہ بگڑ گئی اور کہنے لگا۔

مدینہ کے مہمان کے کس کس احسان کو یاد کروں اور کون کون سی ادا کو روؤں جس کی گود میں مدینہ نے اپنے جواہرات ڈالے جس کے سر پر سے مکہ نے اپنا مال و زر قربان کیا جس کی زبان پر حکومتوں کے فیصلے اور بادشاہوں کے تعبیر تھے۔ اس نے کبھی دو وقت بھی پیٹ بھر کر روٹی نہ کھائی۔ جس نے اپنا راحت و آرام اور ہماری دنیا کا عیش و عشرت حرام سمجھا جس نے بن ماں کے بچوں کو کلیجہ سے لگایا۔ ان کے رخساروں کو بوسے دیئے اور سر پر ہاتھ پھیر کر پیٹ بھرے۔ جس نے دوسروں کے فاقے توڑے وہ خود دو دو تین تین وقت کے فاقے کرتا ہوا دنیا سے گیا اُس نے اندھوں کی مدارات کی اپاہجوں کی خدمت کی، غریبوں کے کام آیا۔ حاجتمندوں کو مدد دی، لڑائیوں کو ختم کیا، جھگڑوں کا تصفیہ کیا شراب کو غارت کیا اور جوئے کو فنا کیا اور ریگستانِ عرب کو چمن بنا کر رحلت کی اس کے احسانات کا بدلہ اور اس کے کرم کا معاوضہ ہم نے یہ دیا کہ اس کا سر پھوڑا۔ اس کے دانت توڑے اس کو زخمی کیا اور لہولہان کیا اونٹوں کی اوجھڑیاں اس کے گلے میں ڈالیں اور ببول کے کانٹے اس کے راستے میں بچھائے۔ لڑائیاں لڑیں۔ اور اس کے قتل کا کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا مگر اس نے ہم کو اذیت نہ دی اور اپنے رحم و کرم سے عفو درگزر سے ہمارے دل فتح کئے اور ہم کو انسان بنا گیا۔

وہ رسول تھا مگر انوکھا نہ تھا پیغمبر تھا لیکن نرالا نہیں۔ اس سے پہلے بھی دنیا نے پیغمبر اور رسول دیکھے ہیں مگر نوحؑ کی بددعا، داؤدؑ کی غلطی موسیٰؑ کا غصہ ہم کو یاد ہے وہ انسان تھا مگر کیسا؟ انسانیت کی مجسم تصویر اور

بشریت کا مکمل نمونہ۔ وہ نبی تھا لیکن کیسا؟ جس کی چوکھٹ کو فرشتے سجدہ کرتے تھے اور جبریلؑ جس کا ادنیٰ غلام تھا۔

عرب کا انسان مکہ کا مسلمان مدینہ کا مہمان دُنیا کا ہادی، نبی پیغمبر رسول۔ پھر کہتا ہوں کس دل سے روؤں اور کس مُنہ سے کہوں کہ کیا تھا میرا باپ عبداللہ بن ابی پکا منافق اور پورا دشمن، جس کی عمر کا بڑا حصہ اس کے خلاف سازش میں بسر ہوا۔ وہ شخص تھا جس نے اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ کے اتہام میں سب سے زیادہ حصہ لیا جس نے بارہا مجھ کو میرے اسلام قبول کرنے پر مارا جب اس کا وقت آخر ہوا اور موت سر پر آپہونچی تو اس نے مجھ سے جو اپنے رسول کا عاشق زار تھا خواہش کی کہ میری خدمات کے معاوضہ میں ہادی برحق اس کے جنازہ کی نماز پڑھائیں اور پیراہن مبارک کا ایک ٹکڑا اس کے ساتھ قبر میں دفن ہو تاکہ دوزخ کی آگ اس کو گزند نہ پہونچا سکے میں جانور نہیں ہوں جانتا تھا کہ میرا باپ نامی اسلام کا دشمن ہے مگر پھر بھی میرا باپ تھا اور اُس دربار میں جا رہا تھا جہاں ایسے گنہگار کا کوئی ٹھکانا نہیں، سفارش کرتا، درخواست کرتا، التجا کرتا تو کس مُنہ سے مگر یہ بھی جانتا تھا کہ خدا کا سچا رسولؐ انسانیت کے اُس نقطہ سے جہاں کدورت و رنجش کی آویزش ہوتی ہے بہت آگے ہے اور اس کا قلب ان تنازعات سے بالکل پاک ہے جب وہ وقت آیا کہ میں بمنت و ادب عرض کروں تو فطرتِ انسانی نے میری آنکھیں نیچی کر دیں۔ ندامت نے سر جھکا دیا۔ تاہم جس طرح بھی ممکن ہوا میں نے اپنے الفاظ ادا کر دیئے۔

ہائے کس طرح کہوں کس منہ سے بیان کروں صحابہ کا تمام گروہ حیرت سے میرا منہ تکنے لگا عمر فاروقؓ نے اس کے افعال پر لعن طعن کی اور یک متفقہ قہقہہ نے میری درخواست کی ہنسی اڑائی، مگر مدینہ کا مہمان، نسانیت اور ملکوتیت کے مدارج طے کرنے کے بعد اب اس مقام پر تھا۔ یہاں خدائی کے ڈنکے بج رہے تھے دہن مبارک پر مسکراہٹ کھیلی اور میری لتجا بارگاہِ رسالت میں منظوری کے خلعت سے سرفراز ہوئی۔

آخر وہ وقت آگیا میرا باپ دنیا سے رخصت ہو کر اپنے اعمال کی زا بھگتے۔ اس وقت میری عجیب کیفیت تھی۔ باپ کی مفارقت ابدی نے میری جان پر بنا دی۔ میں روتا پیٹتا سرورِ عالم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

اللہ اللہ میں نے کیا دیکھا کس طرح کہوں اس ذات پاک نے مجھ کو تسکین دی اور قمیص کا ایک ٹکڑا مجھ کو دے کر میرے ہمراہ ہو گئے۔

درود ہزار بار اور لاکھ مرتبہ۔ قربان میں اور میرا خاندان۔

خدا کا محبوب اور میرا آقا میرے ساتھ اس کے جنازہ پر آیا نماز پڑھا کر اس کی دعائے مغفرت کی۔ دفن کے بعد جب صحابہ کو خبر ہوئی تو خشم آلود آنکھوں سے دوڑتے ہوئے آئے اور غصہ سے بھرے ہوئے شکائتیں کرنے لگے۔ لیکن قربان، میں میرا خاندان ایک بار نہیں ہزار بار۔

چہرۂ مقدس پر ہنسی کھیل رہی تھی اور میرے منافق باپ کے اعمال کا کوئی ذرہ یاد نہ تھا۔ درود ہزار بار، لاکھ بار اس ذات اقدس پر جو بے مثل تھی۔

ہم نے اپنے آقا کی قدر نہ کی۔ ہائے وہ مبارک چہرہ ہمارے ہاتھوں لہو لہان ہوا۔ ہمارا مہمان بھوکا پیاسا اس دنیا سے اندھیرے گھپ میں رخصت ہوا اور ہم اس کے بعد پیٹ بھر کر کھانا کھائیں۔

وہ جس نے دوسروں کے سر پر تاج شاہی رکھ دیئے ہماری دنیا میں اتنا بھی آرام نہ پا سکا کہ کمبل اس کے واسطے دُہرا ہو جائے۔ ہائے چٹائی کے نشان اس کے جسم پر پڑیں وہ ہمارے واسطے بھوکا رہے اور ہم اس کو گوشت میں زہر دیں۔ کس طرح وہ دُں کیا کروں میں زندہ رہوں اور خدا کا رسول جدا ہو جائے۔

اختلافات کی اور ترقیاں

انصار یعنی اُس گروہ نے جس کی خدمات کا رسول اللہ صلعم نے اعتراف فرمایا جس نے حضورؐ کے مدینہ تشریف لاتے اور ہجرت کرنے پر اپنی جانیں اور مال قربان کئے تھے۔ اپنا ایک علیحدہ جلسہ کیا تاکہ وہ فیصلہ کریں کہ آیندہ ان کا کیا رویہ ہوگا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جب یہ خبر ہوئی تو وہ حضرت عمرؓ اور چند دوسرے آدمیوں کو ساتھ لے کر جلسہ میں پہنچے انصار نے اُن کی صورتیں دیکھ کر کہا کہ ہم سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں اور یہی اسلام کے خلیفہ سمجھے جائیں گے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کی اجازت سے اُس وقت ایک تقریر کی اور لوگوں کو اس طرح مخاطب کیا کہ۔

"تمہارے احسانات رسول اللہ صلعم پر اور ان لوگوں پر جنھوں نے حضورؐ کے ساتھ ہجرت کی اس قدر وسیع ہیں کہ خود سرورِ عالمؐ نے اس کا

اعتراف فرمایا ہے مگر تم کو اب رسول کے الفاظ پر متوجہ کرتا ہوں۔ تم نے اپنے آقا کی زبان سے یہ الفاظ سنے ہوں گے کہ امامت قریش کا حق ہے پس میں اس بھرے مجمع میں تمہارے احسانات کا شکریہ ادا کرنے کے بعد تم سے درخواست کرتا ہوں کہ ارشاد رسولؐ کی تعمیل میں خلافت و امامت کا حق قریش کے واسطے چھوڑ دو۔ تاکہ کسی قسم کا جھگڑا یا کدورت پیش نہ آئے۔" انصار کے دل میں کوئی خرابی نہ تھی وہ سچے دل سے اسلام کی خدمت گذاری پر کمربستہ تھے۔ ارشاد رسولؐ سے ان کی گردنیں جھک گئیں اور انھوں نے کہا "ہمارا مقصد تفریق نہیں ہے۔ اگر تمہاری یہی خواہش ہے۔ تو ہم ہر طرح تمہارے فیصلہ پر رضامند ہیں، مگر اتنا ضرور چاہتے ہیں کہ باہمی جنگ و جدل نہ ہونے پائے حضرت ابوبکرؓ نے سرور کائنات کا یہ قول بھی نقل کیا کہ "میں مسلمانوں میں قرآن مجید اور اہل بیت کو چھوڑتا ہوں۔ اگر ان کو مضبوطی سے پکڑو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے" چنانچہ ابوبکرؓ کی کوشش بارآور ہوئی اور انصار مع سردار سعد بن عبادہؓ کے دست بردار ہو گئے اس وقت حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ۔

"قریش میں سب سے بزرگ آپ ہیں۔ آپ سے زیادہ خلافت کا مستحق کون ہو سکتا ہے۔ آپ اپنا ہاتھ بڑھائیے کہ سب سے پہلے میں بیعت کروں۔"

جب ابوبکرؓ نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور حضرت عمرؓ بیعت کر چکے تو تمام انصار و مہاجرین نے بیعت کی اور سوا حضرت علیؓ کے کوئی باقی نہ رہا۔ جس نے بیعت نہ کی ہو۔ حضرت علیؓ کے متعلق دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ انھوں نے چھ مہینے بعد بیعت کی اور دوسری یہ کہ چالیس روز بعد۔

اسی بحث و مباحثہ میں ایک دن اور ایک رات گذر گئے۔ حضور اکرمؐ یہ وصیت فرما گئے تھے کہ میری تجہیز و تدفین اہلِ بیت کریں۔ چنانچہ خاندانِ رسالت کے افراد اس تمام وقت میں جسدِ خاکی کے پاس بیٹھے رہے اور جب مسلمانوں کو نزاع سے فرصت ہوئی تو تدفین کی نوبت آئی اور ارشادِ نبوی کے بموجب اہلِ بیت نے تمام خدمات انجام دیں جن میں بڑا حصہ حضرت علیؓ کا ہے۔

جس طرح مرض الموت میں مسلمانوں کے دو فریق ہو گئے۔ اسی طرح اس وقت بھی دو گروہ ہو گئے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ خلفاء دنیا کے پیچھے ایسے پڑے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ چوبیس گھنٹے پڑا رہا۔ اور ان کو دفن کرنے کی فرصت نہ ہوئی۔ سنی کہتے ہیں کہ اگر یہ نہ کیا جاتا تو نہ معلوم کس قدر گروہ ہو جاتے اور ہر گروہ اپنے اپنے مربیوں کے ساتھ بیعت کر کے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا لیتا۔

شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی ملی بھگت تھی۔ اگر خلیفہ کا انتخاب رائے عامہ سے ہوتا تو حضرت علیؓ ہوتے شیخین نے اسی واسطے کہ اہلِ بیت رسول اللہ کا جنازہ نہیں چھوڑ سکتے یہ تمام تدبیریں کیں۔ برخلاف اس کے اہلِ تسنن کا عقیدہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اسلام چوپٹ ہو جاتا اور چند دن بھی باقی نہ رہتا۔ اہلِ شیعہ کہتے ہیں کہ جس طرح حضرت عمرؓ نے حضور اکرمؐ کی وصیت کو قلمبند نہ ہونے دیا اسی طرح انتخاب کی بھی نوبت نہ آنے دی اور جلدی حضرت ابوبکرؓ کو خلافت دلوادی۔

سُنّی کہتے ہیں کہ اگر خلافت کسی طرح بھی حضرت علیؓ کو مل جاتی تو بنو اُمیّہ جو بنو ھاشم کے قدیمی دشمن تھے ایک دن بھی خلافت کو نہ چلنے دیتے اور وہ لوگ جو لڑائیوں میں حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ ان کی اولادیں جن کے دلوں میں کینے بھرے ہوئے تھے اپنے بزرگوں کا بدلہ لیتے اور اس طرح مفاد اسلام کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔

بہرحال یہ وہ اختلافات ہیں جو اس وقت تک قایم ہیں اور بیخ اسلام کو اندر ہی اندر کھوکھلا کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے اور جو سچ پوچھو تو کر چکے

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سوا دو برس خلافت کی اور ان کے بعد حضرت عمر خلیفہ ہوئے ان کی خلافت کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے بعد حضرت عمرؓ کو تجویز کر رہے ہیں تو سخت مخالفت کی اور کہا ایسے شخص کو خلیفہ بنا کر آپ خدا کو کیا مُنہ دکھائیں گے حضرت صدیق نے فرمایا" یہ کہہ دوں گا کہ مسلمانوں میں جو شخص میری رائے میں سب سے بہتر تھا۔ اُسی کو سب کا خلیفہ بنا آیا ہوں"۔

مخالفین میں عبدالرحمٰن بن عوف اور طلحہؓ کی شخصیت بڑی تھی اس جواب سے وہ دونوں بھی خاموش ہو گئے اور مسلمانوں کے متفقہ فیصلہ سے خلافت حضرت عمرؓ کو ملی۔ بحث صرف یہ ہے کہ اختلافات قدم قدم پر ترقی کر رہے تھے اور دلی رنجشوں کا پودا لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہا تھا۔

حضرت عمرؓ نے قریب قریب ساڑھے دس سال خلافت کی مگر ہیبت فاروقی بھی اس آگ کو نہ بجھا سکی۔

جنابِ سیّدہ کی رحلت

یہ تذکرہ محض اس لئے تھا کہ پڑھنے والوں کو تنازعات کی کیفیت اچھی طرح معلوم ہو جائے۔ اب ہم کو پھر اسی جگہ آجانا چاہیئے حضورِ اکرمؐ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں مسلمان رو دھو اور لڑ جھگڑ کر دنیا کے دھندوں میں لگ گئے۔ مگر ایک انسان، ایک عورت تھی ایک بیٹی تھی جو باپ کو نہ بھولی اور زندگی کا کوئی کارنامہ گھر کی کوئی خوشی شوہر کی کوئی محبت، بچوں کی کوئی ماما۔ مرجھایا ہوا کنول نہ کھلا سکی۔ اس کی رات باپ کی یاد میں بسر ہوتی اور دن اسی صورت کو سامنے لئے ختم ہوتا۔ شام اسی خیال میں صبح اسی دھن میں اپنے رنگ بدلتی۔ نظامِ عالم کے تحت میں تغیرّ ہر ذی روح و غیر ذی روح پر جاری و ساری ہوتا۔ مگر فراقِ پدری کی ماری، دیوانہ وار روتی اور ماہیِ بے آب کی طرح شب و روز تڑپتی۔ وہی ایک عورت، ایک بیٹی ایک بچی، سیدہ فاطمہ زہراؑ۔

جنّت کی یاد میں آدم علیہ السّلام کا اضطراب دنیا دیکھ چکی یوسفؑ کی تلاش میں یعقوبؑ کا نالہ کارخانہ حیات میں گونج چکا۔ مگر حوّا نے مل کر آدم کے آنسو پونچھ دیئے یوسفؑ نے باپ کے سینہ سے چمٹ کر ارمان پورا کر دیا۔ اب فضائے آسمانی اور کائناتِ ارضی سیدہ کی فریاد سن رہی ہے کوشش کرتی ہیں کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ کی تسبیح پڑھتی ہیں مگر دل کی لگی نہیں بجھتی اور بچھڑنے والے باپ کی یاد رہ رہ کر کلیجہ برما رہی ہے۔ چاہتی ہیں کہ زندگی کی ضرورتیں رحمۃ اللعالمین کی یاد دل سے بھلا دیں۔ مگر کسی طرح نہیں مانتا، دن کی گھڑیاں اور رات کی ساعتیں

یادِ حبیب میں ختم ہوتی ہیں دن کا کوئی لمحہ اور رات کی کوئی کروٹ چین نہیں لینے دیتی، ایک تصویر ہے۔ ایک خیال ہے۔ ایک یاد ہے جو ہر وقت آنکھ کے سامنے ہر ساعت دماغ میں اور ہر لمحہ دل میں موجود ہے۔ جب کھانا کھانے کو بیٹھتی ہیں علیؓ جیسا دلسوز شوہر اور حسنینؓ جیسے چاند کے ٹکڑے کچھ کھلانے کی کوشش کرتے ہیں تو قلبِ حزیں ایک دوسرا سماں سامنے لے آتا ہے اور خیال آتا ہے کہ محمدؐ جیسا باپ جس کی محبت نے یعقوبؑ کی شفقت پدری کے معنے بتا دئیے اس دنیا سے فاقے کرتا ہوا سدھارا آنکھ سے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ نوالہ حلق میں اٹک جاتا ہے اور آسمان کی طرف دیکھ کر خاموش ہو جاتی ہیں۔ رات کو لیٹتی ہیں۔ کروٹیں لیتی ہیں مگر نیند کسی پہلو نہیں آتی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید اب دروازہ کھلے اور آواز سنائی دے جس کو کان ترس رہے ہیں اور وہ صورت دیکھیں جس کو دل تڑپ رہا ہے۔

شیرِ خدا نے ہر ممکن کوشش کی اور بچوں نے دل جوئی میں کوئی کسر نہ چھوڑی مگر صدمہ زائل ہونے والا نہ تھا۔ زخم ناسور ہوا۔ ناسور بھی ایسا جو ہر وقت رس رہا ہو۔ اس حالت پر قیامت مسلمانوں کی مخالفت تھی جس نے جنابِ سیدہؓ کی رہی سہی ہمت توڑ دی، روتے روتے بے ہوش ہو جاتی تھیں اور جب ہوش آتا تھا تو روضۂ اقدس پر جا بیٹھتی تھیں اور اس قدر روتی تھیں کہ زمین تر ہو جاتی تھی، بچے لپٹ لپٹا کر اور چمٹ چمٹا کر گلے میں ہاتھ ڈالتے، حضرت علیؓ سمجھا بجھا کر اور کہہ سن کر لاتے لیکن یہاں پہنچ کر وہ تسکین بھی ختم ہو جاتی جو مزارِ مبارک کو سامنے رکھ کر میسر ہو جاتی تھی۔ یاد پدر، پھر

پریشان کرتی اور چاروں طرف ٹکریں مار مار کر روتیں اس درد سے کہ بچے اور شیر خدا بھی اسی کیفیت میں غرق ہو جاتے۔

باپ کی یاد زندگی کا بہترین مشغلہ تھا۔ خوراک تھی تو باپ کے فراق کا نالہ اور لباس تھا تو باپ کے مزار کی خاک۔ پندرہ پندرہ دن سر دھوتیں نہ کپڑے بدلتیں، رات رات بھر اور دن دن بھر روضۂ اقدس پر حاضر رہتیں جب نیند کا غلبہ ہوتا تو قبر اطہر کو سینہ سے چمٹا کر سو رہتیں حسنینؑ اور شیر خداؑ کھانا لے کر جاتے، التجا کرتے منت کرتے مگر بھوک کچھ ایسی اڑی کہ دو دو تین تین دن دانہ اڑ کر منہ میں نہ جاتا بعض دفعہ ایسا ہوتا کہ بچے رو رو کر مزار مبارک سے ہمراہ لاتے اور سلا دیتے مگر آنکھ کھلی اور وہیں پہنچ گئیں ایک رات کا ذکر ہے کہ بخار شدت سے چڑھا ہوا تھا عصر کے وقت سے عشاء کے بعد تک بیہوش پڑی رہیں۔ فاقے بچوں پر بھی تین گزر گئے اور حضرت علیؑ پر بھی۔ رات آدھی سے زیادہ گذر چکی تھی کہ شیر خدا کی آنکھ کھلی دیکھا تو حضرت سیدہؑ موجود نہ تھیں، بچوں کو جگایا اور سب نے مل کر ہر طرف دیکھا کہیں پتہ نہ چلا سیدھے روضۂ اقدس پر پہونچے تو دیکھا کہ تمام بدن خاک میں اٹ رہا ہے اور باپ کے نام کی رٹ لگا رہی ہیں۔ بخار اب بھی تیز تھا، بچے قدموں میں گرے اور پاؤں سے آنکھیں ملیں، حضرت علیؑ نے کہا۔

فاطمہؑ بخار شدت کا ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے تو یہ کیفیت دیکھ کر خوش نہ ہوتے"، شیر خدا کے اس فقرے نے دبی ہوئی چنگاری کو ابھار دیا چیخ اٹھیں اور رو کر کہا۔

باپ کے بعد یہ پہلی رات ہے کہ دل میں تسکین باقی ہوں، اس وقت کوئی تکلیف نہیں ہے۔ میں روتے روتے سوگئی تو حضور اکرمؐ کو خواب میں دیکھا کہ مجھ کو کلیجہ سے لگائے فرماتے ہیں۔

"جدائی کا وقت ختم ہو چکا اب میرے پاس آرہی ہو۔"

اتنا کہہ کر سیدہؓ حضرت علیؓ کے قدموں کی طرف جھکیں تو شیر خدا نے ہاتھ پکڑ کر آنکھوں سے لگائے اور کہا "سیدہ کیا کرتی ہو۔" اب آنکھوں میں آنسو تھے کہنے لگیں۔

"باپ نے میرا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دے کر دین و دنیا کا وارث بنا دیا تھا۔ میری مغفرت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ علیؓ! زندگی کی بعض گھڑیاں ایسی گذری ہوں گی کہ مزاج میری طرف سے مکدر ہوا ہوگا۔ ایسے کام بھی کئے ہوں گے جو طبیعت کے خلاف ہوئے ہوں۔ ممکن ہے کسی جواب سے دل شکنی بھی ہوئی ہو۔ اب میری زندگی ختم ہو رہی ہے۔ اس دنیا سے رخصت ہو کر خدا کے حضور میں جاتی ہوں کہ باپ سے ملوں لیکن جانتی ہوں کہ سب سے پہلے اعمال کی باز پرس ہوگی۔ ایسا نہ ہو کہ رسول زادی تمہاری کسی نافرمانی میں پکڑی جائے علیؓ اپنے بچوں کے سامنے ان کو گواہ کر کے میرے قصور معاف کر دو۔ جس طرح رسول خدا نے اپنے گھر سے وداع کیا تھا اسی طرح ہنسی خوشی اپنے گھر سے خدا کے ہاں رخصت کر دو۔ ایک التجا کرتی ہوں کہ میرے دونوں بچے جواب بن ماں کے ہو جائیں گے اور ماما سے محروم ہو کر دیوار دل سے ٹکریں ماریں گے اپنے پاس فاطمہؓ کی امانت سمجھنا۔ علیؓ بن ماں کے بچوں

کے دل تھوڑے ہوتے ہیں۔ میرے معصوم اگر غلطی بھی کریں تو ان کی ماں کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ معاف کر دینا علیؑ! میری آنکھوں کے تارے میرے کلیجہ کی ٹھنڈک۔ میری دونوں آنکھیں جو نانا سے چھوٹ کر اب ماں سے بھی چھوٹتے ہیں، تمہاری محبت کے محتاج ہیں۔ ان کے دل ہاتھ میں لینا اور خوش رکھنا"

یہ کہہ کر شہزادی نے بچوں کو گلے سے لگایا اور کہا پیارے بچوں ماں ہمیشہ کو جدا ہوتی ہے نانا کا سایہ سر سے اٹھ چکا۔ ماں کی شفقت بھی آج ختم ہوتی ہے اور اس دنیا میں ایک باپ کے سوا کوئی اتنا نہیں کہ تم کو محبت کی نظر سے دیکھ سکے میرے بعد زندگی کی مصیبتیں تمہارے سروں پر پہاڑ بن کر ٹوٹیں گی۔ ماں کی نصیحت یاد رکھنا، باپ کی شجاعت، نانا کی رسالت اور بدنصیب ماں کی عزت پر حرف نہ آنے پائے میرے کلیجے کے ٹکڑے حسینؓ تیرا بچپن یہ کچھ بتا رہا ہے اور پیش خیمہ ہے ایک ایسے انقلاب کا جو دنیا والوں کو زندگی کے معنے بتائے گا۔ وہ وقت آئے گا کہ ماں کی طرح باپ کی آنکھیں بند ہوں گی۔ اس سر پر خدا کے سوا کوئی وارث نہ ہو گا قدرت کا ہاتھ جس نے مصیبت کی کسوٹی پر ہمیشہ ماں اور نانا کو پرکھا۔ اس ننھی سی جان کی آزمایش کو آگے بڑھے گا۔ اور طرح طرح کی اذیتیں پہونچائے گا حسینؑ زندگی کی ان نازک گھڑیوں میں جب خدا کے سوا کوئی وارث نہ ہو۔ باپ کی شان اور نانا کی نبوت میں فرق نہ آنے پائے فاقہ زدہ ماں کا خون ان رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ اس کی لاج رکھنا اور یاد رکھنا کہ نانا اور باپ اور ان دونوں کی کنیز ماں نے زندگی بھر عیش کو حرام سمجھا ہے۔ اور ہر حال میں خدا کا شکر ادا کیا ہے۔

حسنؓ! میرے گلے میں ننھے ننھے ہاتھ ڈال کر ماتا کی آگ ٹھنڈی کر اور ماں سے گلے مل کہ یہ آخری ملاقات ہے! خدا تیرے سر پر باپ کو زندہ رکھے شفقت بھرے ہاتھ اور ماتا بھری نگاہیں اب ختم ہوتی ہیں۔ میرے پاس دولت نہیں کہ دنیا کی طرح تقسیم کردوں۔ البتہ تم دونوں کو وصیت کرتی ہوں کہ سخت سے سخت ساعت میں بھی کسی غلط راستے پر قدم نہ دھرنا۔ توحید رسالت کے خلاف زبان کسی لفظ سے آشنا نہ ہو۔ خدا کے نام پر مجھ جیسی اماں بھی قربان کرنی پڑے اور نانا کے نام پر علیؓ جیسا باپ بھی نثار کرنے کا وقت آئے تو قدم نہ ڈگمگائیں۔ افلاس میں ماں کے فاقے اور نانا کی بھوک یاد رکھنا اور میدان جنگ میں باپ کی تصویر پیش نظر۔"

اس کے بعد سیدہؓ نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر باپ کے مزار کو دیکھا۔ آنسوؤں کے چند قطرے گرے۔"ہائے میرا باپ" کی ایک آواز کے ساتھ زمین پر گرنے کی آواز آئی۔ اُس وقت بیہوش بنت الرسولؐ کو بچے اور شوہر گود میں لے کر گھر آئے، بخار تمام رات تیز رہا۔ یہاں تک کہ موذن نے صدائے اَللّٰہُ اَکْبَر بلند کی حضرت علیؓ نماز کو جا چکے تھے اور معصوم بچے اپنی آنکھیں ماں کے قدموں سے مل رہے تھے۔ کہ آنکھ کھولی تو موذن اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ کہہ رہا تھا۔

صبح صادق کے سہانے وقت میں بچھڑے ہوئے باپ کا نام فضائے بسیط میں گونجتا ہوا صورت کو ترستی ہوئی بیٹی کے کلیجے سے کچھ اس درد سے پار ہوا کہ ایک چیخ مار کر یہی الفاظ خود دوہرائے اور بچوں سے کہا کہ دیکھو صبح کی گھڑیاں

میرے باپ کے نام کی تسبیح پڑھ رہی ہیں۔ رات یہ نام لے کر اپنی تاریکی اور سیاہی وداع کرتی ہے اور آفتاب یہی کلمہ پڑھتا ہوا نمودار ہوتا ہے۔ یہ مقدس نام وردِ زباں رکھنا حسینؓ پاؤں چھوڑ دو اور دونوں رخساروں کو اپنے منہ پر رکھ دو کہ دل کو فرحت ہو۔"

دن کا پہلا پہر گذر چکا تھا اور شیرِ خدا باہر چلے گئے تھے، اس وقت بخار کچھ ہلکا ہوا اٹھیں تو خانہ داری کے کچھ کام انجام دیئے۔ دوپہر کے وقت جب حضرت علیؓ واپس آئے تو انھوں نے دیکھا روٹی پکا رہی ہیں حضرت علی متحیر ہوئے اور کہا بنت الرسولؐ یہ کیا کر رہی ہو" وہ روئیں اور کہا" میں نے تھوڑی سی روٹی پکالی ہے میرے بچے پیٹ بھر لیں اور میرے بعد بھوک کے مارے بلّو بلّو نہ کرتے پھریں۔"

اب دوپہر کا وقت ہو چکا تھا اور گو بخار شدّت سے چڑھ رہا تھا۔ مگر دماغ صحیح تھا۔ حضرت علیؓ سے کہا کہ بچیوں کو بلاؤ۔ دونوں صاحبزادیاں زینبؓ اور امّ کلثومؓ آکر قدموں میں گریں ان کے سر اٹھا کر اپنے سینے سے لگائے اور فرمایا" یہ رونے کا وقت نہیں ہے ہنسی خوشی ماں کو باپ کے گھر سے رخصت کردو۔ سنو جو کہتی ہوں اور یاد رکھو جو الفاظ زبان سے نکلیں۔ دونوں بھائی اب ماں کی آغوش سے چھوٹتے ہیں اور قدرت ان کو بن ماں کا کرتی ہے مگر میرے دل کو اطمینان ہے کہ میں حسینؓ کو اچھی بہنوں کے سپرد کرتی ہوں ان کی ماں بھی تم ہو اور بہن بھی تم، یہ ہنس مکھ چہرے اور پیاری پیاری صورتیں جن کو میں نے خدا کو سونپا قیامت کے روز بھی مجھ سے سرخرو ملیں۔

ایسا نہ ہو کہ ماں کے بعد بھائیوں کے کسی حق میں کسر رہ جائے میں اب تمہارے باپ سمیت تم سب کو خدا کے حوالہ کرتی ہوں کہ وہی بہتر وارث ہے۔"

بچوں کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں اور حضرت علیؑ کی آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے آج دو سرا روز تھا اس سیدہؑ کو جو چند گھنٹوں کی دنیا میں مہمان تھی سحری و افطاری تو درکنار دو دانک بھی میسر نہ تھی۔ کمزوری بڑھ رہی تھی حضرت علیؑ کو پاس بلا کر کہا۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے علیؑ خدا کی رحمت ہمارے گھر پر ہمیشہ نازل رہی افلاس اور صعوبت نے کبھی ہماری مسرت کو مجروح نہیں کیا۔ ہم اس دنیا میں ہر وقت خوش و خرم رہے، حمد کے قابل ہے وہی ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ۔ جس نے ہم کو توفیق نیک بخشی اور ہم پر برکت کی بارش فرمائی میں خوش نصیب ہوں کہ علیؑ جیسا انسان مجھے شوہر ملا حسنینؑ جیسے بچے کلثوم و زینب جیسی لڑکیاں میری گود سے پیدا ہوئیں میں نے بچوں کے متعلق جو کچھ تم سے کہا وہ یاد ہوگا اور مجھے پورا یقین ہے کہ تمہاری شفقت ماں کی موت کو میرے پیاروں کے دل سے بھلا دے گی، اب میں تم سے التجا کرتی ہوں کہ میں نے اُجلے کپڑے اس لئے بدلے ہیں کہ ان ہی کپڑوں میں مجھ کو دفن کرنا۔ میرا جنازہ رات کے وقت اُٹھانا۔ کسی نا محرم کا ہاتھ میرے جسم یا جنازہ کو نہ لگنے پائے۔ گہوارہ کی یہ شکل میں تم کو دکھاتی ہوں، اچھی طرح دیکھ لو۔ اسی طرح خاموشی کے ساتھ گہوارہ میں میری میت کو لے جانا اور راتوں رات پیوند زمین کر دینا علیؑ میں خوش نصیب ہوں کہ تمہارے ہاتھ سے زیر زمین پہنچی

ہوں اور تمہاری زندگی میں الوداع کہتی ہوں۔"

رمضان المبارک کی تیسری تاریخ کو پانی کے گھونٹ سے روزہ افطار کیا۔ بخار اس وقت موجود تھا مگر پانی کے پیتے ہی پسینے آنے لگے اور بخار اتر گیا۔ اس وقت بچوں سے کہا: "جاؤ نانا جان کے مزار پر جاؤ۔ آج میں بھی تمام دن حاضر نہیں ہوئی اور اس وقت اتنی ہمت نہیں کہ دو قدم بھی چل سکوں جاؤ اور جس طرح میرے سامنے حاضری دیتے ہو اسی طرح روزانہ قدمبوس ہونا۔ ناغہ نہ ہونے پائے۔"

بچے باہر گئے اور شیر خدا نماز کی تیاری میں مصروف ہوئے بی بی سیدہؓ نے قبلہ رو ہو کر کلام اللہ پڑھنا شروع کیا۔ دفعتاً آواز خاموش ہو گئی اور خاتونِ جنت دنیا سے رخصت ہوئیں۔

سیدۃ النساءؓ کی وصیت کے موافق جنازہ رات کے وقت اٹھا اور خاص آدمیوں کے سوا جو خاندانِ رسالت سے تعلق رکھتے تھے کوئی مسلمان شریک نہ ہوا۔

اختلافات کی جڑ اور بھی زیادہ مستحکم ہو رہی ہے اہلِ تشیع کہتے ہیں کہ فدک اور خلافت کے مسائل نے سیدۃ النساءؓ کو اس قدر مضمحل، مایوس اور دل برداشتہ کر دیا تھا کہ انھوں نے یہ بھی جائز نہ سمجھا کہ ان کے جنازہ کو یہ لوگ کندھا دیں۔ اہلِ سنت یہ کہہ کر الزام دور کرتے ہیں کہ انھوں نے اس قسم کی کوئی وصیت نہیں کی۔

جناب سیدہؓ کے انتقال کے بعد اختلافات نے اور بھی زور

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

دفتر میں پہنچے [illegible] سے زیادہ [illegible] [illegible]

رہے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت [illegible]

[illegible] دیا۔ اور اب تیسری خلافت کے جھگڑے [illegible]

کے موضوع کو دونوں ابتدائی خلافتوں کے واقعات سے [illegible]

خلافت کا حال اس لئے ضروری ہے کہ رنجش اور [illegible] اور

بنو اُمیہ اور بنو ہاشم اپنی اپنی کامیابی کی کوششوں میں [illegible]

میں سب سے پہلے ان حضرات کی تفصیلی کیفیت [illegible]

سہیم تھے یا سرگرم سعی ہیں۔

(۱) حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزیز حضرت عثمانؓ بنو امیہ اور حضرت علیؓ بنو ہاشم میں۔

(۲) عبدالرحمٰن بن عوف صحابہ رسول اللہ۔

(۳) زبیر بن العوامؓ رسول اللہ صلعم کے چچا زاد بھائی۔

(۴) حضرت طلحہؓ جن کو سرور عالمؐ نے طلحۃ الخیر فرمایا۔

(۵) سعد بن زیدؓ قبیلہ بن عدی سے ہیں اور اس قبیلہ سے حضرت عمرؓ عمرو بن العاص حضرت عثمان کے عزیز سعد بن ابی وقاص عمار بن یاسر عبداللہ بن سعد سرح حضرت عثمانؓ کا بھانجہ نائلہ حضرت عثمان کی بیوی مروان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا غلام

تیسری خلافت کا فیصلہ

جب حضرت عمرؓ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو ان کو خلافت کا فکر ہوا ان کے پاس عبدالرحمٰن بن عوف موجود تھے۔ چنانچہ انھوں نے تنہائی میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا کہ "میں تم کو اپنا جانشین مقرر کرنا چاہتا ہوں"۔ بن عوف نے کہا "آپ مجھ کو مشورہ دیجئے کہ میں یہ عہدہ قبول کر دوں"۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ ابن عوف کا مطلب سمجھ گئے اور کہا "اچھا اس سلسلہ میں تمہاری دوسری خدمت لگاتا ہوں مگر یہ یاد رکھو کہ اسی پر اسلام کی ترقی کا انحصار ہے۔ اگر خلافت کسی نا اہل شخص کو دے دی جائے تو اسلام کو سخت

نقصان پہونچے گا اور جنگ وجدل شروع ہوجائیگی۔ جہاں تک میں نے اس معاملہ پر نظر دوڑائی پانچ آدمی میری نگاہ میں آتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرا جانشین اور اسلام کا تیسرا خلیفہ ان پانچ میں سے ایک ہو۔ تم بلا رو رعایت مجھے بتاؤ اور کوئی نام رہ گیا ہو تو جتادو۔"

دیکھو عثمانؓ اور علیؓ سب سے پہلے مستحق ہیں عثمانؓ کی خدمات علیؓ سے اور علیؓ کی عثمانؓ سے زیادہ ہیں اور یہ دونوں رسول اللہ صلعم کے داماد ہیں۔ تیسرے زبیر بن عوام چوتھے سعد بن ابی وقاص پانچویں طلحہ بن عبدالرحمٰن تم جاؤ اور ان پانچوں کو میرے پاس لاؤ۔" عبدالرحمٰن گئے اور چار کو اپنے ساتھ لے آئے طلحہ بن عبدالرحمٰن کی بابت کہا کہ وہ موجود نہیں ہیں حضرت عمرؓ نے چاروں کو بٹھا کر کہا:۔

"میری حالت لمحہ بہ لمحہ بگڑ رہی ہے اور میں تھوڑی دیر کا مہمان ہوں میری خواہش ہے کہ خلیفہ کا انتخاب میرے سامنے ہو جائے تاکہ میرے بعد جھگڑا نہ ہو اور اسلام کو باہمی تنازعات سے نقصان نہ پہونچے میں نے تم پانچ آدمیوں کو منتخب کیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ سرورِ عالم تم سے بہت خوش تھے۔ اتفاق سے عبدالرحمٰن موجود نہیں ہیں۔ اب تم پانچوں آدمی ایک شخص کے متعلق فیصلہ کرو اور مجھے بتاؤ کہ یہ معاملہ میری زندگی میں طے ہو جائے اور میں باطمینان مروں۔ میں تم سے اس قدر اور کہوں گا کہ انتخاب خلافت کے بعد تم میں جو خلیفہ ہو انصار کی دلجوئی کا ہر لمحہ لحاظ رکھنا چاہیئے۔ یہ ہی الفاظ حضور اکرم کے ہیں یہی خلیفہ اول کے۔ ایک ضروری بات بتائے دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ بیعت خلافت

کی جز ہے اور رعیت میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں۔ میں نے اپنی خلافت میں کوشش کی کہ مسلمانوں کی رعایت نہ کروں، انصاف کے معاملہ میں مسلم و غیر مسلم کو ایک آنکھ سے دیکھا۔ یہی وصیت تم کو کرتا ہوں۔ اب دو باتیں مجھے علیؓ اور عثمانؓ سے اور دو زبیرؓ اور سعدؓ سے کہنی ہیں عثمانؓ اگر مسلمان تم کو منتخب کریں تو تمہارے احسانات کا یہ صحیح معاوضہ ہوگا مگر تمہارے مزاج میں رعایت اور مروت ضرورت سے زیادہ ہے ایسا نہ ہو کہ بنو امیہ کو بنو ہاشم اور انصار کے مقابلہ میں ترجیح دو اور رضا و اطمینان کو مکدر کر دو۔ علیؓ سے بھی یہی کہنا ہے کہ اُن کا انتخاب ان کی خدمات کے مقابلہ میں جائز ہوگا لیکن ایسا نہ ہو کہ بنو ہاشم کو امیہ اور انصار پر غلبہ حاصل ہو جائے۔ زبیرؓ و سعدؓ سے بھی یہی کہتا ہوں کہ اگر وہ خلیفہ ہوں تو بنی زھرہؓ کو خاص مراعات نہ دیں۔

اُس وقت ایک شخص نے کہا کہ "آپ خلافت کا فیصلہ اپنے صاحبزادے عبداللہ کے حق میں کیوں نہیں کرتے" اس پر حضرت عمرؓ کو غصہ آیا۔ اور جواب دیا "تجھے ایسا کہتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ مجھ کو خوش کرنا چاہتا اور ایسی بات کہتا ہے جو اسلام کے واسطے انتہائی مضر ہو، وہ شخص جو اپنی بیوی کی طلاق کے بارے میں فیصلہ نہ کر سکا بھلا وہ مسلمانوں کے حقوق اور اسلام کے تنازعات کا کیا فیصلہ کرے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ جلد فیصلہ کر لو تین گھنٹہ کی مہلت دیتا ہوں اگر زندہ رہا تو انتخاب کا نتیجہ اپنے کانوں سے سن لوں"۔ اس کے بعد سب نے مشورہ کیا اور حضرت عمرؓ سے کہا کہ ہماری رائے میں اگر سعد بن زید بھی شریک ہو جائیں تو بہتر ہے"۔ حضرت عمرؓ نے کہا "ہر قبیلہ سے

ایک آدمی کی ضرورت ہے۔ قبیلہ عدی سے میں خود شریک ہوں اور اگر ضرورت ہوگی تو اپنی رائے پیش کروں گا۔ اس لئے تم لوگ جلد فیصلہ کرو۔ چاروں نے متفقہ طور پر یہ تجویز پیش کی کہ امیرالمومنین خود ہی فیصلہ کردیں حضرت عمرؓ نے اس سے انکار کردیا اور کہا کہ "تم چاروں کے حقوق میری رائے میں مساوی ہیں کسی ایک کے خلاف دوسرے کو رائے نہیں دے سکتا بہتر ہوگا کہ مفاد اسلام کے واسطے تم آپس ہی میں فیصلہ کرلو میں تم کو تین دن کی مہلت دیتا ہوں۔ اس عرصہ میں مجھ کو موت آگئی اور یہ فیصلہ نہ دیکھ سکا تو خدا کی مرضی سب سے بہتر ہے اور وہی اسلام کا حقیقی وارث ہے۔"

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے آنکھیں بند کرلیں اور درد کی تکلیف زیادہ ہونے لگی۔ تو آپ نے کہا: "اب تم لوگ جاؤ اور جو کام کرنا ہے وہ جس قدر جلد ممکن ہو ختم کرو۔ ایک بات اور کہتا ہوں کہ اگر تم تین شخص ایک کے حق میں فیصلہ کرلو اور باقی ایک آدمی الگ رہے اور متفق نہ ہو تو اس کو قتل کردینا کہ اس کی وجہ سے فساد کا اندیشہ نہ ہو۔" اپنے صاحبزادے عبداللہؓ سے کہا کہ "مشورہ میں تم بھی شریک ہو سکتے ہو مگر خلافت کے امیدوار نہیں ہو سکتے۔ دوروز بعد حضرت عمر نے ان چاروں کو بلایا۔ اس وقت حضرت علی نے حضرت عباسؓ سے مشورہ کیا کہ "میرا جانا مناسب ہے یا نہیں"۔ حضرت عباسؓ نے کہا: "میں نے شروع میں بھی تم سے کہا تھا کہ رسول اللہ صلعم سے خلافت کے متعلق رائے لے لو۔ مگر تم نے رونے پیٹنے میں میری بات رد کردی۔ اب بھی میری رائے یہ ہے کہ تم ہرگز بنو ھاشم میں سے

کسی کو خلافت نہ دیں گے۔ اگر تم نہ گئے اور خلافت کا مسئلہ طے ہو گیا تو ہم بآسانی یہ کہہ سکیں گے کہ ہم اس فیصلہ سے متفق نہیں ہیں کیونکہ بنو ھاشم کا کوئی نمایندہ موجود نہ تھا۔ حضرت علیؓ نے اس رائے کو تسلیم نہ کیا اور حضرت عائشہؓ مکان میں جلسہ ہوا۔

دن بھر جلسہ رہا۔ رات بھر گفتگوئیں رہیں، دوسرے دن اور دوسری رات بھی یوں ہی گذری مجبوراً عبدالرحمٰن بن عوف نے تیسرے دن یہ فیصلہ کیا کہ اب جب کہ تم میں سے ہر شخص اپنا حق فائق سمجھتا ہے۔ تو فیصلہ کی ایک صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ جو میں حکم دوں اس کی تعمیل کرو چونکہ معاملہ بہت زیادہ اُلجھ گیا تھا۔ اس لئے سب سے پہلے حضرت علیؓ نے اس رائے سے اتفاق کیا مگر یہ کہدیا کہ صرف اس شرط پر کہ تم حلف اُٹھاؤ اور وعدہ کرو کہ کسی کی رو رعایت نہ کروں گا۔

جب ابن عوف نے عہد کرلیا تو وہ ایک علیحدہ جگہ جا کر بیٹھ گئے اور باری باری سے ایک ایک کو بلانا شروع کیا سب سے پہلے حضرت علیؓ کو طلب کیا اور کہا "تمہارے حقوق اور بنو ھاشم کی طاقت تسلیم لیکن اگر میں یہ فیصلہ کروں کہ تم کو خلافت نہ ملے گی تو بتاؤ تمہاری رائے کس طرف ہو گی۔ حضرت علیؓ نے کہا "حضرت عثمانؓ کی" اسی طرح حضرت عثمانؓ سے بلا کر کہا تو انھوں نے جواب دیا حضرت علیؓ کی۔ حضرت زبیرؓ اور حضرت سعد سے پوچھا تو ان کی رائے بھی حضرت عثمانؓ کی طرف گئی۔ اس کے بعد کھلی مجلس میں عبدالرحمٰن بن عوف نے اعلان کیا کہ اب تک کی کوشش کا

نتیجہ یہ ہے کہ خلافت عثمانؓ یا علیؓ دونوں میں سے ایک کو ملنی چاہیئے۔ اب میں مسلمانوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ آج رات کی اجازت اور دیں کل میں اس کا فیصلہ کر دوں گا اور سب سے پہلے خود ہی بیعت کا ہاتھ اُن دونوں میں سے کسی ایک کی طرف بڑھا دوں گا۔"

ہمارا قلم اب بھی اس کے واسطے تیار نہیں ہے کہ اپنی رائے کا اظہار کرے ہم صرف واقعات لکھ دیتے ہیں اب یہ پڑھنے والوں کا کام ہے کہ وہ نتیجہ نکالیں، یہ مدت جس کی صبح کو تیسری خلافت کا فیصلہ ہونے والا تھا اشخاص متعلق پر عجیب طرح سے گذری عبدالرحمٰن بن عوف نے رات کو بہت سے آدمی جمع کئے اور مفصل کیفیت بیان کی ان لوگوں میں معاویہ کے باپ ابوسفیان جو یزید کے دادا تھے، موجود تھے وہ یہ سنتے ہی کہ انتخاب حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے حق میں ہے اور ممکن ہے کہ خلافت علیؓ کو مل جائے سیدھے عمرو بن عاصؓ کے پاس پہنچے اور حقیقت سُنائی۔ اُنھوں نے ابوسفیانؓ سے وعدہ کیا کہ میں ابھی اس کا انتظام کرتا ہوں کہ علیؓ خلیفہ نہ ہونے پائیں اور سیدھے حضرت علیؓ کے پاس پہنچے اور کہا۔ قریب قریب سب کی رائے تمہارے ساتھ ہے۔ اب تم وہ کرو جو میں کہوں" حضرت علیؓ کو کیا معلوم کہ عمرو بن عاص کی نیت کیا ہے، اُنھوں نے جب وعدہ کر لیا تو اُس نے کہا عبدالرحمٰن نے اگر تم کو خلیفہ مقرر کیا تو وہ یہ وعدہ لیں گے کہ رسول اللہ اور ہر دو خلیفہ کی پیروی کرنا۔ تم اس کے جواب میں خاموش رہنا تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ علیؓ خلافت کے شیدا ہیں بد دل نہ ہوں۔ اور شانِ رسالت میں

فرق نہ آئے۔ تم کہنا وعدہ تو نہیں کرتا۔ کوشش کروں گا۔ حضرت علیؓ کو یہ مشورہ دے کر عمرو سیدھے حضرت عثمانؓ کے پاس پہونچے اور کہا کل جب تم کو خلافت ملنے کا وقت آئے اور عبدالرحمٰن رسول اللہ صلعم اور خلفا کی پیروی کا عہد لیں تو فوراً منظور کر لینا' حضرت عثمانؓ نے شکریہ ادا کیا اور عمرو بن عاص نے یزید کے دادا ابوسفیان کو اپنی کوشش اور کامیابی کا یقین دلایا۔

رات ختم ہوئی اور نماز فجر کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف نے زبیر اور سعد کو طلب کیا اور ان سے کہا" اب تمہاری کیا رائے ہے۔ سوچ سمجھ کر جواب دو کیونکہ آج فیصلہ کا دن ہے"۔ ان دونوں نے جو اب تک حضرت عثمانؓ کے حق میں رائے دے رہے تھے۔ اس وقت حضرت علیؓ کے حق میں رائے دی۔ مسلمانوں کا جم غفیر خلافت کے فیصلہ کا منتظر تھا اور مسجد نبوی میں چھوٹے بڑے سب جمع تھے۔ عبدالرحمٰن بن عوف جو خلافت کے حقوق سے دست بردار ہو چکے ہیں قطعی فیصلہ کرنے والے ہیں مگر نہ صرف اپنی رائے سے بلکہ عامہ مسلمین کی۔ انہوں نے اب آخری فیصلہ کے واسطے کھڑے ہو کر کہا" خلافت کے سلسلہ میں اس وقت تک جو کچھ ہوا وہ یہ ہے کہ عثمان اور علی پر نظریں ہیں اب ان دو میں فیصلہ مشورۂ عام سے ہوگا۔ آپ لوگ تصفیہ کیجئے اور عام رائے سے انتخاب کیجئے"۔

ابن عوف جب اپنی تقریر ختم کر چکے تو عمار بن یاسر نے حضرت علیؓ کے حق میں رائے دی اور ایک شخص حضرت مقداد نے اس کی تائید کی۔

ان دونوں کی رائے ہو چکی تو عبداللہ ابن ابی سرح نے جو حضرت عثمان کے بھانجے تھے اپنے ماموں کو منتخب کیا چونکہ عبداللہ مرتد ہو چکا تھا اور اس کے قتل کا فیصلہ کر دیا گیا تھا۔ اور ایک عرصہ سے بھاگا ہوا تھا اس کی رائے سے عمار بن یاسر رنجیدہ ہوئے اور سخت کلامی سے پیش آئے بات بڑھ گئی اور نوبت سخت کلامی سے گالی گلوچ تک پھر ہاتھا پائی تک پہنچی۔

مجلس کا یہ رنگ دیکھ کر سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف پریشان ہوئے اور ابن عوف نے بآواز بلند کہا "جھگڑا موقوف کرو میں فیصلہ کرتا ہوں"۔ لوگ ادھر متوجہ ہوئے تو انھوں نے حضرت علیؑ کو پاس بلا کر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور کہا یہ وعدہ کرو کہ ارشاد نبوی کی تعمیل کروں گا۔ "اسوۂ رسول کو ایمان سمجھوں گا اور ہر دو خلفا کے نقش قدم پر چلوں گا"۔ یہ خلافت کا فیصلہ تھا اور حضرت علیؑ کا انتخاب ہو چکا تھا مگر شب گزشتہ کو عمرو بن عاص نے حضرت علیؑ کو جو پٹی پڑھائی تھی وہ خالی جانے والی نہ تھی حضرت علیؑ نے اس وعدہ کے موافق جو ابن عاص سے کیا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے الفاظ دہرانے میں تامل کیا اور فرمایا کہ "میں وعدہ تو نہیں کرتا" البتہ کوشش کروں گا کہ اسوۂ رسول (صلعم) اور دونوں خلفا کے طرز عمل کو پیش نظر رکھوں"۔ اس جواب سے مجمع دم بخود رہ گیا اور وہ گروہ جو حضرت علیؑ کے حق میں تھا حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگا۔ عبدالرحمٰن بن عوف جن کو اندرونی سازش کا پتہ نہ تھا اور عمرو ابن العاص اور خاندان یزید کی کوشش سے بے خبر تھے حضرت

علیؓ کے اس جواب سے برہم ہوئے اور کہا "ہم کو ایسے بزدل خلیفہ کی ضرورت نہیں" یہ کہکر حضرت عثمانؓ کو اپنے پاس بلایا اور یہی الفاظ ان کے سامنے پیش کئے۔ انھوں نے فوراً قبول کرلیا اور سب سے پہلے حضرت ابنِ عوف نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اس کے بعد ہر طرف سے ہاتھ بڑھے اور حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوگئے۔ جب حضرت علیؓ وہاں سے جانے لگے تو بن عوف نے ان سے کہا "تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میرے حکم کی تعمیل کروگے اور میری رائے سے اتفاق کروگے؟ اب جبکہ حضرت عثمان خلیفہ منتخب ہوئے تو تم کو ان کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہیئے ورنہ تم کو معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ کی رائے ہے کہ جو شخص اختلاف کرے اس کو قتل کردیا۔ حضرت علیؓ نے یہ سن کر بیعت کی اور اس طرح تیسری خلافت کا فیصلہ ہوا۔

حضرت عمرؓ کی شہادت

اسلامی تنازعات میں حضرت عمرؓ کی شہادت سے بہت بڑا اضافہ ہوا اس لئے ایک مختصر کیفیت حضرت عمرؓ کی شہادت کی اس لئے بیان کرنی ضروری ہے کہ تمام جھگڑے مسلمانوں کی سمجھ میں اچھی طرح آجائیں اور خود ہی فیصلہ کریں کہ اسلام کی ابتدائی تاریخ کیسی کیسی کا دستوں کا مرکز بنی اور حالات نے کس طرح زیادتی پیدا کردی۔ مغیرہ بن شعبہ ایک متمول آدمی تھے اور ان کے غلام کا نام ابولولو تھا۔ اس غلام نے کوشش کی کہ مالک کے پنجے سے نکلے اور آزاد ہوجائے۔ مگر وہ کسی طرح کامیاب نہ ہوسکا

اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس نے ان کے پاس رہنے سے انکار کر دیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ فیروز عرف ابولولو دو درم روزانہ اپنے آقا مغیرہ کو دیا کرے اور آزاد رہے۔ فیروز اپنی شکایت لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا آپ خلیفہ وقت ہیں میرا فیصلہ فرمائیے۔ دو درم جو مجھ پر مقرر کئے گئے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں اور میں بآسانی ادا نہیں کر سکتا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے دریافت کیا کہ اس کے پاس کسب معاش کے کیا ذرائع ہیں اور کون کون سے کام کر سکتا ہے۔ اس نے کہا میں کئی کام جانتا ہوں لیکن لوہار کا کام اچھی طرح کر سکتا ہوں ضرورت ہو تو نقاشی کر سکتا ہوں اور قصاب کا کام بھی جانتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا پھر تجھ کو دو درم دینے مشکل نہیں ہیں۔

یہ فیصلہ فیروز کو بہت ناگوار ہوا اور اس نے وہیں کھڑے کھڑے طے کر لیا کہ خلیفہ سے قتل سے اس فیصلہ کا بدلہ لوں گا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا تو چکی بھی بنا سکتا ہے اس نے کہا ایسی اچھی کہ دنیا میں نہ نکلے حضرت عمرؓ نے کہا بس ایک میرے واسطے بنا دے اس نے وعدہ کیا کہ ہاں بنا دوں گا اور بات ختم ہوئی۔

اس سلسلہ میں جو نام ہیں ان کو بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے فیروز عرف ابولولوء مغیرہؓ کا غلام حضرت عمرؓ کا قاتل عبدالرحمن بن ابی بکر خلیفہ اول کا صاحبزادہ ہرمزان حضرت عباسؓ کا غلام جُبَینہ سعد ابن وقاص کا آزاد کیا ہوا غلام۔ حضرت عثمانؓ خلیفہ وقت، حضرت علیؓ۔

فیروز کے خلاف حضرت عمرؓ کے فیصلہ کا تیسرا روز تھا کہ نماز فجر میں

فیروز آ کر پہلی صف میں شریک ہوا اور جس وقت حضرت عمرؓ نماز کے واسطے داخل ہوئے اس نے آگے بڑھ کر اپنا خنجر کمر میں زور سے بھونکا۔ حضرت عمر پلٹے مگر اس سے پہلے کہ کچھ کر سکیں اس نے کئی وار کئے اور ایک وار اس قدر سخت تھا کہ تمام جسم لہولہان ہو گیا۔ اس کے بعد فیروز صفیں چیرتا ہوا بھاگا مگر نمازیوں میں سے ایک شخص نے اسے پکڑا اور اسی کا خنجر اس کے زور سے بھونکا۔ وہ جانبر نہ ہو سکا اور مر گیا۔

حضرت عمر فیروز کے وار سے زخمی ہو کر گرے اور ان کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے عبداللہ سے خلیفہ اول کے صاحبزادے عبدالرحمٰن نے کہا "یہ فعل صرف ایک شخص کا کام نہیں ہے بلکہ پوری سازش کا نتیجہ ہے اور میں سمجھتا ہوں اس میں ھرمزان اور حبیہ بھی شریک ہیں اور یہ میں اس وجہ سے کہتا ہوں کہ ایک روز میں نماز فجر کے بعد جب اپنے گھر جا رہا تھا۔ تو میں نے راستہ میں ان تینوں غلاموں کو اکڑوں بیٹھے اور کانا پھوسی کرتے دیکھا مجھے مطلق شبہ نہ تھا مگر فیروز میری صورت دیکھ کر بھاگا۔ اور اس کے اٹھتے ہی یہ دونوں بھی اٹھے اور بھاگنے لگے فیروز کی کمر سے یہی خنجر جو اس وقت اس کے پاس تھا گرا اور اس نے اٹھا کر ان دونوں سمیت راہ فرار اختیار کی میں معاملہ کو بالکل نہ سمجھ سکا اور میرا ذہن اس طرف منتقل نہ ہوا لیکن اب میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس قتل میں فیروز کے ساتھ ھرمزان اور حبیہ شریک ہیں اور اگر زیادہ نہیں تو ان دونوں کا سازش سے گہرا تعلق ہے۔"

عبداللہ ابن عمرؓ یہ بیان سنتے ہی آپے سے باہر ہو گئے اور تلوار لئے

ہوئے سب سے پہلے ھرمزان کے پاس پہونچے جو اس وقت گھر پر موجود تھا آواز سنتے ہی باہر نکلا تو ابن عمرؓ نے اس سے پوچھا کہ "کیا تو میرے باپ کی شہادت میں شریک ہے۔" ھرمزان بجائے اس کے کہ کوئی جواب دیتا خاموش ہو گیا اور اس کی خاموشی کو عبداللہ ابن عمر نے اقرار سمجھ کر قتل کر دیا۔ ھرمزان کے قتل کے بعد عبداللہ ابن عمر جبینہ کی تلاش میں سعد بن ابی وقاص کے گھر پہونچے اور اس کو آواز دی، اس سے بھی یہی سوال کیا اور جب اس نے بھی کوئی معقول جواب نہ دیا تو اس کو بھی قتل کیا۔ غلام کی آواز سن کر سعد باہر نکلے اور دیکھا کہ ان کا غلام زمین پر تڑپ رہا ہے سعد بن ابی وقاص معمولی آدمی نہ تھے غلام کو دیکھ کر ان کو غصہ اور عبداللہ سے کہا کہ "تو نے میرے غلام کو کس جرم میں قتل کیا" عبداللہ غصہ میں سرخ تھے کہنے لگے "میرے باپ کے خون کی بو تجھ میں سے بھی آرہی ہے اور تجھ کو بھی قتل کروں گا۔ اتنا سنتے ہی سعد نے عبداللہ کو پکڑ کر تلوار چھین لی اور لوگوں کو آواز دی آناً فاناً بہت سے آدمی جمع ہو گئے اور عبداللہ کی مشکیں باندھ لیں۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کا پہلا مقدمہ

معاملہ اگر یہیں ختم ہو جاتا تو مضائقہ نہ تھا۔ اس کے بعد مقدمہ نے جو صورت اختیار کی اس نے رنجشوں کے تودے لگا دیئے اور جو جالیں اب تک دل میں چھپی ہوئی تھیں وہ سامنے آگئیں۔ حضرت عثمانؓ خلیفہ تھے اور ان کے سامنے سب سے پہلا معاملہ یا مقدمہ وہ پیش ہوا جس میں عبداللہ ابن عمرؓ بحیثیت قاتل کے گرفتار تھے۔ حضرت علیؓ کی رائے ہوئی کہ عبداللہ ابن عمرؓ

پر قصاص واجب ہے۔ اسلام میں امیر اور غریب آقا اور غلام کی کوئی تخصیص نہیں۔ اگر عبداللہ امیر المومنین عمرؓ کا لڑکا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ غلام کے مقابلہ میں انصاف ہاتھ سے چھوڑا جائے۔

مسلمانوں کا بڑا فریق اس رائے کے ساتھ تھا۔ مگر چند آدمیوں کی رائے یہ تھی کہ عبداللہ بن عمرؓ کی شہادت اسلام میں رخنہ پیدا کر دے گی اور لوگ سمجھیں گے حضرت عمرؓ کے بعد مسلمانوں نے اپنی خوشی کا اظہار اس طرح کیا۔ حضرت عثمانؓ نے فیصلہ کیا کہ عبداللہ بن عمرؓ کی طرف سے غلام کا خونبہا بیت المال سے دلایا جائے۔ حضرت علیؓ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور کہا "بیت المال سے اور عبداللہ بن عمرؓ سے کیا واسطہ۔ قوم کو ایک شخص کے ذاتی فعل سے کیا تعلق" حضرت علیؓ کی رائے سے بہت سے مسلمانوں نے اتفاق کیا۔ مگر وہ چند آدمی جو ابن عمرؓ کے ساتھ تھے بدستور اڑے رہے۔ اس جھگڑے کا فیصلہ حضرت عثمانؓ نے اس طرح کیا کہ میں بیت المال کی بجائے اپنے پاس سے خونبہا دے دونگا۔ بظاہر یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا لیکن مسلمانوں کے دل کدورتوں سے بھرے تھے اس واقعہ سے اندر ہی اندر اور بگڑنے لگے۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کو اس کتاب سے بظاہر کوئی واسطہ نہیں مگر ان کی شہادت اس لئے متعلق ہے کہ پڑھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ بنو امیہ اور بنو ہاشم کے آگ کے شعلے کس سرعت سے بڑھ رہے تھے اور پیش خیمہ تھے اس جنگ عظیم نہیں ظلم یزید کا جو کربلا میں ٹوٹا۔

حضرت عثمانؓ کی دردانگیز شہادت

شہادت حضرت عثمان غنیؓ میں جو نام آرہے ہیں ان کو اس طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ مروان بن الحکم (بنی امیہ میں ایک شخص چھوٹی حیثیت کا) عبداللہ بن سعد بن ابی سرح حضرت عثمانؓ کا بھانجہ) ابوذر غفاریؓ (صحابی رسول اللہ) امیر معاویہ وصحابی اور یزید کے باپ) حضرت نائلہ (حضرت عثمانؓ کی بیوی) امام حسنؓ (حضرت علیؓ کے بڑے صاجزادے) امام حسینؓ (حضرت علیؓ کے چھوٹے صاجزادے، کنانہ (ایک مصری کنیزہ) اور سودان (معمولی مسلمان) ابن ھانی نکال رجب کے باپ کو حضرت عثمانؓ نے قید کیا تھا۔ محمد بن ابوبکرؓ (خلیفہ اول کے صاجزادے)

حضرت عثمانؓ کی نرمی سے مسلمان پہلے ہی باخبر تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ کے چھوڑ دینے پر اور بھی بدعقیدہ ہو گئے اور باوجود اس کے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو خصوصیت سے سمجھا دیا تھا۔ ان کی خلافت میں بعض نا اہل امور خلافت پر قابض ہو گئے۔ عبداللہ بن سعد حضرت عثمانؓ کا بھانجہ جس کی بابت حضور اکرمﷺ نے قتل کا حکم دیا تھا اور وہ اپنی تدابیر اور مکر سے فرار ہو گیا تھا اس وقت مصر کا گورنر یعنی حاکم اعلیٰ مقرر ہوا اور اپنی شرارتوں کا کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ قریب قریب تمام صوبوں کی حکومت بنو امیہ کے ہاتھ میں آگئی اور یہ لوگ جو جی چاہتا تھا کرتے تھے۔ اگر حضرت عثمانؓ تک شکایت پہونچتی تھی تو وہ اپنے

حاکموں کی حمایت کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بنو ہاشم بنو امیہ کی طرف سے اور بھی بد دل ہو گئے اور جن لوگوں کو فریقین سے کوئی تعلق نہ تھا وہ بھی خلافت کو وبال سمجھنے لگے حضرت عثمانؓ نے ایک شریر النفس شخص مروان کو سپید و سیاہ کا مالک مقرر کر معتمد خاص بنا دیا۔ جو کچھ وہ کہتا تھا وہی کرتے تھے اور اس کی ہر تجویز سے متفق ہوتے تھے۔

ابو ذر غفاریؓ ایک جلیل القدر صحابی تھے اور حضور اکرم کو ان کی ذات پر اس قدر اعتماد تھا کہ باوجود اس کے کہ ہر وقت اللہ اللہ کے سوا کچھ نہ کرتے تھے۔ ان کو ایک موقعہ پر میدانِ جنگ کا سپہ سالار مقرر فرما دیا اور خدا کی قدرت کہ فتح ہوئی وہ شام میں موجود تھے۔ اور معاویہؓ وہاں کے حاکم انھوں نے جب امیر معاویہؓ کی لغزشیں دیکھیں تو ٹوک دیا اور چھپ چھپاتے نہیں بڑی بڑی مجلسوں میں معاویہؓ بہت پریشان ہوئے اور یہ دیکھ کر کہ ابو ذر غفاریؓ میرے مرتبہ کا مطلق لحاظ نہیں کرتے مجبور ہوئے کہ ان کے خلاف حضرت عثمانؓ کو لکھیں، حالات امیر معاویہ اور حضرت عثمانؓ دونوں کو معلوم تھے کہ ابو ذرؓ خلاف مذہب کوئی بات خواہ کسی کی ہو برداشت نہ کر سکتے تھے اور سنّتِ رسول سے دُور کسی کو دیکھنا پسند ہی نہیں کرتے تھے یہ یہ وہ عادت با طریقہ تھا جس کی سرورِ عالم نے ہمیشہ عزت کی اور ابو ذر غفاریؓ کا احترام کیا مگر معاویہؓ کی شکایت پر حکم دیا کہ ابو ذر غفاریؓ کو یہاں بھیجدو۔ وہ سامنے آئے تو جو کچھ معاویہؓ نے کہتے تھے اس سے زیادہ امیر المومنین کو سنائیں اور کہا۔ حضور نے فرمایا تھا کہ ابو ذرؓ تنہا رہے گا

اور تنہا مرے گا۔ اب مجھے اجازت دیجئے کہ میں کسی طرف نکل جاؤں"۔ ابوذر غفاریؓ بات کے ایسے دھنی تھے کہ شام سے پیدل چلے اور مدینے پہنچ کر اسی حالت میں امیرالمومنین کے سامنے جا کھڑے ہوئے حضرت عثمانؓ نے ان کی درخواست منظور کر لی اور وہ ایک معمولی گاؤں میں چلے گئے صحابہؓ کو حضرت عثمانؓ کا یہ طرزِ عمل شاق گزرا بعض نے تو اُن کے مُنہ پر کہہ دیا کہ "جس شخص کی رسولِ خدا نے عزت کی اُس کی تم نے اہانت کی۔"

بنو امیہ اور بنو فاطمہؓ تو الگ رہے ان رنجشوں نے مسلمانوں کا ایک اچھا خاصا دنگل تیار کر دیا۔ اس سے بھی زیادہ تلخ واقعہ یہ ہوا کہ رسولِ صلعم نے ہمیشہ منا میں نماز کی دو رکعتیں پڑھیں مگر حضرت عثمان نے چار پڑھیں مسلمان سنت اور رسول کے عاشق تھے بگڑ گئے اور کہا "حضور نے ہمیشہ دو پڑھیں تم امیرالمومنین ہو کر اُن کے خلاف کرتے ہو"۔ حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں کو یہ کہہ کر مطمئن کرنا چاہا کہ "وہ قصر فرماتے تھے میں نے قصر نہیں کیا"۔ مگر مسلمان تو اپنے آقا کے نام پر پروانہ تھے ان کی سمجھ میں یہ عذر نہ آیا اور ان کا غصہ اور بڑھ گیا۔

ان اختلافات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں بدامنی پھیل گئی اور رعیت بغاوت پر کمربستہ ہو گئی کوفہ ان بانیانِ فساد کا مرکز قرار پایا مختلف گروہوں کے سات نمائندے بنائے گئے جب ان کی شرارت اور بغاوت کا علم حاکم کوفہ کو ہوا تو اُس نے فوراً حضرت عثمانؓ کو اطلاع دی جہاں سے یہ حکم نافذ ہوا۔ "ان لوگوں کو شام میں معاویہؓ کے پاس بھیج دو"۔ یہ لوگ حکومت کا تختہ الٹ دینے کا بیڑا اُٹھا چکے تھے امیر معاویہؓ کے ہاں پہنچے تو وہاں بھی اپنے

خیالات کی اشاعت کی اور چند ہی روز میں اتنے کامیاب ہوئے کہ بڑا فریق ان کے ساتھ ہو گیا امیر معاویہؓ نے اس کیفیت کی اطلاع حضرت عثمانؓ کو دی اس وقت حمص کی گورنری عاصؓ یعنی کے ہاتھ میں تھی اور وہ نہایت جابر اور سخت آدمی تھا۔ حضرت عثمانؓ نے معاویہؓ کو لکھا کہ ان ساتوں آدمیوں کو حراست میں حمص روانہ کر دو حمص پہنچ کر انھوں نے شام کی طرح رعیت کو ہم خیال بنانا شروع کیا۔ مگر عاصؓ نے ان کو سخت سزائیں دیں اور اتنے دُرّے لگوائے کہ پریشان ہو گئے اور حمص سے بھاگ کر پھر کوفہ پہنچے۔

خلافت کے کاغذات پر اب تک حضور اکرم کی مہر ہوتی تھی یہ مہر رسول اللہ صلعم کی انگوٹھی میں تھی جو شیخین کے ہاں رہی اور اب خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کے پاس تھی وہ ایک روز کنوئیں پر کھڑے تھے۔ انگوٹھی جس میں مہر تھی انگلی سے اتار دی۔ وقت کی بات تھی انگوٹھی ہاتھ سے چھوٹ کر کنوئیں میں گری۔ اس خبر کے مشہور ہوتے ہی لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کیں اور وہ فریق جو حضرت عثمانؓ کے خلاف تھا علی الاعلان کہنے لگا کہ امیر المومنین نے جان بوجھ کر یہ انگوٹھی کنوئیں میں پھینکی اور جس طرح نماز کی رکعتوں میں انھوں نے سنت رسول کی توہین کی اسی طرح اس انگوٹھی کی بے عزتی کی۔ حضرت عثمانؓ نے کنوئیں کا تمام پانی نکلوایا اور کونہ کونہ چپہ چپہ۔ ڈھونڈھ ڈالا۔ مٹی چھنوائی گارا دھلوایا لیکن انگوٹھی نہ ملنی تھی نہ ملی۔ البتہ اس کی یادگار یہ باقی رہ گئی کہ جو مسلمان خلافت کے مخالف تھے ان کو اور تقویت پہنچی۔ ساتوں باغی اور سرکش جو شب و روز اپنی کوششوں میں سرگرم تھے اب اور زیادہ رنگ لائے اور مسلمانوں کو دل کھول کر ورغلانا شروع کیا۔ کوششیں صحیح ہوں یا غلط کسی

نہ کسی حد تک بار آور ہو ہی جاتی ہیں وہ مسلمان جو حضرت عثمانؓ کے جانب دار تھے وہ بھی ان باتوں سے کچھ اکھڑ سے گئے اور بعض تو سازش میں شریک ہو کر خود ہی باغی ہو گئے۔

یہ وہ وقت تھا کہ اندرونی سازشوں کے علاوہ اسلام پر ایک زبردست حملہ ہوا۔ مصر میں عبداللہ بن سبا کے عقاید پھیلنے شروع ہو گئے حضرت عثمانؓ کی خلافت اس بدعت کا قلع قمع نہ کر سکی۔ یہاں تک کہ اس کے معتقدین میں اور مسلمانوں میں معرکہ زار گرم ہوا۔ مصر کا حاکم امیر المومنین کا بھانجہ وہی عبداللہ بن ابی سرح تھا اس نے اس موقع پر ایک ایسی تقریر کی اور صحابہ رسول اللہؐ اور بنو ھاشم کے واسطے مکروہ الفاظ استعمال کئے کہ مسلمان رو پڑے مگر عبداللہ نے مطلق پروانہ کی اور کہہ دیا کہ تم لوگ لڑنا کیا جانو تم تو فقط مسجدوں میں بیٹھے تسبیح پھیرو۔ ان الفاظ نے عام مسلمانوں میں آگ لگا دی اور جمعہ کے روز جب وہ تقریر کر رہا تھا لوگوں نے اس سے کہا کہ "مرتد خاموش رہ بیہودہ بکواس کرتا ہے ہم تجھ سے کچھ نہیں کہتے مگر اس کا بدلہ عثمانؓ سے لیں گے۔"

اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ نہایت نرم دل اور سچے آدمی تھے۔ اور بہت کم غصہ آتا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی کسی مسلمان کو خواہ وہ کسی عقیدہ کا ہو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ حضرت علیؓ نے اس خلافت کے سنبھالنے میں ہر ممکن کوشش کی اور حضرت عثمانؓ کو مدد دینے میں ہرگز کوتاہی نہ کی۔ بنو ھاشم کھلم کھلا حضرت علی کے خلاف ہو گئے اور سازشوں میں بھی شریک ہو گئے۔ مگر حضرت علی نے مطلق ان کا ساتھ نہ دیا۔ اور یہ بھی کہہ دیا کہ میں حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کر چکا ہوں اور آخر وقت تک

ان کا ساتھ دوں گا۔"

عبداللہ بن سرح کی تقریر خالی نہ گئی اور عام طور پر مصر میں خلافت عثمانؓ کے خلاف جلسے ہونے لگے اور یہ فیصلہ ہوا کہ مدینہ چل کر حضرت عثمانؓ کو معزول کرو اور حضرت علیؓ کو خلافت دلواؤ۔ حضرت علیؓ نے اس موقع پر باغیوں کو اچھی طرح سمجھایا اور ان سے کہا جو خلافت انتخاب سے عمل میں آئی اب اس میں تم لوگوں کو رخنہ اندازی نہ کرنی چاہئیے اور اس طرح اسلام کو کمزور کرنا مسلمانوں کی بڑی غلطی ہوگی مگر یہ لوگ جو بنو ہاشم پر محدود نہ تھے رضامند نہ ہوئے مدینے روانہ ہو گئے حضرت علیؓ بھی یہ سمجھکر کہیں یہ بدبخت فتنہ نہ برپا کریں۔ مدینے آئے جب حضرت عثمانؓ کو یہ خبر پہونچی تو انھوں نے مسلمانوں سے مدد مانگی۔ ان مسلمانوں میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے۔ چنانچہ ان میں سے تین شخص گفتگو کے واسطے تیار ہو گئے۔ حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ ان تینوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ آپ نے یہ کیا کیا۔ کہ بیت المال کا روپیہ ایسوں کو دیا جو اس کے اہل نہ تھے اور اپنے بھانجہ کو پندرہ ہزار درہم دیدئیے۔ حضرت عثمانؓ نے اس کو غلطی تسلیم کر لیا اور یہ کہا کہ روپیہ میں خود ادا کردوں گا۔ یہ تینوں بزرگ خلافت کے درپے نہ تھے جب ان کو اطمینان ہو گیا تو انھوں نے وعدہ کیا کہ اب ہم آپ کے ساتھ ہیں مگر فتنہ پرداز رضامند نہ ہوئے اور اپنی شرائط پر اڑے رہے اور خلافت کا تختہ الٹ دینے کی تمام کوششیں کام میں لائے۔ اب مسجد نبوی میں ایک جلسہ عام ہوا اور حضرت عثمانؓ نے تقریر کی کہ "یہ لوگ فتنہ برپا کرنے آئے ہیں" حضرت علیؓ نے رائے دی کہ مفسدوں کو قتل کر دینا چاہیئے کیونکہ

کیا یہ بات صحیح ہے؟

خلافت کے خلاف یہ جو کچھ کر رہے ہیں یہ اسلام کے احکام کی خلاف ورزی ہے"

عبداللہ بن سبا اپنے مذہب کی اشاعت کا بہترین ذریعہ یہ ہی سمجھ رہا تھا کہ کسی طرح مسلمانوں میں تفریق پیدا کر دے۔ اُس نے چالاکی کی کہ بظاہر مسلمان ہو گیا اور اسلامی معلومات میں ایسی غیر معمولی دلچسپی لینی شروع کی کہ مسلمان اس کی شرارت کو صداقت سمجھنے لگے اس وقت جو حضرت علیؓ کا رویّہ اُس نے دیکھا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہو کر فتنہ پردازوں کے قتل کی رائے دے رہے ہیں تو وہ دنگ رہ گیا اور اس کے سوا چارہ نہ دیکھا کہ تمام مفسدوں کو لے کر کوفہ چلا جائے مگر تھوڑے ہی روز بعد حج کے موقع پر ایک بڑی جمعیت کو ساتھ لے کر اس غرض سے آیا کہ حضرت عثمانؓ کو قتل کرے اور جب اسلام کی طاقت فنا ہو جائے تو جو فریق اس کا ہمنوا ہو اس کو اپنا حلقہ بگوش کرے۔ یہ گروہ مسلح تھا اور حج کے بہانہ سے آیا تھا جو تین ساڑھے ہزار آدمیوں سے کم نہ تھا۔ اُنھوں نے مدینہ سے تین فرسنگ ادھر قیام کیا اور یہاں پہنچتے ہی پہلا کام یہ کیا اور اعلان کر دیا کہ ہم حضرت عثمانؓ کے معاملات کی جانچ پڑتال کرنے آئے ہیں۔ ان کی وجہ سے اسلام کو کافی نقصان پہنچ چکا اور پہنچ رہا ہے ہم ان کو معزول کریں گے اور اگر حضرت علیؓ خلافت منظور نہیں کرتے۔ دوسرا خلیفہ منتخب کریں گے۔ یہ پیام جس وقت طلحہؓ اور زبیرؓ کو پہنچا تو وہ پریشان ہو گئے دشمن کی جمعیت خاصی تھی اور اس میں کوفہ، بصرہ اور مصر تک کے لوگ شامل تھے حضرت عثمانؓ نے یہ کیفیت دیکھ کر معاملہ طلحہؓ، زبیرؓ اور علیؓ کے سپرد کر دیا۔ ان لوگوں نے باہمی فیصلہ کیا کہ معاملہ اس

طرح طے کرو کہ سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے۔ اگر دب گئے اور ان کی توقعات پوری کر دیں تو اسلام فنا ہو جائے گا۔ اور مقابلہ کیا تو سینکڑوں مسلمانوں کا خون گرے گا اور مفت کی خونریزی ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ ان سے گفتگو کی جائے۔ چنانچہ ان تینوں کے مشورے سے یہ معاملہ سلجھ گیا اور باغی اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ صرف شرط یہ قرار پائی کہ مصر کا گورنر معزول کر دیا جائے۔

ان تینوں بزرگوں کے فیصلہ سے معاملہ طے ہو گیا مگر وہی کمبخت مروان اس موقع پر پھر رنگ لایا اور جب دیکھا کہ فتنہ فرو ہو گیا تو اس نے حضرت عثمانؓ کو بھڑکایا اور کہا آپ کی طاقت خاک میں مل گئی اور خلافت آپ کی نہیں ہے۔ علیؓ طلحہؓ اور زبیرؓ کی ہے یہ نہ معلوم آپ کی کیا مٹی پلید کریں گے۔ مناسب یہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک جلسہ کیجئے اور صاف صاف کہہ دیجئے کہ میں تلوار کے زور سے فتنہ فرو کر سکتا ہوں اور اگر تم لوگ اس پر آمادہ نہ ہو تو میں کسی کی پروا نہیں کرتا۔ حضرت عثمانؓ نے اس بدبخت کے کہنے سے ایک جلسہ منعقد کر کے یہی مفہوم ادا کر دیا۔ لوگ پہلے ہی بددل ہو رہے تھے بنو ہاشم حضرت علیؓ کے کہنے سے دب تو گئے تھے مگر دل صاف نہ تھے اس تقریر نے زخموں پر نمک چھڑک دیا اور جلسہ میں ایک متفقہ آواز بلند ہوئی کہ

عثمانؓ توبہ کر اور اسلام کو فنا نہ کر

باغی بھی آموجود ہوئے تھے۔ ان کا سرغنہ ابن سبا مجمع کو بھڑکا رہا تھا، اتنی ستہ پاتے ہی ابی عمرو بن عاص جن کا ہاتھ خلافت میں پوری طرح کام کر رہا تھا اپنے الفاظ کو بار بار دہرانے لگے" عثمانؓ توبہ کر اور

اسلام کو فنا نہ کرے۔"

اِن کے ساتھ تمام مسلمانوں کی یہی صدا بلند ہوئی تو حضرت عثمانؓ کی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے مگر امیر المومنین کے آنسو مسلمانوں کی اس آگ کو نہ بجھا سکے حضرت علیؓ یہ رنگ دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور حضرت عثمانؓ سے کہا۔ آپ نے یہ کیا کیا، آپ سے کس نے یہ تقریر کرنے کو کہا تھا اپنے بھانجے عبداللہ کو پروانہ لکھنے کی جو شرط تھی وہ پوری نہیں ہوئی اور وہ بدستور کام کر رہا ہے۔ بیت المال کا روپیہ آپ نے بیجا صرف کیا مروان دو دن کا لڑکا کل کا غلام آج اس قابل ہو گیا کہ امورِ خلافت میں دخل دے۔ معاویہؓ صرف آپ کی وجہ سے میرے خلاف ہے۔"

حضرت عثمانؓ روتے ہوئے طلحہؓ، زبیرؓ اور حضرت علیؓ تینوں کی طرف بڑھے اور کہا۔"اب جو آپ فرمائیں وہ کروں"۔ حضرت علیؓ نے کہا۔"غلطیوں کا اقرار کیجئے اور کہیئے کہ میں بشر ہوں سہو و خطا سے مرکب، مسلمانوں معاف کر دیں اس کا تدارک کرتا ہوں"۔ حضرت عثمانؓ نے اس مشورہ پر عمل کیا ادھر حضرت علیؓ کی تحریک پر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے مسلمانوں کو سمجھایا اور کسی نہ کسی طرح بات ختم ہو گئی۔ مگر سب سے بڑا مطالبہ عبداللہ کا تھا جس پر صلح مشروط تھی اور جس کی تعمیل اب تک نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ ایک حکم امیر المومنین کی طرف سے اس کے نام پر جاری کیا گیا کہ فوراً اپنے عہدے سے دست بردار ہو کر محمد بن ابو بکرؓ کے حوالے کرے یہاں تک معاملہ رو براہ تھا۔ سب کام مرضی کے موافق ہو گئے حضرت عثمانؓ بھی خوش اور مسلمان بھی مگر اب

ایک اور گل کھلا اور وہ یہ کہ قاصد تین چار ہی منزل گیا تھا کہ ناقہ سوار جاتا نظر آیا۔ محمدؐ بن ابوبکرؓ کے ہمراہیوں نے جو بھاگم بھاگ عبداللہ کو معطل کرنے جا رہے تھے اس کو دیکھ کر روکا جب معلوم ہوا کہ امیر المومنین کے غلام کا اس وقت جانا کوئی معنی رکھتا ہے تو تلاشی لی۔ اس کے پاس سے امیر المومنین کا ایک خط نکلا جو عبداللہ کے نام تھا اور اس میں لکھا تھا کہ محمد بن ابوبکرؓ کو فوراً قتل کرے اور جن لوگوں نے بغاوت کی ہے اُن کو پوری سزا دے۔ یہ خط پڑھ کر مسلمان آگ بگولا ہو گئے اور قاصد کو پکڑ کر گالیاں دیتے بُرا بھلا کہتے اور چیختے چلاتے مدینے لوٹے۔ حضرت عثمانؓ نے قسم کھائی کہ مجھے اس خط کا علم نہیں اور مجھے مُہر کی بھی خبر نہیں کہ کس نے لگائی اور کس طرح لگائی۔ مسلمان آپے سے باہر تھے اور تلواریں میان سے باہر نکال لی تھیں۔ مگر حضور اکرمؐ کی صحبت میں وقت گزار چکے تھے اس لئے جوہر انسانیت بھی ایسا معدوم نہ ہوا تھا کہ کھرے کھوٹے کی تمیز نہ کر سکیں۔ اُنھوں نے حضرت عثمانؓ کی قسم کا یقین کر لیا۔ اور فیصلہ کیا کہ یہ تمام کارستانی نمک حرام مروان کی ہے اور وہ انگوٹھی جو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے گم ہوئی وہ اُسی کے قبضہ میں ہے۔ اس لئے اُنھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ امیر المومنین بے گناہ ہیں تو ہم کو پرخاش نہیں۔ مگر مروان کی شرارتیں اب اس حد تک پہنچ چکی ہیں کہ برداشت کی قوت باقی نہیں۔ اس لئے مروان کو ہمارے حوالہ کیجئے کہ ہم اس مکار کی بدمعاشیوں کو سزا دے کر اپنا دل ٹھنڈا کریں اور اسلام کو ایسے مکار سے پاک کریں۔

ہم اس کا جواب نہیں دے سکتے کہ حضرت عثمانؓ کا وہ تامل جو اُنھوں

نے مروان کے حوالے کرنے میں کیا کیوں تھا۔ رحم و کرم تھا یا خوف، یا کمزوری بہرحال باوجود تقدس طلحہ اور شجاعت علی سے پوری طرح باخبر ہونے کے عاشقہ المسلمین حضرت عثمان کے قتل پر کمربستہ ہو گئے۔ طلحہ اور علی دونوں نے اپنے اثر سے کام لیا سمجھایا بھی اور ڈرایا بھی۔ مگر اب سیلاب رکنے والا نہ تھا۔ حضرت علی جو کچھ کر سکتے تھے وہ یہ کہ امام حسن کو ان کی مدد کے واسطے چھوڑ کر باغیوں کی طرف متوجہ ہوئے کہ شاید راہِ راست پر آجائیں، مگر وقت آپہنچا تھا۔ حضرت زبیرؓ کی اعانت کام آئی نہ حضرت علیؓ کی نہ حضرت طلحہؓ کی تلقین کا اثر ہوا۔ نہ حضرت سعدؓ کی فہمائش کا باغی مقابلہ پر اتر گئے اور اعلان کر دیا۔ کہ جائیں رہیں یا جائیں ہم کو اب اسلام کا بدلہ لینا ہے مروان جیسے ایمان کا قتل ہمارا فرض اور حضرت عثمانؓ کو معطل کرنا ہمارا ایمان ہے۔

میدانِ کارزار گرم ہونے والا تھا حضرت علیؓ کی علیت اور حضرت طلحہؓ کی فراست باغیوں کا منہ تک رہی تھی اور باغی اَللّٰہُ اَکْبَرُ کے نعروں میں امیر المومنین کی خلافت پر لعن طعن کر رہے تھے۔ جب انھوں نے باآواز بلند کہہ دیا کہ تلواریں مروان اور عثمانؓ کی گردنیں جدا کرنے کے بعد میان میں ہوں گی"۔ تو سیدہ کا لال جس کی سواری خدا کا رسول تھا اور شباب جس کی صورت پر قربان ہو رہا تھا اپنے نانا کے محسن کی حمایت کو آگے بڑھا اور تلواروں کی چھاؤں میں امیر المومنین کو ان کے گھر سے چلا۔ امام حسن کی صورت دیکھ کر باغیوں کا چہرہ سرخ تو گیا مگر جانتے تھے کہ اس باپ کا بیٹا ہے جس کا ایک نعرہ زمین و آسمان کے ٹکڑے اڑا دے گا۔ خاموش حضرت علی کی خدمت میں پہنچے جہاں تینوں بزرگوں نے ان کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا۔ حضرت عثمانؓ نے گھر پہنچ کر امام کی پیشانی کو بوسہ دیا اور دعا

دی۔ دوسرے روز جمعہ تھا اور امیر المومنین کی شرکت ضروری۔ بعد نماز امیر المومنین نے تقریر کا قصد کیا۔ مگر باغی فیصلہ کر چکے تھے کہ اگر آج مروان کو نہ دیا تو اس کے ساتھ حضرت عثمانؓ کا بھی خاتمہ کر دیں گے۔ چنانچہ ایک شخص کلیم نے کھڑے ہو کر کہا "جان کی خیر ہے تو مروان کو سرراہ قتل کر دو"۔ امیر المومنینؓ نے جواب دیا کہ "تم میرے مخالف ہو حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ میری خلافت کے ساتھ صحابہ رسول اللہ ہیں"۔ اب مسلمانوں کو تاب نہ تھی اور وہ یہ کہہ کر آگے بڑھے کہ "عثمانؓ تیرے ساتھ صحابہ میں سے کوئی نہیں ہاں عبداللہ معاویہ اور مروان تیرے ساتھ ہیں"۔ قریب تھا کہ بلوائی حضرت عثمانؓ کا خاتمہ کر دیں کہ آج پھر تیغ حسنی بلند ہوئی اور مسجد نبوی میں یہ الفاظ گونجے۔

"کس کی مجال ہے خلیفہ وقت کے خلاف تلوار اٹھا سکے جب تک حسنؓ کے جسم پر سر اور اس کے ہاتھ میں تلوار موجود ہے کچھ نہیں کر سکتے"۔

باغی دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اور امیر المومنین امام حسنؓ کی پناہ میں گھر پہنچ گئے اب باغیوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کیا اور دانہ پانی بالکل بند کر دیا لڑائی ہوئی ادھر ادھر کے آدمی مارے گئے مروان باغیوں سے لڑا اور اس کی جمعیت نے کئی دن تک مقابلہ کیا لیکن باغیوں کی تعداد زیادہ تھی اس لئے غالب آئے اور اندر گھس گئے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے حالات اس قدر دردانگیز ہیں کہ بیان سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں جس وقت جماعت اندر داخل ہوئی تو وہ تلاوت کلام اللہ میں مصروف تھے۔ پہلے مروان کے غلاموں اور باغیوں

میں لڑائی ہوئی اور طرفین کے بہت سے آدمی قتل ہو گئے مگر جب باغی غالب آئے تو اس طرف رخ کیا جہاں مسلمانوں کا تیسرا خلیفہ خدا کی مقدس کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا محمد بن ابی بکر نے امیر المومنین کی ڈاڑھی پکڑ کر نہایت نازیبا الفاظ استعمال کئے جس کے جواب میں انھوں نے صرف اتنا کہا "اگر تیرا باپ یہ کیفیت دیکھتا تو ناخوش ہوتا" محمد نے ڈاڑھی چھوڑ کر نیچی گردن کر لی اور باہر آ گئے۔ اس وقت ایک شخص کنانہ نامی تلوار نکال کر آگے بڑھا، مگر بعض مسلمانوں نے منع کیا اور کہا ہم کو خلافت کی ضرورت ہے، ان کے خون کی ضرورت نہیں، جب کنانہ نے ہاتھ روکا تو انھیں لوگوں نے کہا "اب آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیں" مگر حضرت عثمانؓ نے جواب دیا "خدا کی دی ہوئی چیز کون لے سکتا ہے"۔

اب مفسدوں کو تابِ ضبط نہ رہی اور کنانہ نے تلوار کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ کان کٹ گیا اور اس کے بعد دوسرے آدمیوں نے پے در پے وار کئے حضرت عثمانؓ کا خون قرآن کے ان الفاظ پر پڑا۔

"خدا ہی کفایت کرے گا اور وہی بہتر جاننے والا اور سننے والا ہے"

حضرت عثمانؓ کی بی بی نائلہ شوہر کی حمایت کو اٹھیں اور ان کے اوپر چھا گئیں کہ بچا لیں مگر ان کے ہاتھ زخمی ہوئے اور اس طرح بارہ سال خلافت کرنے کے بعد ۸۲ سال کی عمر میں ۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ شہید ہوئے۔

جس گھر میں خدا کا کلام جمع ہو رہا تھا جس سرزمین پر کلام اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں اسی گھر میں اور اسی سرزمین پر اس شخص کا خون گرا ہوا ہے جو

قرآن جمع کر رہا تھا جمعہ کا دن ہے۔ آفتاب کی حرارت کم ہو چکی ہے۔ عصر کی نماز سے فراغت پانے والے مسلمانوں نے جو کیفیت دیکھی اُس نے دل ہلا دیئے مسلمانوں کا تیسرا خلیفہ عثمان غنیؓ روزہ کی حالت میں شہید ہوا پڑا ہے۔ اس کے برابر خدا کی کتاب رکھی ہوئی ہے اور ورق خون میں لتھڑے ہوئے ہیں، ایک طرف خلیفہ وقت کی بیوی نائلہ بے ہوش پڑی ہیں۔ مسلمانوں تاریخ کی زبان اور میرے قلم سے اپنی داستان سُنو اور بیٹا پڑھو۔ ابھی آفتاب غروب نہ ہوا تھا کہ بی بی نائلہؓ نے آنکھ کھولی۔ کٹی ہوئی انگلیوں سے خون بہہ رہا تھا اور برابر میں کلام الٰہی رکھا ہوا تھا۔ اُٹھیں تو ایک خونخوار شخص ھانی تلوار ہاتھ میں لئے اندر داخل ہوا کلام الٰہی کو بوسہ دے کر اونچا پر رکھا تو روزہ دار شوہر کی خون میں لتھڑی ہوئی لاش پر نظر پڑی۔ بے تاب ہو کر منہ پر ہاتھ پھیرا تو ھانی کی آواز کان میں آئی "ہٹ جا کہ عثمان کی لاش سے بدلہ لے کر دل ٹھنڈا کر لوں۔ تو کون ہے اور تیری انگلیاں کہاں گئیں؟" بی بی نائلہ شوہر کی لاش پر جُھک گئیں اور کہا "امیر المومنین کی بیوی نائلہ ہوں، تو مسلمان ہے رحم کر اور مردے کو اذیت نہ دے۔ بے گناہ امیر المومنین کو مسلمان شہید کر چکے اور جس وقت مفسدوں کا گروہ تلواریں لے کر ٹوٹا ہے۔ اس وقت میرے پاس اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ تلواروں کے وار اپنے ہاتھوں پر روکوں میں نے ہرچند اُن سے کہا۔ مت خوشامد کی مگر اُن کے سر پر شیطان سوار تھا باز نہ آئے تو غور سے دیکھ یہ روزہ دار لاش اُس کی ہے جس کے احسانات کا میرے اور تیرے مولا نے اقرار کیا ہے۔ تو نے دیکھا یا سُنا ہو گا کہ جب مسجد نبوی میں جماعت کے واسطے جگہ تنگ ہوئی تو رحمۃ اللعلمین نے بآواز بلند فرمایا۔ وہ کون اللہ کا بندہ ہے

جو اس مسجد کو وسیع کر دے"۔ اس وقت جس شخص نے زمین خرید کر وقف کی اور نمازیوں کے لئے مسجد بنوادی وہ یہی امیر المومنین تھا جو آج افطار کے وقت مسلمانوں کے ہاتھ سے بے گناہ شہید ہوا۔ تیرے کان آشنا ہوں گے۔ یا آنکھوں نے دیکھا ہو گا کہ جب حضور اکرمؐ یہاں تشریف لائے تو صرف ایک کنواں بلیرِ رومیہ یہودیوں کی ملکیت تھا جس سے مسلمان پانی پیتے تھے۔ جب وہ کنواں یہودی نے مسلمانوں کے واسطے بند کر دیا تو مسجد نبوی کی دیواریں صدائے رحمۃ للعلمین کی شاہد ہیں جب حضورؐ کی آواز اس فضا میں گونجی کہ "کون ہے جو بلیر رومیہ مسلمانوں کے واسطے وقف کر دے" اور صبح سے پیاسے مسلمانوں کو پانی سے سیراب کرے"۔ تو ارشاد نبویؐ کی تعمیل جس شخص نے کی اور کنواں خرید کر مسلمانوں کے حوالہ کیا وہ یہی امیر المومنین تھا جس کی لاش خون آلود تیری آنکھیں دیکھ رہی ہیں جس کی پنڈلی کبھی فرشتوں نے نہ دیکھی، وہ آج بے گور دکفن ننگا دھڑنگا اس گھر میں پڑا ہوا ہے۔

خدا کے بندو انصاف سے کام لو اور ارشاد رسولؐ کو اس قدر جلد فراموش نہ کرو۔ یاد رکھو عثمانؓ بے گناہ کا خون رنگ لائے گا اور ایسی آگ لگائیگا جو قیامت تک فرو نہ ہو گی"۔ ھانی کی آنکھوں سے خون اُبل رہا تھا۔ اس نے بیوی نائلہ کو دھکا دے کر الگ پھینک دیا اور کہا "میں نے عہد کیا ہے کہ امیر المومنین کا چہرہ طمانچے مار کر سرخ کر دوں گا" یہ کہہ کر اس نے طمانچے مارنے شروع کئے۔ پاک دامن نائلہؓ کی محبت یہ ظلم برداشت نہ کر سکی وہ اُٹھیں اور کہا "تیرے کٹے ہوئے ہاتھ تن سے جدا کر دے۔ مگر للہ اس بے گناہ لاش کی

بے حرمتی نہ کر" ھانی نے کڑک کر جواب دیا "میرے باپ ھانی کو عثمانؓ نے قید کیا میرے دل میں رحم نہیں ہے" یہ کہہ کر اس نے گرز اٹھایا اور ہڈیاں پسلیاں ایک کر دیں نائلہؓ "بی بی ہائے ہائے" کہہ کر اس کے قدموں پر گریں۔ مگر اس نے ٹھکرا دیا اور یہی کہتا رہا "نائلہؓ تیرا شوہر اس سے بھی زیادہ سزا کا مستوجب ہے"

مغرب کی اذان بلند ہوئی تو ھانی نے کہا "جی یہ چاہتا ہے کہ اس لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا مگر نماز کا وقت ہے اس لئے چھوڑ دیتا ہوں"

تین دن اور تین رات حضرت عثمانؓ کا جنازہ بے گور و کفن پڑا رہا چوتھے روز حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ نے تجہیز و تکفین کی تو باغیوں نے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا اور جو شخص جامع القرآن، سب سے پہلا حافظ، اسلام کا محسن اور امیر المومنین تھا یہودیوں کے قبرستان میں دفن ہوا۔

چوتھی خلافت کا انتخاب

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد پھر خلافت کا مسئلہ درپیش تھا اور حضرت علیؓ کے سوا اکثر کی خواہش اور کوشش تھی کہ خلافت ہمارے ہاتھ آئے مگر اس افراتفری میں کیا خاک فیصلہ ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سات روز تک کوئی خلیفہ نہ ہوا اور مسند خلافت خالی پڑی رہی۔ اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ مسلمانوں کا ایک گروہ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ آپ خلافت قبول فرمائیے حضرت علیؓ مسلمانوں کی طبیعت سے پوری طرح واقف تھے اور اچھی طرح جانتے تھے کہ اب خلافت بھس کی چنگی ہے جس کو جمالو کی طرح

مسلمان ڈال کر دور سے تماشا دیکھیں گے اس لئے انھوں نے انکار کر دیا اور کہا۔ "کوفہ حضرت زبیرؓ اور بصرہ حضرت طلحہؓ کا خواستگار ہے اور ادھر معاویہؓ بھی ساعی ہیں۔ اِن حالات میں مسلمانوں کی خلافت مصیبت ہے۔ مجھے یہ منظور نہیں جماعت جس کے حق میں فیصلہ کرے گی میں بھی اس کی بیعت کروں گا"

حضرت علیؓ کے اس جواب پر مسلمان ابھی خاموش بیٹھے تھے۔ اور سوچ رہے تھے کہ کس طرح حضرت علیؓ کو خلافت قبول کرنے پر مجبور کریں کہ قریب قریب تمام مدینہ اُمنڈ پڑا۔ اور سر برآوردہ حضرات نے حضرت علیؓ سے کھلم کھلا کہہ دیا کہ "آپ کو خلافت قبول کرنی پڑے گی کیونکہ اب کوئی اور اس کا اہل نہیں ہے"۔ حضرت علیؓ نے کہا۔ "تم کوئی اور آدمی منتخب کرو۔ پہلا شخص جو اس کے ہاتھ پر بیعت کرے گا وہ میں ہوں گا"۔ اب یہ ہوا کہ مسلمان تین حصوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک حصہ حضرت طلحہؓ کے پاس گیا ایک حضرت زبیرؓ کے پاس اور ایک انصار کے پاس۔ مگر ہر جگہ سے یہی جواب ملا کہ خلافت کا اہل حضرت علیؓ کے سوا کوئی نہیں۔ چنانچہ سب مل کر حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا "اگر آپ منظور نہیں کرتے تو اور کوئی خلیفہ نہیں ہو سکتا اور قیامت کے روز تمام ذمہ داری آپ کی ذات پر ہوگی"۔ اس پر حضرت علیؓ خاموش ہوئے۔ اور فرمایا" چلو مسجد میں چل کر مشورہ کریں۔ شاید کوئی اللہ کا بندہ اس بار کو اٹھائے"۔ یہاں حضرت علیؓ نے تقریر کی اور کہا "میں خلافت کے واسطے تیار نہیں، بہتر ہوگا کہ تم خلیفہ منتخب کر دیں بیعت کے واسطے تیار ہوں۔ اصحاب رسول کی رائے پر عمل کرو اور میری خواہش ان کی خدمت میں پہنچا دو۔ وہ ضرور میری اس تجویز سے متفق ہوں گے

اور مجھ کو معاف کر دیں گے" چنانچہ سب نے سعد بن وقاص، سعد بن زید، عبداللہ بن عمر سے فرداً فرداً درخواست کی مگر بے سود یہ دیکھ کر حضرت علیؑ نے دوبارہ تقریر کی اور حکیم بن حنبلہؓ اور حضرت طلحہؓ سے کہا۔ کہ آپ خلافت قبول کیجئے' ان دونوں نے انکار کر دیا اور طلحہؓ نے یہ الفاظ کہے

" معاذ اللہ ابوالحسن کی موجودگی میں میری خلافت "

اس پر مالک بن اشتر نے آواز دی "علیؑ ہاتھ بڑھایئے" چنانچہ حضرت علیؑ نے ہاتھ بڑھایا تو سب سے پہلے حضرت طلحہؓ نے پھر سعید، سعد عبداللہ وغیرہ نے بیعت کی اور یہ سلسلہ جاری رہا لیکن بنی امیہ کا ایک گروہ بغیر بیعت کئے معاویہؓ کے پاس شام چلا گیا۔

حضرت علیؑ کی خلافت کا بنو اُمیہ پر اثر

حضرت علیؑ کی خلافت کے بیان سے پہلے چار باتیں سمجھ لینی ضروری ہیں۔ تاکہ کربلا کے خونیں واقعہ کی تہہ میں جو راز کام کر رہا ہے وہ اچھی طرح سمجھ میں آ جائے

(۱) مسلمانوں کا ایک گروہ (بنی امیہ) حضرت علیؑ کے خلیفہ ہوتے ہی شام میں امیر معاویہؓ کے پاس چلا گیا۔

(۲) امیر معاویہؓ نے ہر جمعہ میں حضرت عثمانؓ کا خون آلود کرتہ مسلمانوں کو دکھانا شروع کیا جس نے بنو ہاشم کے خلاف بنو امیہ کو جنگ و جدال کی پوری ترغیب دی جس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ امیر معاویہؓ کی دلی خواہش تھی کہ حضرت علیؑ معزول ہوں اور خود خلیفہ ہوں۔

(۳) حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ نے بظاہر بیعت کرلی۔ مگر دل میں کدورت موجود رہی۔

(۴) بنو ہاشم اور بنو امیہ کی دیرینہ عداوت کو حضرت عثمان کی شہادت سے اس لئے اور ترقی ہوئی کہ مفسدوں نے واقعات سے بنو امیہ کو یقین دلایا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت محض بنو ہاشم کی کوشش سے ہوئی حالانکہ حضرت علیؓ نے اُن کی خلافت کو تقویت دینے میں ہر ممکن کوشش سے کام کیا۔ یہاں تک کہ ایک موقعہ پر انہوں نے امام حسنؓ کو یہ کہہ کر طمانچہ مارا کہ بلوائیوں کو مارنے اور حضرت عثمان کو بچانے میں پوری کوشش نہ کی۔ یہ چاروں موٹی موٹی باتیں معلوم ہونے کے بعد واقعات پر اچھی طرح غور ہوسکتا ہے، اور اب صرف ایک بات باقی رہتی ہے، اور چونکہ وہ بھی اس نزاع سے متعلق ہے اور حضرت علیؑ کی ذات کو اس سے خاص تعلق ہے۔ اس لئے ان کی خلافت پر بحث کرنے سے پہلے اس کا ذکر بھی ضروری ہے۔

جنگ جمل

اُمّ المومنین بی بی عائشہ صدیقہؓ ایک سفر میں حضور اکرمؐ کے ساتھ تھیں واپسی میں مدینہ ایک پڑاؤ کیا تھا کہ رات کو قیام ہوا اور صبح کو کوچ۔ اس وقت چونکہ پردہ کے متعلق احکام نازل ہوچکے تھے جسم یا چہرہ چھپانے کی غرض سے یا کچھ پردہ کی وجہ سے کچھ اندھیرے کی وجہ سے ساربان یہ نہ سمجھ سکا کہ اُمّ المومنین سوار ہوگئیں چل پڑا لیکن اُمّ المومنینؓ اس وجہ سے کہ جو ہار اُن کے گلے میں تھا اور

مانگنے کا تقاضہ گر پڑا تھا اس کے ڈھونڈھنے میں رہیں اور جب صفوان المعطل اسلمیؓ جو قافلہ کا چوکیدار تھا اور جس کا یہ کام تھا کہ روانگی کے بعد گری پڑی چیزوں کو اُٹھائے۔ آیا تو دیکھا کہ اُمّ المومنین رہ گئیں۔ وہ یہی کر سکتا تھا کہ اپنے اونٹ پر سوار کیا اور خود مہار ہاتھ میں لے پیدل روانہ ہوا جب وہ ام المومنین کو لے کر پڑاؤ پر پہنچا اور لوگوں نے یہ کیفیت دیکھی تو ام المومنین کے رہ جانے پر اور تنہا آنے پر چہ می گوئیاں شروع ہوئیں اور مختلف آدمیوں نے مختلف رائے کا اظہار کیا منافقین کے ایک گروہ نے جو بظاہر مسلمان تھے اور بہ باطن منافق۔ اس واقعہ کا چرچا شروع کر دیا۔ اور اس خبر کو خوب نمک مرچیں لگا کر پھیلا دیا۔ دو شخص عبداللہ ابن مستول اور مسطح بن اثاثہ اس الزام کے قائم کرنے میں منافقین کے سرتاج تھے رفتہ رفتہ یہ خبر حضور کے کان میں پہنچی۔ اور آنحضرت نے تمام احباب واصحاب سے اس معاملہ میں مشورہ کیا۔ ام المومنین کی بریت میں ہر متنفس نے شہادت دی اور ہر شخص کی رائے تھی کہ بی بی عائشہ کا دامن الزام سے پاک ہے۔ مگر مسلمانوں کا ایک گروہ یہ کہتا ہے۔ کہ حضرت علیؓ نے اس صفائی میں یہ الفاظ اور کہے کہ اگر آپ اُمّ المومنین کو چھوڑنا چاہیں تو یہ بھی مشکل نہیں۔ جب معاملہ طے ہو چکا اور بات ختم ہو گئی تو حضرت علیؓ کے یہ الفاظ اُمّ المومنین کو ناگوار ہوئے اور دل میں گرہ پڑ گئی۔

معاملہ پر نظر ڈالنے سے پہلے ان چار باتوں کے سوا جو اوپر بیان کی گئیں پانچویں بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں اور اس کو بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ جس وقت حضرت عثمانؓ شہید ہوئے ہیں تو اُمّ المومنین حج کو تشریف

لے گئی تھیں ان کی واپسی کے وقت بنی امیّہ کے کچھ آدمی پہلے ہی سے آگے جا پہنچے اور انھوں نے کہا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت صرف حضرت علیؓ کی وجہ سے ہوئی اور اُن کے قتل کا تمام بار حضرت علیؓ کے ذمہ ہے یہ سنتے ہی حضرت عائشہ بجائے مدینہ آنے کے مکّہ چلی گئیں اور ان کو خیال ہوا کہ حضرت علی کی خلافت مجھ کو مدینہ میں خوش نہ رکھ سکے گی۔

اُم المومنین کے مکّہ چلے جانے پر حضرت طلحہؓ و حضرت زبیر کے دل بھی اکھڑ گئے اور انھوں نے بھی مکّہ چلے جانے کا قصد کیا اور حضرت علیؓ سے اجازت مانگی تو حضرت علیؓ چونکہ حقیقت سے بے خبر تھے اجازت دے دی۔

مروان جس کی بابت خیال تھا کہ شہادتِ خلیفۂ ثالث کے موقعہ پر مر گیا تھا۔ زخم سے جانبر ہوا۔ اور اپنا ایک علیحدہ فریق حضرت علیؓ کے خلاف تیار کیا اور یہ سب کو ام المومنین کے پاس لے کر مکّہ پہنچا جنھوں نے شہادت حضرت عثمانؓ کے حالات اس دردانگیز طور پر بیان کیے کہ اُمّ المومنین کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور ان کو یقین ہو گیا کہ اس شہادت میں حضرت علیؓ کا پلو رہا تھا ہے حقیقتاً ان لوگوں نے اُمّ المومنین کی آڑ میں دل کے جلے پھپھولے پھوڑے اور ان کو لڑائی پر آمادہ کیا۔ چونکہ عرب میں اونٹ کو جمل کہتے ہیں اور بی بی عائشہ اس لڑائی میں جو حضرت علیؓ کے خلاف ہوئی اونٹ پر سوار تھیں۔ اس لئے تاریخ اسلامی اس کو جنگِ جمل لکھتی ہے جس میں چمنستانِ اسلام کے تر و تازہ پھول روندے اور چوٹی کے پھل گاجر مولی کی طرح کاٹے گئے۔ ایسے ایسے بزرگ اور صحابہ جن کے جنتی ہونے کی خبر حضور اکرمؐ نے دی' دونوں طرف سے

اس لڑائی میں کام آئے فیصلہ حضرت علیؓ کے حق میں ہوا۔ اور سولہ سترہ ہزار مسلمانوں کا خون جنگِ جمل پر قربان ہوا۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے مقدّس افراد جن کو صحبتِ رسولؐ میں شریک ہونے کا فخر تھا رخصت ہوئے

جنگ کے بعد حضرت علیؓ اُم المومنینؓ کے سامنے آئے تو فرمایا "خدا تمہارے ہمارے گناہوں کو معاف کرے" اس کے جواب میں ام المومنین نے بھی یہی فرمایا اور حضرت علیؓ نے ام المومنینؓ کو عورتوں مگے ایک رسالہ کے ساتھ جو مردانہ لباس پہنے ہوئے تھا۔ مدینہ روانہ کردیا۔

جنگِ جمل کے متعلق ہر مسلمان کو واقعات پڑھنے کے بعد رائے قائم کا حق حاصل ہے لیکن ہم کو اس سلسلہ میں سب سے پہلے ایک بات لکھنی ہے اور وہ یہ کہ جس وقت اُم المومنینؓ مع اپنے لشکر کے تشریف لے جارہی تھیں تو ایک گاؤں کے قریب کتّوں نے بھونکنا شروع کیا۔ اس وقت آپ نے پوچھا کہ اس گاؤں کا کیا نام ہے لوگوں نے کہا حوّاب ام المومنین نے فرمایا۔

"ٹھہر جاؤ مجھے رسول کی ایک حدیث یاد آگئی کہ میری بیویوں میں سے ایک پر حوّاب کے کتّے بھونکیں گے اور وہ غلطی پر ہوگی۔"

سر برآوردگان لشکر نے کہا یہ حوّاب نہیں ہے اور اپنے جواب میں بعض آدمیوں کی شہادت بھی پیش کی مگر آپ نے ایک نہ سُنی اور کہا مجھے لڑائی سے واسطہ کیا ہے مجھے گھر جانے دو۔ مگر ایک نہ چلی اور طبلِ جنگ بجنے لگا۔

اس سلسلے میں ایک اور خیال ہے جس کا بیان کرنا ضروری ہے اور وہ اس طرح کہ جب علیؓ کی کوشش لڑائی کو نہ روک سکی اور انھوں نے دیکھا

فریقین میں سچے اور پکے مسلمان بھی ہیں اور یہ جنگ اسلام کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا دے گی۔ تو ام المومنین کی خدمت میں ایک پیام بھیجا جس کا مطلب یہ تھا کہ آپ مفسدوں کے پھندے میں پھنس گئی ہیں۔ میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ شہادت عثمانؓ سے میرا کوئی تعلق نہیں مگر یہ پیام اُن تک نہ پہنچ سکا اور پیامبر ناکام واپس ہوا۔ اب حضرت علیؓ عجیب پریشانی میں تھے اور اچھی طرح سمجھ رہے تھے۔ کہ اگر مجھے فتح بھی ہوئی تو نہایت قیمتی ہوگی اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابیوں کا خون صرف غلط فہمی کی تلوار سے بہے گا۔ مگر حضرت علیؓ کو اب مقابلے کے سوا چارہ نہ تھا۔

۳۶ھ ہجری میں جب لڑائی شروع ہوئی اور بہت سے مسلمان شہید ہو گئے اور لڑائی ختم نہ ہوئی تو ام المومنینؓ نے بآوازِ بلند کہا میں صرف عثمانؓ کے خون کا بدلہ چاہتی ہوں میرا مقصد مسلمانوں کے خون سے پورا نہیں ہوتا" مگر اب ام المومنین کی سنتا کون تھا۔

لڑائی زور شور سے ہوئی اور دوسرے دن سینکڑوں مسلمان دونوں طرف کے شہید ہوئے اور حضور اکرمؐ کے اس ارشاد کا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت پر مسلمانوں کا خون بہے گا" ایک ایک حرف پورا ہوا۔

حضرت علیؓ کو سب سے زیادہ تعجب حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ پر تھا۔ کہ ایسے ذی مرتبت لوگ جو برسوں صحبتِ رسول میں رہے کس طرح خلاف ہو گئے اور جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ انھوں نے دل سے بیعت نہ کی تھی بلکہ مصلحتاً یا خوف زدہ ہو کر، تو اور بھی متحیر ہوئے ام المومنین نے فریقین کی یہ کیفیت دیکھ کر جب

واپسی کا قصد کیا تو بصرہ کا حاکم عثمانؓ بن حنیف بہت برہم ہوا اور کہا کہ جب تک طلحہؓ اور زبیرؓ میدانِ جنگ سے نہ ہٹیں گے، آپ نہیں ہٹ سکتیں پہلے ان کی بیعت کا فیصلہ کیجیے کہ کیوں کی؟ چنانچہ جب ان سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ مالک اشتر یہ کے خوف سے ہم نے بیعت کی تھی کہ وہ حضرت علیؓ کا طرف دار تھا۔ امّ المومنینؓ اس جواب سے مطمئن نہ ہوئیں اور ایک اور شخص قاصد کی حیثیت سے بھیجا گیا کہ وہ معلوم کرے کہ ان دونوں نے بیعت کس طرح کی اور کیوں برگشتہ ہوتے ہیں اس قاصد کے سامنے ان دونوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ مگر دوسرے لوگوں نے کہا بیعت مجبوری تھی۔ اس پر مسجد میں لڑائی شروع ہوئی اور اس وقت بھی کچھ مسلمان ضائع ہوئے۔ ان میں بھی نہایت بزرگ صحابہ تھے عثمانؓ بن حنیف حاکم بصرہ کا دستہ قتل ہوا۔ اور وہ خود گرفتار ہو کر آیا تو سب کا فیصلہ یہی ہوا کہ اس کو قتل کر دو۔ اس موقع پر اُمّ المومنین نے روکا کہا بڈھے آدمی کو قتل کرنے سے کیا فائدہ عثمانؓ چھوڑ دیا گیا مگر اس کی تمام ڈاڑھی نوچ لی گئی۔

عثمان بن حنیف باوجودیکہ ایک طرح سے حضرت علیؓ کا باغی تھا جب وقت اُمّ المومنین نے قصدِ جنگ کیا ہے تو اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میں آپ کے ساتھ ہوں مگر جب حضرت علیؓ کو اس کی یہ توہین اچھی نہ معلوم ہوئی اور جب یہ دیکھا کہ لڑائی ٹلنے والی نہیں تو اُنھوں نے بھی احکامِ جنگ جاری کر دیئے۔

اس موقع پر ابوموسیٰ اشعری عاملِ کوفہ نے جنگ کی تیاری سے انکار کر دیا اور لکھ بھیجا کہ حضرت عثمانؓ کا انتقام جس کے واسطے اُمّ المومنین

آمادہ ہوئیں نہایت ضروری ہے۔ ہرچند کوشش کی کہ ابو موسیٰ اپنے خیال سے باز آئیں مگر کامیابی نہ ہوئی آخر عمار بن یاسر اور مالک بن اشتر روانہ ہوئے کہ وہ راہِ راست پر لائیں مگر ان کی بھی کچھ نہ چلی اور ابو موسیٰ نے ان دونوں کی تجویز کو بھی نامنظور کر دیا مجبوراً مالک نے سختی سے کام لیا۔ اور تھوڑی جمعیت ساتھ لیکر مکان پر قبضہ کر لیا۔ اور کہا تیری ملکیت کوئی شے نہیں ہے ہر چیز خلیفہ کی ہے اور جب تو منحرف ہوا تو تیرے حقوق زائل ہو گئے۔ ابو موسیٰ کے زیر ہوتے ہی کوفہ والے حمایتوں کا شور ختم ہوا۔ طلحہؓ اور زبیرؓ اور ان کے ہمراہی میدان میں آئے۔ ادھر سے حضرت علیؓ کی فوج بھی مقابلہ کو نکلی اور گھمسان کا رن پڑا۔

جب لڑائی شروع ہونے کا وقت آیا تو حضرت علیؓ نے پہلا حکم یہ دیا کہ وہ گروہ جس نے حضرت عثمانؓ کے خون میں کسی طرح بھی کوئی حصہ لیا۔ میدانِ جنگ سے ہٹ جائے تاکہ مسلمانوں کو بدگمانی کا موقع نہ ملے اور فریق مخالف کا یہ دعویٰ کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں میرا ہاتھ تھا اور یہ لڑائی اس خون کا بدلہ ہے۔ صحیح نہ ہو جائے حضرت علیؓ عثمانؓ کے قاتل اور قتل کے حمایتی یہ سن کر دنگ رہ گئے۔ اور گو ان کو الگ ہونا پڑا مگر یہ بڑی مصیبت اور جنجال میں پھنسے کہ نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے مگر اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ لڑائی کو اور تیز کریں اور دور بیٹھے اس آگ کو دھونکتے رہیں۔ بڑی خرابی یہ پڑی کہ مالک بن اشتر جو حضرت علیؓ کی حمایت میں اب تک سرگروہ تھا۔ اس فیصلہ کے موافق علیحدہ ہو رہا تھا۔ حضرت علیؓ نے اس کی خدمات صداقت کے مقابلہ

میں ہیچ سمجھیں اور اس کو بھی الگ کر دیا۔ وہ سخت پریشان ہوئے اور علیحدہ ہو کر نتیجہ کا انتظار کرنے لگے۔ دور دُور تک گفتگو ہوئی مگر جب بے سُود رہی تو حضرت علیؓ نے میدانِ جنگ میں آ کر کہا کہ طلحہؓ اور زبیرؓ میری بات سُن لیں" دونوں باہر آئے اور کہا فرمائیے حضرت علیؓ نے کہا "مسلمانوں کے خون کی قیمت جس قدر میں جانتا ہوں اتنی ہی تم بھی جانتے ہو۔ اس لڑائی کے اسباب سے ہم سب اچھی طرح باخبر ہیں میں قسم کھاتا ہوں کہ شہادتِ عثمانؓ میں میں قطعاً بے گناہ ہوں ہم آپس میں ایک ہیں۔ ایک خدا۔ ایک رسول کے پرستار ہیں تے امن انسانیت میں نشو ونما پائی ہے ایک ہی شجر کے خوشہ چین ہیں" اس کے جواب میں طلحہؓ بولے "تم نے عثمانؓ کی شہادت میں مفسدوں کی اعانت کی" حضرت علیؓ نے کہا اگر یہ بات ہے تو اتنے مسلمانوں کا خون گرانے سے کیا حاصل۔ میں اور تم دونوں ہاتھ میں ہاتھ لیکر خدا سے دُعا کریں کہ سچے پر رحمت اور جھوٹے پر لعنت۔ اس کے بعد دیکھ لیں کہ کون سچا ہے" حضرت علیؓ کے اس ارشاد کا جب کوئی جواب نہ ملا تو انھوں نے حضرت زبیرؓ سے خطاب کیا کہ "زبیرؓ تم کو یاد ہونا چاہیئے اور نہیں تو میں تم کو یاد دلاتا ہوں کہ ایک موقعہ پر ہم چھ آدمی بیٹھے ہوئے تھے کہ تم معہ حضورؐ کے اُدھر سے نکلے۔ میں سرورِ کائنات کا چہرہ اقدس دیکھ کر مسکرایا تو حضورؐ بھی ہنسے اور تم نے کچھ کہا۔ جس کے جواب میں رسالت مآب نے فرمایا۔

"زبیرؓ ڈر اس روز سے تو اور تیری فوج علیؓ پر حملہ آور ہوگی اور تو ظالموں میں سے ہوگا۔"

حضرت زبیرؓ یہ سُن کر بے اختیار ہو گئے اور کہا۔ "ہاں مجھے یاد آ گیا۔

اور اگر پہلے سے یاد ہوتا تو قسم ہے خدا کی ایسا نہ کرتا" اس وقت حضرت زبیرؓ پر ایک خاص کیفیت طاری تھی اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اُنھوں نے باآواز بلند کہا "اب میری مجال نہیں کہ تمہارے سامنے تلوار اٹھاؤں۔ شہادت عثمانؓ کا فیصلہ خدا بہتر کرے گا" یہ کہہ کر وہ سیدھے ام المومنینؓ کے پاس گئے اور کہا، وہ تلوار جو سخت سے سخت دشمن کے سامنے نہ جھکی آج حدیث رسولؐ کو بوسہ دیتی ہوئی علیؓ کے سامنے میان میں ہوتی ہے۔ اُمّ المومنین اب میری ہمت نہیں کہ مقابلہ کروں، اب آپ جانئے اور آپ کا کام" اتنا کہہ کر زبیرؓ چلے گئے ان کے لڑکے عبداللہؓ نے ہر چند سمجھایا اور حضرت طلحہؓ نے بھی کہا۔ مگر وہ لڑائی پر آمادہ نہ ہوئے۔

صلح کی بات چیت ہو رہی تھی اور ممکن تھا خوشگوار نتیجہ نکل آتا مگر وہ لوگ جن کو حضرت علیؓ نے شہادت حضرت عثمانؓ کے سلسلہ میں علیحدہ کر دیا تھا۔ سمجھے کہ صلح کا نتیجہ ہمارا قتل ہوگا جس میں شبہ کی گنجائش نہیں چنانچہ اُنھوں نے خاموشی کے ساتھ ام المومنین کی فوج پر حملہ کر دیا وہ سمجھے کہ حملہ حضرت علیؓ کی فوج نے کیا ہے اُنھوں نے جوابی حملہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی مفسدوں نے ادھر تو حضرت علیؓ سے کہا کہ "دیکھئے اُمّ المومنین نے بدعہدی کی" اُدھر اُمّ المومنین کو بھڑکایا کہ صلح حضرت علیؓ کا بہانہ تھا بے خبری میں حملہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فریقین نے تلواریں نکال لیں اور قتل عام ہونے لگا۔

حضرت علیؓ کی طرف سے صلح کی ایک اور کوشش ہوئی اور وہ یہ کہ اُنھوں نے مسلم بن عبداللہ کی وساطت سے میدانِ جنگ میں کلام اللہ بلند کیا۔

اور مسلمانوں سے درخواست کی کہ اس کتاب کا واسطہ معاملہ کو سمجھو اور جنگ وجدل بند کرو مگر طلحہؓ اس کو بھی مکر سمجھے اور مسلمؓ کے ہاتھ پر تلوار ماری موسیٰ نے جلدی کلام اللہ اٹھا لیا مگر وہ بھی طلحہؓ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

اسی قسم کی کوشش اُم المومنین نے بھی کی اور کعبؓ سے کہا: قرآن اُٹھا کر باآواز بلند اعلان کردو کہ ام المومنین اس کتاب کا واسطہ دے کر کہتی ہیں کہ لڑائی بند کرو۔ مالک بن اشتر یہ دیکھ کر پریشان ہوا۔ اور فوراً ایک ایسی تلوار ماری کہ کعبؓ کی گردن الگ جا پڑی۔

لڑائی کا انجام جو ہونا تھا وہ ہوا سینکڑوں جلیل القدر صحابہؓ کی شہادت کے بعد وہ ساعت آن پہنچی کہ حضرت طلحہؓ زخمی ہوئے۔ اور بصرہ بھاگے، ان کے جاتے ہی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ زبیرؓ بھی بھاگے مگر ایک شخص عمرو نے ان کو راستہ میں قتل کیا لیکن جب وہ ہشاش بشاش حضرت زبیرؓ کا سر حضرت علیؓ کے سامنے لایا تو ان کو بہت رنج ہوا اور عمروؓ کے واسطے دوزخ کی بد دعا کی۔

جنگِ صفّین

جس طرح مسئلہ تقدیر وتدبیر میں ایک مسلمان کی زبان ساکت ہے۔ اسی طرح جنگِ جمل وجنگِ صفّین دونوں معرکوں میں کم از کم ہماری ہمت نہیں کہ ایک لفظ بھی زبان سے نکال سکیں اور کسی کو ملزم قرار دیں۔ مگر اتنا ضرور کہنا پڑے گا کہ یہ لڑائیاں، یہ اختلاف یہ غلط فہمی، یہ ہٹ دھرمی، بیج تھے اُس نفاق وشقاق کے جس کا ثمرہ آج مسلمانوں کو مل رہا ہے، اُس وقت ملا

اور جب تک اسلام دنیا میں زندہ ہے ملتا رہے گا قتل و خون اس وقت ہوگئے۔ اس کے بعد ہوئے ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ شیعہ، سنی، اموی، ہاشمی یہ وہ شاخیں ہیں جو اپنے اپنے عقائد پر پختہ ہیں اور حق و ناحق کے فیصلہ پر پہنچ کر ایک رائے پر قائم ہیں اور جس طرح ان لڑائیوں کے وقت مسلمان ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اسی طرح آج بھی یہ عداوت موجود ہے۔ اور شجر اسلام جس کو اسی وقت دیمک لگنی شروع ہوئی آج ایسا کھوکھلا ہو گیا ہے کہ اب اس کی بقا کا خدا ہی حافظ ہے۔

اس کتاب کے پڑھنے والوں کو وہ وقت یاد ہوگا جب حضرت عثمانؓ کی خلافت کے موقع پر بعض مسلمانوں کی رائے میں خلافت حضرت علی کا جائز حق تھا اور اس سلسلہ میں امیر معاویہ نے جو تدبیر کی وہ بھی یاد ہوگی۔ اب ادھر تو جنگ جمل ختم ہوئی ادھر امیر معاویہ کو فکر ہوا کہ شیر خدا کی خلافت اب بے خوف و خطر احکام نافذ کرے گی، اور سب سے پہلے میرا ہی خاتمہ ہوگا۔ اس فکر کا تدارک لازمی تھا اور سوا اس کے نہ ہو سکتا تھا کہ خلافت ہی کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ سنہ ۳۷ ہجری میں ایک جری لشکر حضرت علیؓ کے مقابلہ کو تیار کیا اور تہیہ کر لیا کہ اب خلافت علیؓ کی ہوگی یا میری۔

اس لڑائی میں جو نام مسلمانوں کے سامنے آتے ہیں، اُن سے اس کتاب کے پڑھنے والے پہلے سے آشنا ہیں عمرو بن عاص اور اس کا غلام قنبر شریح بن ھانی مالک بن اشتر۔ ابوالاعور سلمی۔

مالک بن اشتر کو حضرت علیؓ نے جنگ جمل کے موقع پر اس لئے علیحدہ

کر دیا تھا کہ ان کی اعانت حضرت عثمانؓ کے خون کا ثبوت نہ ہو۔ مگر جب یہ لڑائی ٹھن گئی اور مالک نے اپنی خدمات پیش کیں تو حضرت علیؓ نے قبول کیں، خاندانی عداوت نقشہ ایک مرتبہ پھر سمجھ لینا چاہیئے تاکہ رائے قائم کرنے میں دقت نہ ہو اور معلوم ہو جائے کہ یہ خاندانی عداوت کس طرح ترقی کر رہی تھی۔

عبد مناف

ہاشم	امیہ
عبدالمطلب	حرب
ابوطالب	ابوسفیان
علی مرتضیٰؓ	معاویہ
امام حسن امام حسینؓ	یزید

اُموی اور ہاشمی دونوں کی عادت خصائل میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ ہاشمی اپنے سامنے خدا اور تقدیر کو رکھتے تھے اور اُموی طاقت اور تدبیر کو، وہ سیاست کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور کسی جگہ بند نہ تھے برخلاف اس کے ہاشمی اس رنگ سے نا آشنا اور وقتی ضرورت سے بے خبر۔ میدان کربلا اسی ابتدا کی انتہا تھی اور شہادت حسینؓ اسی مبتدا کی خبر۔

عمرو کا غلام قنبر تیس ہزار کی جمعیت سے حضرت علیؓ کے مقابلہ کو آگے بڑھا اس کے پیچھے خود عمرو بن عاص اپنی کمک کے ساتھ تھا۔ ابھی یہ لوگ دریائے فرات سے پار نہ ہوئے تھے کہ شریح بن ھانی بارہ ہزار فوج لیکر پار اُتر آیا۔ اس کی مدد کو مالک بن اشتر پانچ ہزار جمعیت سے آئے اور اس طرح یہ لشکر شام کی سرحد میں داخل ہو گیا۔ حضرت علیؓ کے لشکر کا داخلہ امیر معاویہؓ اور اُن کے معاونین کے واسطے قیامت تھا۔ سب بھاگے اب امیر معاویہؓ نے اپنے تمام لشکر کو جمع کیا اور ایک تقریر کی کہ "مقابلہ آج تک چھوٹے لوگوں

سے ہوتا رہا۔ مگر اس وقت اس شخص کا مقابلہ ہے جس کا لوہا تمام عرب مانے ہوئے ہے شجاعت دکھانے کا یہ وقت ہے کہ اگر آج اسلام کی لاج رکھنی ہے اور بے گناہ عثمانؓ کے خون کا قصاص لینا ہے تو جانوں پر کھیل جاؤ اور علیؓ کو دکھا دو کہ مسلمان اس طرح اپنے عزیزوں پر قربان ہوتے ہیں" معاویہؓ کی تقریر سے لوگوں کے دل بڑھ گئے ابوالاعور سلمیؓ سپہ سالار مقرر ہوئے اور پھر لشکر آگے بڑھا۔ مالک بن اشتر نے ابوالاعور کو دیکھا تو ہنس کر کہا کہ "غریب بے گناہ مسلمانوں کے قتل سے کیا فائدہ کچھ دم ہے تو خود سامنے آؤ مجھ سے دو دو ہاتھ کرو۔ تاکہ ہم ہی دونوں پر لڑائی کا فیصلہ ہو جائے" مالکؓ کی اس گرج سے میدان گونج اٹھا مگر ابوالاعور بجائے مقابل ہونے کے خاموشی کے ساتھ ہٹا۔ اور کھلے الفاظ میں اپنی جماعت سے کہدیا کہ علیؓ پر فتح طاقت کا کام نہیں، تدبیر کا کام ہے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے اور کوشش کی کہ لڑائی نہ ہو مگر معاویہؓ کے دل میں جو بخار تھا وہ نہ نکلا اور ذی الحجہ کا چاند نمودار ہوا۔ یکم ذی الحجہ سے لڑائی شروع ہوئی تمام مہینہ اسی میں گذرا اور چھوٹے موٹے حملے ہوتے رہے جب محرم شروع ہوا۔ تو فریقین خاموش ہو گئے چونکہ اس مہینہ کی ہر شخص عزت کرتا تھا۔ اس لئے کوئی لڑائی نہ ہوئی جب محرم ختم ہو چکا تو حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کو یہ پیغام بھیجا۔

"یہ فیصلہ کہ غریب مسلمانوں کے قتل کی ذمہ داری کس پر ہے اور اس کا خون کس کی گردن پر ہوگا خدا ہی بہتر کرے گا۔ وہی خوب جانتا ہے کہ حق پر کون ہے۔ اور ناحق پر کون، میں ہرگز اس کے واسطے تیار نہیں ہوں کہ جنگ جمل کی طرح

مسلمانوں کی دوبارہ خونریزی ہو۔ تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ جنگ جمل پر مسلمانوں نے اپنے کلیجے کے ٹکڑے قربان کر دیئے اور یہ وہ نقصان ہے۔ جس کی تلافی اب کیا کبھی بھی نہ ہوگی، بہتر ہوگا۔ کہ لڑائی ختم کرو اور اپنی حرکات سے باز آؤ۔ اس وقت تک فریقین کا نقصان کچھ کم نہیں ہوا ہے۔"

یہ پیام تین سفیر لے کر گئے تھے۔ انھوں نے پیام پہنچانے کے علاوہ خود بھی انتہائی کوشش کی کہ نوبت لڑائی کی نہ آئے مگر امیر معاویہؓ نے اس پیام کے جواب میں کہلا بھیجا۔

"ہمیں جس طرح بھی ممکن ہو تم سے خون عثمانؓ کا بدلہ لینا ہے اور اس کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ وہی مفسد باغی جنہوں نے بے گناہ عثمانؓ کو قتل کیا آج تمہارے مددگار ہیں اور ان باتوں سے کچھ فائدہ نہیں ہم جب تک تم سے بدلہ نہ لیں اطمینان سے نہیں بیٹھ سکتے۔"

خلیفہ ثالث کی شہادت میں حضرت علیؓ کس حد تک شامل تھے یہ گذشتہ واقعات سے ثابت ہو گیا ہے، ایک بات یہاں اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت حضرت عثمانؓ کی خلافت کا مسئلہ در پیش تھا اور حضرت عبدالرحمن بن عوف نے رایوں کا نچوڑ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے حق میں دیکھ کر یہ طے کیا کہ خلیفہ ان دونوں میں سے ایک ہوگا۔ اس وقت جن لوگوں نے حضرت ابن عوف سے مشورہ کیا، ان میں سربرآوردہ معاویہؓ کے باپ ابوسفیان اور عمرو بن عاص تھے۔ ابوسفیانؓ کی ترغیب پر عمرو بن عاص نے حضرت علیؓ سے جو گفتگو کی اور حلف کے وقت جو الفاظ کہلوائے وہ اوپر

بیان ہو چکے ہیں اور ہر مسلمان کو رائے قائم کرنے میں مدد دیں گے۔ شبدیز قلم بیچپر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ کفر کے فتنوں کو پامال کردے اور تعصب کا پردہ اٹھا کر ان برگزیدہ حضرات کی مقدس صورتیں حقیقت کے آئینہ میں دیکھے مگر احادیث نبوی کا تازیانہ حقیقی ہو یا مصنوعی[۱] ایک قدم بھی کنے نہیں دیتا۔

امیر معاویہؓ کے جواب نے حضرت علیؓ کی وہ تمام امیدیں جو صلح کے متعلق قائم ہوئی تھیں خاک میں ملا دیں۔ وہ نقشۂ جنگ پر غور کر رہے تھے کہ دشمن کا ایلچی آیا اور کہا کہ "بہتر یہ ہوگا کہ آپ ایک جلسۂ عام میں یہ تجویز پیش کیجئے کہ خلافت معاویہؓ کا جائز حق ہے یا علیؓ کا۔

حضرت علیؓ نے سختی سے جواب دیا کہ معاویہؓ کا خلافت سے کیا واسطہ اس باپ کا بیٹا ہے کہ جس کے مزاج میں منافقت تھی اس ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا جس نے اُحد کی لڑائی میں امیر حمزہؓ کا کلیجہ چبایا۔ ایسے شخص کو خلافت سے کیا تعلق" سفیر نے بجنسہٖ یہ الفاظ جا کر کہہ دیئے جس نے معاویہؓ کو بھڑکا دیا۔ محرم کا مہینہ ختم ہو چکا تھا یکم صفر سے پھر لڑائی شروع ہوئی ذی الحجہ کے معرکے مختصر تھے، مگر اب جنگِ عظیم تھی اور دونوں طرف کے لشکر اپنا حوصلہ نکالنے پر آمادہ تھے جی کھول کر لڑے اور ہزارہا مسلمان اس معرکہ میں کام آئے آخر وہی تدبیر جو جنگ جمل میں کی گئی تھی یہاں بھی ہوئی کہ قرآن نیزوں پر بلند ہوا لڑائی ختم ہوئی مگر اس وقت جب دونوں کے چالیس بیالیس ہزار آدمی ختم ہو چکے عبید اللہ بن عمر اور عمار بن یاسر وغیرہ بھی اسی میدان

[۱] وہ حدیثیں جن کے راوی معتبر نہیں ۱۲

میں کام آئے لڑائی کا انجام یہ ہوا کہ جب حضرت علیؓ کی فوج کو غلبہ ہوا تو شامیوں نے صلح کی درخواست کی اور آخر یہ رائے ہوئی کہ ثالث فیصلہ کریں چنانچہ عمرو بن العاصؓ امیر معاویہؓ کی طرف سے اور ابو موسیٰ اشعری حضرت علیؓ کی طرف سے ثالث مقرر ہوئے قریباً آٹھ مہینے تک دونوں ثالث بحث کرتے رہے۔ آخر دومۃ الجندل میں فریقین کے پانچ پانچ سو آدمی اور دونوں ثالث جمع ہوئے۔

رونے کا وقت آگے آئے گا یہ ہنسنے کا وقت ہے کہ شامی ثالث عمرو بن عاص اور کوفی ثالث ابو موسیٰ اشعری کا متفقہ فیصلہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ دونوں معزول ہوں اور کوئی اور شخص خلیفہ مقرر کیا جائے۔ جب اعلان کا وقت آیا تو ابو موسیٰ اشعری نے عمرو بن عاص سے کہا کہ "آپ تجویز کا اعلان کر دیجئے" عمرو بن عاص نے کہا "بھلا آپ کے سامنے میں سبقت کروں" ابو موسیٰ اس جال میں پھنس گئے اور ممبر پر کھڑے ہو کر کہا کہ "میں علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کرتا ہوں۔ اب تیسرے شخص کا انتخاب کرو" جب وہ یہ کہہ کر اتر آئے تو عمرو کھڑا ہوا اور کہا کہ میں بھی حضرت علیؓ کو معزول کرتا ہوں اور ان کی جگہ امیر معاویہ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں" ابو موسیٰ بہت بگڑے اور کہا "کیوں عمرو میرا تیرا یہ فیصلہ تھا" اس پر کچھ دیر تھوڑی سی ہاتھا پائی ہوئی اور دو آدمی مر چکے تو معاملہ رفع دفع ہوا۔ حضرت علیؓ کوفہ چلے گئے اور امیر معاویہؓ شام۔

قانونِ قدرت کے تحت میں جنگ صفین ہزاروں بچوں کو یتیم اور سہاگنوں

کو اجاڑتی ہوئی اس طرح ختم ہوئی کہ اس کے واقعات زبان پر اور اثرات دلوں میں باقی رہ گئے۔ میدان کارزار فنا ہو چکا اس کی یاد آج تک مسلم دلوں میں موجود ہے۔ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ دونوں اس دنیا سے رخصت ہو گئے مگر ان کے کارنامے ابھی زندہ ہیں۔ صبح ہو چکی مگر داستان شب ابھی خون کے آنسو رلوا رہی ہے، وقت گذر گیا لیکن بات باقی ہے اور جس خلافت پر یہ کچھ خون خرابے ہوئے جلیل القدر مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہا اور پرستاران توحید پروانوں کی طرح قربان ہوئے اب پردۂ دنیا پر اس کا وجود بھی نہ رہا۔ جمل و صفین دونوں لڑائیاں رٹ چکیں مگر حقیقتاً اس وقت بھی اس سے زیادہ معرکے موجود ہیں اور جس آگ کے شعلوں نے کوفہ اور شام پھونکا تھا وہ اس وقت تمام دنیا کو خاک سیاہ کر رہی ہے خلیفہ چہارم اور امیر معاویہؓ کو موت نے ابدی نیند سلا دیا۔ مگر سنی شیعہ ابھی تک زندہ ہیں اور نتائج جنگ بھگت رہے ہیں۔

حضرت علیؓ کی شہادت

چاہیئے کہ جنگ صفین کے بعد افق اسلام پرسکون ہو جاتا تو یہ جو بادل گھر چکا تھا اور جو گھٹا چھا چکی تھی اس کے بعد بھی لگاتار برسی، موسلادھار برسی اور ایسی برسی کہ جب تک قصر اسلام کی بنیادیں نہ ہلا دیں مطلع صاف نہ ہوا۔

ایک اور دقت یہ آئی کہ مسلمانوں کا ایک نیا گروہ پیدا ہوا۔ یہ وہ لوگ تھے جو حضرت علیؓ سے مطالبہ کر رہے تھے کہ امیر معاویہؓ پر چڑھائی کیجیے اور

اس کی بغاوت کو فرو کرکے شام پر حکومت کیجئے۔ چونکہ یہ تجویز عہدنامہ کے خلاف تھی اس لئے حضرت علیؓ منظور نہ کرسکے اور یہ گروہ امیر معاویہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کا بھی دشمن ہوگیا۔ ان میں ایک شخص عبدالرحمٰن ابن ملجم نے قصد کیا کہ حضرت علیؓ کو شہید کرے وہ اپنے ہی عقیدے اور گروہ کی لڑکی سے جس کا نام قطام تھا نکاح کا خواستگار تھا۔ اسی گروہ کے دو اور شخص وردان و شبیب بھی شب و روز اسی خیال میں مستغرق تھے ابن ملجم کی زیادہ خواہش و اصرار پر قطام نے شرطِ نکاح حضرت علیؓ کا سر قرار دیدی عبدالرحمٰن اس پر رضامند اور وردان و شبیب اس کی مدد پر آمادہ۔

اس طرح حضرت علیؓ کے واسطے یہ تین آدمی تیار ہوئے مبارک بن عبداللہ امیر معاویہؓ کے واسطے اور عمرو بن ابوبکر۔ عمرو بن العاص کے واسطے۔ یہ قرار پائی کہ ایک ہی روز ایک ہی وقت تینوں وار کئے جائیں، چنانچہ مبارک بن عبداللہ معاویہؓ کے واسطے دمشق گیا۔ اور عمرو بن ابی بکر تمیمی عمرو بن العاصؓ کے واسطے مصر پہنچا۔

سترہ رمضان المبارک مقرر ہوئی تھی امیر معاویہؓ کے سر پر ہاتھ بھرپور نہ پڑا مگر زخم ایسا کاری تھا کہ جانبر تو ہوگئے لیکن مردے سے بدتر زندہ رہے۔ مصر میں اتفاق سے عمرو بن عاصؓ کی بجائے نماز خارجہ نے پڑھائی قاتل اسی کو عمرو بن عاصؓ سمجھا اور قتل کردیا۔

حضرت علیؓ مسجد میں داخل ہوئے تو رمضان المبارک کی وجہ سے نمازیوں کی غیر معمولی کثرت تھی آگے بڑھ رہے تھے کہ شبیب نے حملہ کیا

وار خالی گیا۔ اور وہ بھاگا ابھی جماعت یہی نہ سمجھ سکی تھی کہ کیا ہوا۔ اتنے میں ابن ملجم نے آگے بڑھ کر وار کیا یہ کارگر ہوا۔ اور تلوار نصف سے زیادہ اتر گئی ابن ملجم پکڑا گیا۔ مگر زخم قاتل ثابت ہوا اور اس طرح مسلمانوں کی چوتھی خلافت کا خاتمہ ہوا۔

رمضان ۴۰ھ کی اٹھارھویں شب پردہ دنیا پر چھائی ہوئی ہے' ماہتاب نے اپنی چادر بساط ارضی پر بچھا دی' کائنات خاموش ہو رہی اور ہوا خراماں خراماں فلسفہ حیات کے مطالعہ میں مصروف ہے' تارے چشم تحیر سے چمنستان اسلام کے اس پھول کو جس نے ارض حجاز کو مہکا دیا تھا۔ اس وقت خون میں شرابور دیکھ رہے ہیں۔ کوفہ بصرہ کی سرزمین مکہ اور مدینہ کے در و دیوار عراق و شام کے شجر و حجر رو رو کر اس کی وداع کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں۔ یہ ابو طالب کے گھر کا وہ چراغ ہے جس کے علم و فضل نے ایک دنیا کو منور کیا اور جس کی روشنی اب بھی اسلام کو جگمگا رہی ہے'۔ اس کے خون کا ہر قطرہ باواز بلند اس واقعہ کو دہرا رہا ہے۔ جب بے یار و مددگار رسول عربی کی صدا اعانت کی طلبگار مکہ کی زمین پر گونجی ایک دس سالہ بچے نے قربان ہونے کا وعدہ کیا آج جبکہ عرب کا رسولؐ اس دنیا میں نہیں وہی لڑکا اس کے نام اور اس کے کام پر قربان ہو کر اپنے وعدہ کی تکمیل کر رہا ہے۔ گذری ہوئی راتوں کی وہ رات جس نے ایک طرف غار ثور پر مہر رفاقت ثبت کی اور دوسری طرف بستر رسالت پر قربانی کا کلمہ پڑھا آج پھر نمودار ہوئی اور ان قدموں کو بوسہ دیا۔ جن سے حسنینؓ اپنی آنکھیں مل رہے تھے۔ مخلوق فلکی اپنے فرض سے

سبکدوش ہوئی اور چمکدار تارے رات کا جنازہ صبح صادق کی روشنی میں دفن کرکے آگے بڑھے قندیل ماہتاب کہرام مچاتی ہوئی خاموش ہوئی اور فضائے آسمانی کا تمام قافلہ شیرِ خدا سے پابوس ہونے کو حاضر ہوا۔ آفتاب علیؑ کے بچوں کے واسطے پیام یتیمی لے کر طلوع ہوا تو زینبؑ نے حسرت آمیز نظروں سے باپ کے چہرہ کو دیکھا اور خاموش صورت اور بند آنکھیں کلیجہ کے پار ہو گئیں۔ بیتابانہ لپٹیں تو حضرت علیؑ کی آنکھ کھلی اور فرمایا۔

"تیرے باپ کا قتل اس قیامت خیز ہنگامے کی ابتدا ہے جو عنقریب برپا ہونے والا ہے۔ مصیبت اللہ کے بندوں کے واسطے پیدا ہوئی۔ اس نے تمہارے گھر میں جنم لیا اور تم ہی پر ختم ہوگی میں خوش ہوں کہ اسلام پر قربان ہوا۔ دولت میرے پاس نہ تھی البتہ زندگی جیسی بیش بہا نعمت اس کی راہ پر لٹا کر اس کے حضور میں جا رہا ہوں، اور شکر ہے کہ تمہارے نانا کے پاس سرخرو جاتا ہوں، میں جانتا ہوں، کہ میرے بعد معاویہ ہو یا نہ ہو اس کی اولاد تیرے بھائیوں کو پریشان کرنے میں کسر نہ چھوڑے گی اور یہ وہ وقت ہوگا کہ دنیا کے کتے خاندانِ رسالت کے خلاف دشمنوں کا ساتھ دیں گے اور ظالم تم کو بے ولی وارث سمجھ کر طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں گے۔ زینبؑ تیری آزمائش کا وہی وقت ہوگا۔ اپنی راحت و آرام کو بھائیوں پر قربان کیجیو۔ اور جس طرح میں شاداں فرحاں سیدہ کے پاس جا رہا ہوں۔ اسی طرح ہنستی ہنساتی ماں کے سینہ سے چمٹیو، ایسا نہ ہو کہ حسنین جیسے بھائیوں کو تنہا چھوڑ دے اور قیامت کے روز نانا اور باپ کے سامنے نگاہ نیچی ہو جائے اگر تیرے نانا کی اُمت اور اسلام کا واسطہ نہ ہوتا تو تیغ حیدری

ان سفاکوں کا قلع قمع چشم زدن میں کرتی مگر زبان کا پاس اور عہد کی پابندی تھی
کہ ان بچوں کو شامیوں اور کوفیوں کے قبضہ میں تنہا چھوڑ رہا ہوں۔ خوب
سمجھتا ہوں کہ حسن ناتجربہ کار اور حسین بچہ ہے اور پالا ایسے لوگوں سے
پڑا ہے جو پورے گھاگ اور افعی ہیں یتیموں کا وارث خدا کے سوا کوئی نہیں تم
سب کو رخصت کرتا ہوں اور رخصت ہوتا ہوں۔"

دوپہر اسی طرح بسر ہوئے اس کے بعد غشی کی حالت طاری تھی کہ مسجد
سے صدائے حق بلند ہوئی۔ اس آواز کے ساتھ بیہوش آنکھ کھل گئی تو فرمایا کہ
جماعت میں فرق نہ آئے حمزہ بن ھبیرہ نماز پڑھائیں، چاند اور سورج دونوں
شاہد ہیں کہ نماز فرض ہونے کے بعد تیسری نماز ہے جو جماعت سے قضا ہوئی۔"
بی بی زینبؓ باپ کی تقریر سن کر بے اختیار ہوگئیں اور فرمایا۔" آپ ہم کو
دنیا میں کس پر چھوڑتے ہیں۔ جب نانا جان تشریف لے گئے تو ہم کو آپ کے اور
اماں جان کے حوالہ کیا تھا۔ اور اماں جان نے ہمارا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دیا تھا، ان
کے بعد دل کو آپ سے تقویت تھی اور سمجھتے تھے باپ بھی آپ ہیں اور ماں بھی،
بابا جان آپ کی شفقت نے اماں کی محبت بھلا دی۔ اور گو زندگی کی تکلیفوں نے
ساتھ نہ چھوڑا مگر کبھی ہماری تیوری پر بل نہ آیا۔ قریش کے بچے اچھے کپڑے پہن کر
باہر نکلے کنبہ اور محلے نے انواع اقسام کی نعمتیں کھائیں مگر ہمارا فاقہ پلاؤ سے اور
چیتھڑے کمخواب سے بہتر رہے رضا ہمارا شیوہ اور صبر و شکر ہماری عادت
تھی چہرہ اقدس کی زیارت ہمارا پیٹ بھر دیتی اور شفقت پدری کی دو باتیں ہر
کلفت سے دور کر دیا کرتی تھیں اب اس دنیا میں ہمارا کون ہے، کوئی اتنا بھی

نظر نہیں آتا کہ سیدھے منہ بات بھی کرے گا" اتنا کہہ کر بی بی زینبؓ نے دونوں ہاتھ باپ کے گلے میں ڈال دیئے اور کہا" بابا ہم غریبوں پر رحم فرمائیے اور ہم بیکسوں کو تنہا نہ چھوڑیئے۔ جس گھر میں چہل پہل تھی کہ خدا کی وحی نازل ہو۔ آپ کے بعد سونا ہوگا۔ اور کوئی اتنا نہ ہوگا کہ سیدہؓ کے لالوں کو آنکھ اٹھا کر دیکھ لے' بابا ہم پہلے بدبخت ہیں۔ ہماری آنکھوں سے ابھی ماں کے آنسو خشک نہیں ہوئے۔ ہمارا دل خون کے آنسو رو رہا ہے ہمارے زخموں پر اپنی جدائی کے نمک نہ چھڑکیے میں اور کلثومؓ حسن اور حسین ان قدموں پر قربان ہوں' اماں کی رحلت کا وقت ہم کو یاد ہے۔ اب وہ سماں دوبارہ نہ دکھائے اور خدا سے دعا کیجیے کہ وہ آپ کا سایہ ہمارے سر پر قایم رکھے۔"

اس وقت شیر خدا کا دل بھر آیا۔ انھوں نے دونوں صاحبزادوں کو پاس بلا کر فرمایا" پیارے بچوں سرور کائناتؐ کا تمہاری ماں سے جدا ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی اولاد کے سر پر ہمیشہ نہ رہے گا۔ ماں کی موت کے وقت تمہارے معصوم دل صدمے کے معنے نہ سمجھتے لیکن آج باپ کی موت تم کو بتائے گی کہ دنیا کی تفسیر کیا ہے اور خدا کا حکم کس کو کہتے ہیں حسن اور حسینؑ تمہارے باپ کی جدائی کا وقت آپہنچا ہے' یہ قدرت کا قانون ہے۔ جو کسی طرح اور کسی حال میں ٹلنے والا نہیں میں اب تم سے رخصت ہوتا ہوں اور وہاں جاتا ہوں جہاں دیر سویر ہر شخص کو جانا ہے یہ رونے کا وقت نہیں ہے! اپنا دل بھاری نہ کرو۔ اور مجھے ہنسی خوشی اپنے گھر سے خدا کے گھر پہنچا دو میں تم سے چھوٹ کر ان لوگوں سے ملوں گا جن کے دیکھنے کو میری آنکھیں ترس رہی ہیں۔

سول اللہ کا دیدار جس کے لئے دل تڑپ رہا ہے مجھے نصیب ہوگا۔ اور
تمہاری اماں جن کو بچھڑے مدت ہوئی مجھ سے ملیں گی میں خوش ہوں کہ
پروردگار کی حضوری جس کے واسطے سیوائی ہے آج میوہ کھلائیگی۔ مجھ کو
ب اگر کوئی دکھ ہے تو تمہاری بہنوں کی مفارقت کا۔ مگر دنیا کا دستور یہی ہے
ور جو وقت میں آج دیکھ رہا ہوں یہ ہر باپ دیکھ چکا اور دیکھے گا' زخم کی
تکلیف لمحہ بہ لمحہ زیادہ ہو رہی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ وقت مقررہ قریب آگیا۔
بچو! میں تمہارے پاس تھوڑی دیر کا مہمان ہوں میری آنکھ بند ہونے کے
بعد تم دونوں جہاں اِن بہنوں کے بھائی ہو' وہاں ان کی ماں اور باپ بھی۔
حسنین یتیم بچیوں کا دل بہت نازک ہوتا ہے۔ جب اُن کی آنکھیں جو ماں کو
رو چکیں باپ کو بھی رو چکیں تو تمہارے سوا ان کو کوئی وارث نظر نہ آئے گا۔
میں خوب جانتا ہوں تم نے اس ماں کا دودھ پیا ہے جس سے زیادہ فرض
شناس عورت کارخانہ حیات میں مشکل سے ہوگی مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ
تم اُس آغوش میں پلے بڑھے ہو جس سے بہتر آغوش اب دُنیا نہیں دیکھ سکتی۔
میں اس سے بھی باخبر ہوں کہ وہ مبارک کندھے جن کے سامنے جبرئیل جھکتے تھے
تمہاری سواری تھے اور اس سے بھی آشنا ہوں کہ تم اس قلب منوّر سے
چمٹ کر جوان ہوئے جس پر خدا کا کلام نازل ہوتا تھا۔ لیکن پھر بھی میں اِس
وقت اپنی بچیوں کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دے کر وصیت کرتا ہوں کہ ان کی
دلداری میں کسر نہ کرنا حسنین! بن ماں باپ کی بچیاں اگر ماں کے فراق میں تڑپتی
ہوئی تمہارے حکم کو نہ سُنیں تو در گذر کرنا۔ اور باپ کی یاد میں بلبلاتی ہوئی

بھول جائیں تو معاف کرنا۔

مجھے جہاں اپنی بچیوں سے امید ہے کہ بھائیوں کے پسینہ پر خون بہا کر ماں کے دودھ کو روشن کریں گی، وہاں تمہاری طرف سے بھی یقین ہے ان پر جان و مال قربان کرو گے کہ ماں باپ کی روح خوش ہو۔

میرے سرہانے آؤ اور باواز بلند یٰسین پڑھو کہ پرواز روح میں دقت نہ ہو میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری ماں کی روح میرے استقبال کو کھڑی ہے، اور مجھے وہ صورت نظر آ رہی ہے جس کو آنکھیں ترس رہی تھیں۔"

بچوں کی حالت بہت خراب تھی۔ وہ لپٹ لپٹ کر اور چمٹ چمٹ کر بابا کے نعرے لگا رہے تھے مگر اب شیر خدا دنیا اور اس کے دھندوں سے بے خبر تھے، دماغ بھی صحیح تھا۔ اور زبان بھی کام کر رہی تھی لیکن کلام الٰہی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ دن کا باقی حصہ اور رات اس حالت میں بسر ہوئی۔

انیسویں رمضان کا آفتاب دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے ابر غلیظ میں نمودار ہوا مسلمانوں کا جم غفیر در مرتضیٰ پر ڈاڑھیں مار رہا تھا۔ مگر شیر خدا کی زبان سے کلام الٰہی کے سوا اب کچھ نہ نکلا۔ یہاں تک کہ روح نے جسد خاکی کو الوداع کہا۔ بچوں کی حالت کیا تھی یہ بیان کرنا مشکل ہے۔ باپ کی رحلت نے ماں کی موت تازہ کر دی، ایک دوسرے کا منہ تکتے تھے اور روتے تھے۔ بھائیوں نے بہنوں کو گلے سے لگا کر ڈھارس دی۔ اس وقت عبدالرحمٰن بن ملجم خاموش تھا۔ بی بی کلثوم حضرت امام حسنؑ سے لپٹی ہوئی رو رہی تھیں کہ ان کی نگاہ اس پر پڑی۔ کہنے لگیں "عبدالرحمٰن تو ہی بتا کہ قاتل بہتر ہے

مقتول" وہ ہنسا اور ہنس کر کہا کہ "اگر مقتول بہتر نہ ہوتا تو رونے والے اتنے نہ ہوتے"

غسل ہو چکا تو جنازہ قبرستان کی طرف چلا اور روزہ دار میت خون ں نہائی قبر میں پہنچی۔ دونوں شہزادوں کی حالت خراب تھی اور گلے میں ہاتھ ڈالے ر رہے تھے۔ آفتاب کی کرنوں میں جنت کے سرداروں کا گریہ دیکھنے اور ننے کی ہمت نہ تھی۔ طائرانِ شام خلیفۂ چہارم کی رحلت پر گریہ و زاری کرتے وئے بسیرے کی تیاریوں میں مصروف ہوئے تو سید لاکے لال ایک باغ ں چلے گئے جہاں کھجوروں کے جھنڈ چھائے ہوئے تھے اور ہوا کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا ان کا نعرہ بجا رہی تھی، باغ کا مالک عقیدت کے قدموں سے آگے بڑھا اور محبت ے ہاتھوں سے تھوڑی سی کھجوریں پیش کیں۔ دامن شب لحظہ بہ لحظہ وسیع ہو رہا تھا اور شام کی سیاہی چاروں طرف پھیل چکی تھی، شہزادوں نے رفع افطار کیا۔ نماز مغرب ادا کر کے جب چلنے کا قصد کیا تو مالک نے کہا "یہ تھوڑی سی کھجوریں شہزادیوں کے واسطے قبول فرمائیے اور جلدی کیجئے کہ علیؑ کی یتیم بچیاں آج کھجوروں سے روزہ کھولیں۔ گھر میں اللہ کا نام ہوگا۔" امام حسنؑ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا۔

"خدا تیرے باغ میں برکت دے کہ تو ہم یتیموں پر باپ کے بعد اتنی شفقت کر رہا ہے۔"

مالک رو کر قدموں پر گر پڑا اور کہا "یہ سب آپ ہی کا طفیل ہے جو یہاں موجود ہے آپ ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔ میرا گھر قربان آپ کے ابا پر جو ہم مُردوں کو دنیا میں زندہ کر گیا۔ میری ماں اور بیوی جب سے عبدالرحمن نے یہ ظلم توڑا ہے چیخیں مار مار کر رو رہی ہیں۔ آج چوتھا روز ہے کہ ہمارے ہاں کچھ نہیں پکا۔ ہمارے چولہے میں آگ نہیں سلگی۔ جب خیال آتا ہے کہ ہمارا وہ محسن جس کے

نام پر دل وجان نثار، پیوند زمین ہوگیا تو ہم اپنے سینوں پر گھونسے مارتے ہیں شہزادوں تم کو گلے لگا کر تسکین ہوتی ہے جاؤ تمہارا خدا حافظ ونگہبان ہے

امام حسین نے مالک سے کہا کہ ہم کو باپ سے جدا کرنے والا زینبؑ وکلثومؑ کو یتیم بنانے والا بھی مسلمان تھا۔ اور محبت کا ہاتھ سر رکھنے والا بھی مسلمان ہے آخر تو ہم کو بتا کہ تجھ کو کونسی چیز ہماری طرف مائل کر ہے۔ ہم نے اس سے پہلے تیری صورت دیکھی نہ نام سُنا۔ مالک بے اختیا رو دیا اور کہا کہ " جو آگ دب چکی تھی۔ اس کو کیوں کریدتے ہو جب زخم رس چکے اب اُس کو کچھ کے نہ دو۔ خیر تمہارا حکم ہے تعمیل کرتا ہوں۔ اچھا سُنو۔

میرا باپ قبیلہ بنی اسد کا پہلا شخص تھا جو سرور کائنات پر ایمان لا اس کے مسلمان ہونے سے تمام قبیلہ جانی دشمن ہوگیا۔ اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں۔ اُس نے اپنا مال ومتاع اسلام پر قربان کیا اور ہر تکلیف کو راحت سمجھا جب اُس کی موت کا وقت آپہنچا تو سوا اس باغ کے جس میں تم کھڑے ہو اس کی کوئی ملکیت نہ تھی بس جوانی ختم کر چکا، مگر اُس وقت ماں کی گود میں تھا۔ میرے باپ کا حقیقی بھائی جو کافر تھا اور کافر مرا، اپنے بھائی کی موت کے بعد اس باغ پر قابض ہوگیا اور ساڑھے چار سو درم قرضہ نکال کر یہ باغ دبالیا۔ سُنتا ہوں کہ ہم یتیموں پر متواتر فاقے گذرے اور پانچ آدمیوں کا کنبہ میری ماں اور چار یتیم، دو دو دانوں کو محتاج ہوگئے۔ ایک رات میری ماں بچوں سا تھ لئے اپنے نالوں سے زمین وآسمان کو تھرا رہی تھی کہ اس کو ایک شخص آتا ہوا دکھائی دیا وہ خاموش ہوگئی مگر نو وارد کی تسکین اور ہمدردی نے قلب کا

دروازہ کھول دیا۔ فریاد آہ بن کر زبان پر آئی اور مصیبت الفاظ کا لباس پہن کر نمودار ہوئی۔ نودارد روتا ہوا گیا اور نماز فجر کے بعد آکر کہا "تم اپنا باغ لے لو میں مفلس آدمی ہوں۔ مگر مزدوری کروں گا اور تمہارا قرض ادا کروں گا' اب میرا دل تڑپتا ہے اور دھوئیں اُٹھتے ہیں جب خیال کرتا ہوں کہ اس فرشتے نے جو انسان کی صورت میں جلوہ گر ہوا مشکوں میں پانی بھر کر اپنے بچوں کو بھوکا سلا کر ہمارا قرض ادا کیا۔ اور یہ باغ ہم کو دے گیا شہزادو! مجھ کو اجازت دو کہ تمہارے قدموں پر نثار ہو جاؤں۔ ہمارے دُکھ سُکھ بٹانے والا۔ ہماری مصیبت میں کام آنے اور میری ماں کے ساتھ رونے والا تمہارا باپ اور ہمارا مولا علیؓ ابن ابی طالب تھا' آؤ میرے قریب آؤ۔ قربان ہو جاؤں ان قدموں پر اور ان صورتوں پر"!

دونوں شہزادے روتے رہے اور کھجوریں لے کر آگے بڑھے تو ایک ایسی جگہ پر پہنچے جہاں پر خاک اُڑ رہی تھی اور ریگ کے تودے آسمان سے باتیں کر رہے تھے اِس ریگستان میں جہاں آدمی تھا نہ آدم زاد ہر سمت سنّاٹا چھایا ہوا تھا۔ رات کا اندھیرا ریگ کے سفید ذرّوں پر غالب تھا۔ آسمان کے تارے یتیمانِ علیؓ کی خاموش رفتار پر در ہے تھے کہ گرم ہوا کا ایک جھونکا ان کے کانوں میں کسی انسان کی ایسی صدا لایا جو درد و کرب میں ڈوبی ہوئی تھی۔ خاموش کھڑے تھے کہ ہوا نے کانوں میں پھر وہی آواز پہنچائی۔ دل بھر آیا اور کہنے لگے "کس بدنصیب کی آواز ہے جو شدّتِ درد سے رو رہا ہے! اس کے پاس چلیں اور اس کی مدد کریں" اندھیری رات ہو کا عالم ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دیتا تھا' ہائے کی آواز رہ رہ کر اور "آہ" کا نعرہ تھم تھم کر کانوں میں آ رہا تھا۔ اسی

آواز بر زدانہ ہوئے ہوا نے رہبری کی تو معلوم ہوا کہ کوئی صدائے انسانی کسی بچھڑے ہوئے محبوب کی یاد میں تڑپ تڑپ کر اس میدان میں گونج رہی ہے۔ قریب پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک جھونپڑی ہے جس میں ایک شخص پڑا ہوا ہائے ہائے کر رہا ہے اور کسی کو اس درد سے بلاتا ہے کہ رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ دریافت کیا تو جواب ملا کہ "تم لوگ اپنا راستہ لو میرے زخم پر نمک نہ چھڑکو میں اپنے دوست اپنے محسن سے جدا ہوں۔ اگر دل میں درد ہے اور ایک بدنصیب پر جس سے موت کوسوں دور بھاگتی ہے۔ رحم کر سکتے ہو تو مجھے مجھے میرے محبوب تک پہنچا دو۔" شہزادوں نے کہا "انسان کی خدمت ہمارا فرض ہے۔ آپ ہمارے ساتھ چلئے اور منزل مقصود کا پتہ دیجئے سر آنکھوں سے پہنچا دیں گے۔" اتنا سن کر وہ شخص رو دیا۔ اور کہا "اگر پاؤں ہوتے اور چلنے کی طاقت ہوتی تو تمہاری مدد کا محتاج نہ ہوتا۔ اگر ہاتھ ہوتے اور اٹھنے کی ہمت ہوتی تو تم سے التجا نہ کرتا۔ تین سال سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا کہ قدرت مجھ کو ان نعمتوں سے محروم کر چکی، اب میں انسان نہیں لاشہ ہوں جو چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے سے مجبور و معذور ہے۔ اسی واسطے میں نے تم سے بہ منت و ادب درخواست کی ہے کہ شاید تم یہ تکلیف گوارا نہ کر سکو اور مجھ اپاہج کی مدد میں تامل ہو۔ بڈھا ہوں زیادہ بات نہیں کر سکتا۔ بیمار ہوں توانائی نہیں۔ مجبور ہوں دماغ صحیح نہیں ہے۔ آ آ آ بچھڑے ہوئے دوست آجا! تیری جدائی نے زندگی وبال اور دنیا آنکھوں میں اندھیر کر دی۔ رحم کر اپنی آواز سنا کر دل کی لگی کو بجھا دے۔ اپنی خوشبو سنگھا کر دماغ معطر کر دے۔ آجا۔ آجا میرے دوست

تم کو میری اس حالت پر ہنسی آ رہی ہو گی' اس درد سے نا آشنا ہو۔ جاؤ میرے پاس سے چلے جاؤ۔ مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو' میں اپنے حال میں خوش اور مجھ کو جو لطف دوست کی یاد میں آرہا ہے وہ اب اگر حاصل ہو سکتا ہے تو موت سے جو مجھ کو میرے محبوب سے ملا دے گی' مگر تمہاری آواز کو کیا کہوں' اچھا جاؤ چلے جاؤ۔"

متحیر اور ششدر حسینؓ نے کہا کہ "بتایئے کہ وہ دوست کونسا ہے۔ اور کہاں ہے۔ ہم پہنچا دیں گے اپنی پشت پر سوار کریں گے اور لے جائیں گے۔"

بڈھے بیمار نے رو رو کر کہا "انسانیت کا یہ جوہر میرے دوست پر ختم ہو چکا۔ اب اس دنیا میں کوئی ایسا نہیں ہے میں چند لمحہ میں تمہاری پشت پر وبال ہو جاؤں گا تم مجھ کو ادھر ہی پھینک دو گے اور مجھ کو جو تھوڑی بہت امید اپنے محبوب سے مل لینے کی ہے وہ بھی ختم ہو جائے گی۔ میں تم کو کیا بتاؤں۔ بڈھا ہوں۔ اس کی صورت نہیں دیکھی' نام اس نے کبھی نہیں بتایا' کیونکہ پتہ دوں کہ کون ہے۔ کہاں رہتا ہے اور کیا کرتا ہے۔ تم کو میری کتھا کا یقین نہ آئے گا۔ اس زیتون کے درخت پر جو سامنے ہے بسنے والی چڑیا جب صبح کا اعلان کرتی ہے۔ آجا آجا آجا۔ وہ انسانی فرشتہ مجھے اٹھا کر بٹھاتا۔ اور وضو کراتا میں اپنے خالق کی عبادت میں مصروف ہو جاتا۔ جب آفتاب کی شدت ہوتی اور شعاعیں تیزی کے ساتھ مجھ پر لو رش کے قریب ہوتیں تو گود میں اٹھا کر جھونپڑی میں پہنچاتا اور نوالے بنا بنا کر اپنے ہاتھ سے مجھے کھلاتا۔ آ آجا میرے دوست میرے محسن آجا۔ تم سے کیا کہوں کہ وہ کیا تھا' میرے پاؤں دباتا۔ بیماری میں دوا پلاتا

اور محبت میں کھانا کھلاتا۔ تین سال سے زیادہ ہو گئے کہ اس ریگستان میں دنیا کی بہترین نعمت میرے پیٹ میں پہنچ رہی ہے مجھے اس کا نام و نشان تک معلوم نہیں، آج چار روز سے وہ میرے پاس نہیں آیا۔ میں جانتا ہوں کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کو میرے پاس آنے سے نہیں روک سکتی۔ وہ بیماری میں مجھ کو نہیں بھولا۔ رنج و الم میں میری خدمت کرتا رہا، اب مجھے یقین ہے کہ وہ سخت بیمار ہوا۔ گرفتار ہوا۔ قید ہوا۔ یا کوئی ایسی مصیبت آئی کہ آنے کے قابل نہ رہا۔ اس کے سوا کچھ نہیں بتا سکتا کہ تم دونوں کی آواز اس کی آواز سے ملتی ہوئی ہے اور ہوا تمہارے جسم سے اس کی خوشبو لا رہی ہے میرے بچوں میرے قریب آ جاؤ کہ میں اس کی خوشبو سے مست ہو جاؤں اور تم کو دعا دے کر رخصت کروں۔

شہزادے چیختے ہوئے آگے بڑھے اور فقیر کے گلے میں ہاتھ ڈال کر کہا۔ "آپ جس کو رو رہے ہیں وہ ہمارے باپ امیر المومنین علیؓ مرتضیٰ تھے آج چوتھا روز ہے کہ عبد الرحمٰن بن ملجم نے ان کو شہید کیا اور ہم ان ہی کے دفن سے فارغ ہو کر آ رہے ہیں" فقیر یہ سن کر بے قرار ہو گیا۔ دونوں بچوں کو کلیجے سے لگا کر چیخیں مارنے لگا اور کہا۔ مجھ کو قبر پر پہنچا دو کہ آپ اس کے بعد زندگی موت سے بدتر ہے۔" شہزادوں نے ہر چند عذر کیا اور التجا کی کہ آپ گھر چلیے ہماری بہنیں اور ہم آپ کی خدمت اپنا فرض سمجھیں گے بہنیں آپ کو سر آنکھوں پر بٹھائیں گی مگر رضامند نہ ہوا۔ تو مجبور و لاچار اس کو لے کر قبر پر پہونچے فقیر نے قبر پر فاتحہ پڑھی اور لپٹ کر ایک آہ کی اور بہ آواز بلند کہا۔ "بلا لے اپنے پاس

بلاے اتنا کہنے کے بعد قبر سے لپٹا ہوا درویش ختم ہوگیا۔

امیر معاویہؓ کی کوششیں

حضرت علیؓ کے بعد اب میدان بالکل صاف تھا اور امیر معاویہؓ کا زخم گو اچھا ہو رہا تھا مگر کسک باقی تھی اور جس طرح ظاہری زخم کا پوری طرح اندمال نہ ہوا تھا اسی طرح اندرونی ٹیس بھی ختم نہ ہوئی تھی۔ امیر معاویہؓ صحابہ رسول اللہ ہیں اور حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ روم قیصر پر ایران کسریٰ پر فخر کرتا ہے تو عرب اپنے معاویہؓ پر بجا ناز کرنے کا حق رکھتا ہے" کچھ شک نہیں کہ ان میں بعض خوبیاں بھی تھیں اور ہر شخص میں ہوتی ہیں۔ مگر اس سلسلے میں انھوں نے جو کچھ کیا وہ خدا اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ امیر معاویہؓ کو حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امام حسنؓ کی طرف سے خلافت کا اندیشہ ہو سکتا تھا مگر انھوں نے پہلے ہی اعلان کر دیا کہ وہ اس خواہش سے ہزاروں کوس دور ہیں اور اس سے کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتے' اہل کوفہ نے جہاں اس وقت حسینؓ علیہ السلام موجود تھے حضرت امام حسنؓ کو بہت ترغیب دی مگر انھوں نے انکار کر دیا اور امیر معاویہؓ کو اپنے فیصلہ کی اطلاع کر دی۔ شام میں امیر معاویہؓ کی پوری حکومت تھی۔ مگر وہ چاہتے تھے کہ میں حضرت علیؓ کے بعد خلیفہ ہو جاؤں لیکن انتخاب کی بجائے تلوار کی طاقت سے۔ اس میں ایک بڑی مصلحت یہ تھی کہ اگر انتخاب کا سلسلہ موقوف ہو گیا تو خلافت بادشاہت میں تبدیل ہو کر میرے ہاں موروثی ہو جائے گی۔ اسی واسطے انھوں

نے اپنا مشیر اعظم عمرو بن عاص کو مقرر کیا اور چاروں طرف احکام جاری کر دیئے کہ میری خلافت کو جو تسلیم نہ کرے اور بیعت پر راضی نہ ہو اُسے گرفتار کر لو۔ اس میں شک نہیں کہ عرب کے دم خم ابھی وہی تھے مگر پچھلی لڑائیوں نے ایسا مجروح کیا کہ سکت نہ تھا قریب قریب سب نے اس رائے سے اتفاق کیا صرف چار شخص تھے جنھوں نے تامل کیا اور بیعت سے انکار کیا۔

امام حسینؑ عبداللہؓ بن زبیرؓ عبداللہ بن عمرؓ عبدالرحمن بن ابی بکرؓ عبداللہ اور عبدالرحمن خلیفہ اول و دوم کے صاحبزادے ہیں امام حسنؓ خلیفہ چہارم کے عبدالرحمنؓ بن زبیرؓ ان زبیر بن العوام کے جن کے مفصل حالات اوپر ہو چکے ہیں۔ امیر معاویہؓ کو ان چاروں کی طرف سے پورا اندیشہ ہوا اور وہ سمجھے کہ یہ معمولی آدمی نہیں بلکہ پائے کے لوگ ہیں اور اتنا اثر رکھتے ہیں کہ اگر بگڑ گئے تو مسلمانوں کی ایک جماعت ان کے ساتھ ہو گی چنانچہ اُنھوں نے خفیہ احکام اپنے عاملوں کے نام بھیج دیئے کہ جس طرح ہو ان چاروں سے بیعت لو ممکن تھا امیر معاویہؓ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جاتے۔ مگر اُن کو سب سے بڑا فکر یہ ہوا کہ میں بڈھا ہوں اور موت سر پر آ پہنچی یزید اگر میرے سامنے ہی تخت نشین ہو جائے تو اچھا ہے اس لئے اُنھوں نے ۵۶ھ میں بجائے اپنے یزید کی بیعت لینی چاہی ان کی اس خواہش کی مخالفت سب سے پہلے اُن ہی گھر سے شروع ہوئی اور وہ اس طرح کہ امیر معاویہؓ کے باپ ابوسفیان کی دوسری بیوی سے ایک بیٹا زیاد تھا اور یہ اس عبیداللہ کا باپ تھا جس نے امام حسینؑ کو کربلا میں شہید کیا۔ اس عبیداللہ کے باپ زیاد

نے امیر معاویہؓ کی اس تجویز سے کہ بیعت یزید کی کی جائے مخالفت کی اور کہا کہ یزید ہر وقت شراب کے نشہ میں مست رہتا ہے۔ خدا کا وہ نہیں، رسول کا وہ نہیں، مسلمانوں کی خلافت سے اس کو واسطہ کیا۔ مگر معاویہؓ کے مقابلہ میں زیاد کی کیا چلتی، بیعت کی کوشش اُسی کے واسطے کی گئی مگر کچھ کامیابی نہ ہوئی اور ان چاروں بزرگوں نے یہی عذر کیا کہ یزید کے اعمال خلافت کے لائق نہیں۔ امیر معاویہؓ عمرہ کے بہانہ سے مکہ معظمہ چلے اور راستہ میں، مدینہ منورہ میں بھی قیام کیا اور چاروں سے علیحدہ علیحدہ بیعت یزید کے متعلق گفتگو کی۔ امام حسینؓ نے جواب دیا کہ مجھے بیعت یزید میں عذر نہیں اگر تینوں صاحب رضامند ہو جائیں تو میں حاضر ہوں یہی جواب ان تینوں نے دیا اور اب امیر معاویہؓ کو یقین ہو گیا کہ یزید کی بیعت آسان کام نہیں ہے۔ اس لئے کوئی معقول تدبیر کرنی چاہیئے۔

شہادت حضرت امام حسنؓ

حضرت امام حسن علیہ السلام لڑائی جھگڑوں سے بالکل الگ تھلگ تھے اور انھوں نے امیر معاویہؓ کے جواب میں کہلا بھیجا تھا کہ مجھے ان معاملات سے سروکار نہیں۔ البتہ میری دو خواہشیں ہیں ایک یہ ہے کہ میرے اہل و عیال کے واسطے وظیفہ کر دیا جائے۔ اور دوسرے یہ کہ میرے باپ کے متعلق جو الفاظ ناشائستہ استعمال کئے جاتے ہیں۔ اس سے باز آؤ۔ معاویہؓ نے دونوں شرطیں منظور کر لیں مگر پھر بھی دل میں کھٹکا موجود رہا کہ نہ معلوم کس وقت

امام حسنؑ کی طرف سے کوئی گُل کھِل جائے۔ رسول کے نواسے علیؓ کے صاحبزادے
اِن کے اشارہ کی دیر ہے۔ رعیت باغی ہو جائے گی چنانچہ بہت سی تدابیر کے بعد
۴۹ھ میں ایک ایسا موقع ہاتھ آگیا۔ جس میں کامیابی کی امید تھی اور وہ یہ کہ
جعدہ بنتِ اشعث جس کا دوسرا نام اسماء تھا جو آپ کے نکاح میں تھی۔
اسونیہ نامی ایک لونڈی کی وساطت سے زہر دینے پر آمادہ ہوگئی۔

چشمِ فلک دنیا کے مختلف النوع تماشے دیکھ دیکھ کر ہنس رہی ہے۔
آسمان روتا ہے اور ہنستا ہے بلبلاتا ہے اور قہقہے لگاتا ہے۔ جب دیکھتا ہے
کہ کس طرح یہ زندگی کے بازیگر ایک محدود دائرے میں جذبات سے مغلوب
ہو کر ضرورتیں پیدا کرتے ہیں اور فانی خواہشوں پر کیسی کیسی زبردست قربانیاں
کر دیتے ہیں۔ پانی کے ایک قطرے کے واسطے چند روز زندہ رہنے والا
انسان کیسی بے دردی سے خون کے نالے بہا دیتا ہے اور محض بات کی پیچ پر
وہ زندگی جس کے سر پر موت ہنس رہی ہے دوسری زندگیوں کو لہو لہان
کر دیتی ہے۔ آج مامتا میں ڈوبے ہوئے ہاتھ جس بچہ کو لوری دے کر تھپکتے ہیں وہ
وہ اسی دُنیا کے ہیں اور جس بچہ کے سر پر لاتعداد ارمانوں سے شادی کا سہرا
باندھتے ہیں وہ بھی اسی دنیا کے اور کل بچہ کو ابدی نیند سلا دینے والے
ہاتھ بھی اسی دنیا کے ہیں اور سر کو خون میں خون کر دینے والے ہاتھ بھی اسی دنیا کے ہیں۔

کل جس کی پیدائش پر کنبہ مبارک بادیں دے رہا تھا۔ ماں باپ نہال تھے
جس کے وجود نے دُنیا کے بہترین انسان اور خدا کے محبوب کو باغ باغ کر دیا
تھا۔ اس کا صرف کلمہ پڑھنے والے نہیں۔ اس کے فیض سے متمتع ہونے والے

اس کا نام جپنے والے اور اس کے دسترخوان سے پیٹ بھرنے والے اس سے شفاعت کی امید رکھنے والے اس کے لال کو زہر دینے کی تدبیر مکمل کرتے ہیں۔

رات کی خاموش گھڑیاں پردہ دُنیا پر آہستگی کے ساتھ گذر رہی ہیں پورے دو پہر ختم ہو جانے کے بعد افواج فلکی میں ہلچل مچی اور سپہ سالار عساکر سماوی بساط پر نمودار ہوا کہ زندگی کا وہ تماشہ دیکھے جو انسانیت کے معنے بتا رہا ہے امام حسنؓ بے خبر پڑے سوتے ہیں اور اس لئے کہ رات کو پانی پینے کی عادت ہے جعدہ پانی کے برتن میں زہر ملا کر چپکی لیٹ جاتی ہے، مگر نیند کہاں۔ کروٹیں لیتی ہے۔ اور اس وقت کا انتظار کرتی ہے۔ جب تدبیر پوری ہو، کامیابی کے آثار نظر آنے لگیں۔"

رات کا تیسرا حصہ بھی ختم کے قریب آپہنچا اور وہ ساعت بھی آگئی جب سرہانے رکھا ہوا پانی پیٹ میں پہنچ کر کلیجہ کاٹ دے۔ آنکھ کھلی تو حسب دستور پانی پیا۔ مگر چند ہی قطرے داخل ہوئے تھے کہ ہائے کی آواز نے سونے والوں کو ہوشیار کیا گھبرا کر دوڑے اور آکر دیکھا تو پانی کے ساتھ پینے والے کا رنگ سبز ہو چکا تھا۔ قے کے ساتھ کلیجہ اور انتڑیوں کے تھتلے کے تھتلے نکل رہے تھے۔

اس سے زیادہ دردانگیز گھڑیاں دنیا کے پردہ پر کم آئی ہونگی کہ جن بہنوں اور بھائیوں کو باپ محبت واتفاق کی وصیتیں کر کے سدھارا وہی بھائی، بھائی کے کلیجے کے ٹکڑے دیکھ رہے ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے بہنیں لپٹ لپٹ کر رو رہی ہیں۔ مگر بے بس ہیں۔ بھائی چمٹ چمٹ کر آنسو گراتا ہے لیکن

بے اختیار ہے۔ صبح ہو چکی دنیا کے بسنے والے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے اور علیؓ کا خاندان جو ابھی اپنے سرتاج کی موت پر پوری طرح رو بھی نہ چکا تھا۔ اپنی کشتی کے ناخدا امام حسنؓ کی موت کا انتظار کرنے لگا۔ زندگی سے مایوس ہو کر امام عالی مقام نے زینبؓ کے گلے میں ہاتھ ڈال کر فرمایا۔

"ہاں جانی! زہر تلوار کی طرح اندر ہی اندر کاٹ رہا ہے۔ اب تکلیف قابلِ برداشت نہیں۔ دعا کرو کہ خدا جلد خاتمہ بالخیر کرے۔ ماں اور باپ دونوں میرا انتظار کر رہے ہیں خدا تمہارا بہتر وارث ہے۔ دیکھو دشمن خاندانِ رسالت کی بربادی پر کمربستہ ہیں میرے بعد حسینؓ اکیلا بتیس دانتوں میں ایک زبان ہے ہر طرف سے یورش ہو گی اور پاؤں تلے کی چیونٹی بھی دشمن بن جائے گی۔ بنو فاطمہؓ کے تاراج کرنے میں وہی مسلمان جو نانا جان کا کلمہ پڑھ رہے ہیں متفق ہو جائیں گے۔ مجھے موت کا ملال نہیں مگر حسینؓ جس کا ہاتھ باپ نے میرے ہاتھ میں دیا تھا تنہا و یکہ ہے اور کوئی اتنا بھی نہیں کہ نیک صلاح اور مشورہ سے اس کی مدد کرے۔ میں فاطمہ کے خاندان کو اب تیرے حوالہ کرتا ہوں، ام کلثوم تیری مددگار ہو گی۔ اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ آلِ فاطمہؓ کا اب کیا حشر ہو۔ دیکھو یہ جیتا جیتا خون اُس گوشت کا ہے جسے رسول اللہ نے بوسے دیئے ہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ کس سازش کا شکار ہوا مگر نہیں چاہتا کہ اس راز کو بیان کردوں۔ سب سے اچھا فیصلہ کرنیوالا احکم الحاکمین ہے اور وہی جزا سزا کا مالک ہے۔"

بھائی کی گفتگو سن کر امام حسینؓ علیہ السلام بیتاب ہوئے اور

دوہر کر لیٹ گئے۔ اس وقت قے کی تکلیف بہت زیادہ تھی اور پیٹ کا تمام خون حلق کے راستہ نکل چکا تھا۔ ناتوانائی حد سے گذر گئی تھی اور رنگ بالکل نیلا ہو چکا تھا۔ اب آپ نے سب کو ہٹا کر اسماء یعنی جعدہ کو تنہا بٹھا کر کہا: "جس چھوٹی دولت اور عارضی عزت کی توقع پر تو نے مجھ کو زہر دیا وہ پوری نہ ہوگی۔ دشمن نے تجھ کو فریب دے کر اپنا کام کیا تو غور کر اس نازک گھڑی کا جب خدا کا سامنا ہوگا۔ اس وقت تو اس ظلم کا کیا جواب دے گی میں نے تجھ کو خوش رکھنے کی ہمیشہ کوشش کی۔ اس کا بدلہ تو نے مجھ کو یہ دیا۔ میں تجھ کو بتا دیتا ہوں کہ مجھ بے گناہ کا خون رنگ لائے گا۔ اور تمام عرب میں تیری ذلت و رسوائی ہوگی۔ اچھا رخصت ہو۔"

جعدہ ندامت کے قدموں سے باہر نکلی اور شرمندگی کے آنسوؤں سے آگے بڑھی تو امام حسین علیہ السلام بھائی سے لپٹے اور کہا "قاتل کا نام بتائیے" آپ نے اس اذیت میں مسکرا کر فرمایا: "خدا بہتر سزا دینے والا ہے، تم اس کو اذیت نہ دینا" اس کے بعد آپ نے کلمہ طیبہ پڑھا اور امام حسینؓ کی گود میں سیدہ کے کلیجے کا ٹکڑا دنیا سے رخصت ہوا۔

رسولؐ عربی کا کلمہ پڑھنے و[illegible]نکھوں سے کام لے چکے اب ذرا دماغ پر زور دو اور پرواز تخیل [illegible] سال قبل کی ایک رات تک پہنچا دو۔ یہاں تم کو وہ سماں نظر آئے گا [illegible] نکھیں عالم خیال میں ایسی متبرک صورتیں سامنے لائیں گی کہ عزیمال کے قریب ٹکڑے اڑا دے گی۔ محبت ہزار جان سے قربان ہوگی اور شوق پروں تلے کہ بیٹھا ہوگا۔ معلوم ہے کہ

کس مقام پر ہو جن گلیوں کی خاک آنکھ کا سرمہ ہے جس کی زمین آسمان سے افضل۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں دونوں جہان کا بادشاہ ہمارا مولا اور خدا کا پیارا نبیوں کا سردار، پیغمبر دین کا سرتاج اشاعت اسلام میں سرگرم ہے، دنیا اس کے منہ سے جھڑے ہوئے پھول اپنی گود میں لے رہی ہے۔ توحید کا ڈنکا تمام عربستان میں بج رہا ہے اور رسالت کی صدائیں زمین کے ذرہ ذرہ سے بلند ہو رہی ہیں۔ صبح صادق کا سہانا وقت ہے چکی پیس پیس کر خدا کا نام جپنے والی فاطمہؑ اور مشکیں ڈھو ڈھو کر پیام ریاست پہنچانے والا علیؑ لڑکے کے ماں باپ بن چکے ہیں۔ یہ وہ بچہ ہے جس کے کان میں شافع محشر نے اذان دی، یہ وہ بچہ ہے جس کے منہ کو محبوب خدا بوسے دے رہا ہے۔ یہ وہ بچہ ہے جس کے رونے کی آواز پر خدا کے رسول نے خدا کے گھر میں خدا کا کلام چھوڑ دیا! وہ بچہ جو نماز میں پشت رسولؐ پر سوار ہے وہ بچہ جو نزول وحی کے وقت گود میں، لڑائی کے موقع پر کندھے پر، گھر میں سینے پر اور باہر ہاتھوں پر رہا۔ وہ بچہ جس کی پیدائش پر زبان مبارک سے یہ الفاظ فرمائے تھے: "جو میرا وہ اس کا جو اس کا وہ میرا"۔

مسلمانوں انصاف کی انکھوں سے دیکھو اور ایمان کے دماغ سے فیصلہ کرو۔ کتنا درد انگیز منظر ہے کیا سماں ہے۔ آسمان مدینہ پر گھنگھور گھٹا چھا چکی ہے موسلا دھار بارش ہو رہی ہے بجلی کی کڑک ہے۔ بادل کی چمک ہے اور مسجد نبوی میں خدا کا رسول بچہ کو آغوش میں لئے اللہ اللہ کر رہا ہے۔ نثار اس آغوش کے اور وہی خدا نبی معصوم کے، سلام اس لال پر اور درود اس لال گفتگو سن

والے پر، بادل کی کڑک ختم نہ ہوئی تھی کہ ہوا کے فراٹے میں اذان اذان کی صدا مسجد مسجد میں پہنچی اور وہ پائے ثبات جن کو دنیا کی کوئی طاقت متزلزل نہ کر سکی، مامتا کے جوش میں اپنی جگہ سے سرکے اور خدا کا رسولؐ بچہ کو سینے سے چمٹائے اسی کڑک اور چمک میں اسی مینہ میں اور ہوا میں ہنستا اور ہنستا گھر میں داخل ہوا۔

رونے والی آنکھوں سے حقیقی نگاہیں بلند کرو اور دیکھو کہ تیرہ و تار گھر کس کا ہے! یہ ثرید پکانے والی خاتون کون ہے؟ دروازہ پر نگاہ اور آہٹ پر کان کس کے ہیں؟ درود و سلام آنے والے پر، اس گھر پر، اس گھر والوں پر، مردوں پر اور عورتوں پر۔ یہ بنت الرسول کا گھر ہے، یہ منتظر آنکھوں سے بچہ کی راہ دیکھنے والی خاتونِ جنت ہے اور بچہ کہ ماں کی گود میں دینے والا انسان ہادی برحق اور پیغمبر آخر الزماں ہے۔

وہ سماں ختم ہو چکا جس کا کہ زہر کا شہید قبر میں دفن ہو رہا ہے۔ یہ میت کس کی ہے اس حسنؓ کی رسول عربی کے دوش مبارک جس کی سواری تھے فاطمہؓ جس کی دودھ پلانے والی اور علیؓ جس کا پرورش کرنے والا! یہ زہر کس نے دیا اور دلوایا؟ ان ہی لوگوں نے جو اس کے نانا کا کلمہ پڑھتے ہیں اور قیامت کے روز شفاعت کے امیدوار ہیں۔

امیر معاویہؓ کی آخری کوشش اور موت

امیر معاویہؓ کی عمر اس وقت نوے سال کے قریب تھی اور کندھے کی ہڈی جو کٹ چکی تھی سڑ گئی تھی۔ مگر وہ شب و روز اسی فکر میں تھے کہ یزید کی خلافت اپنی آنکھ

سے دیکھ لوں اور جو لوگ مخالفت کر رہے ہیں وہ میرے سامنے اس کے دوست ہو جائیں لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے موت نے آدبایا جب ان کو یقین ہو گیا کہ اب بچنا ممکن نہیں تو بستر مرگ پر یزید کو بلا کر کہا "میں اتنا کام کر چکا ہوں کہ خلافت کے ملنے میں زیادہ دقت نہ ہوگی۔ مگر پہلا کام یہ کیجیو کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چلیو۔ اسوۂ حسنہ تیرا عمل رہے اور کلام الٰہی تیرے پیش نظر" امیر معاویہؓ کی بات ختم نہ ہوئی تھی کہ یزید بات کاٹ کر بولا "مجھے خلیفہ اول دوم سے بحث نہیں، ہاں کلام الٰہی پر چلنے کی کوشش کروں گا۔ آگے کہیے" یزید کے اس تلخ رویہ کا امیر معاویہؓ پر بہت برا اثر پڑا مگر جانتے تھے کہ صرف چند لمحے اور باقی ہیں اس لئے وصیت کو ان الفاظ پر ختم کر دیا" واقعات بتا رہے ہیں کہ تیری لڑائی امام حسینؓ سے ہوگی تو جانتا ہے وہ غیر نہیں، عزیز ہیں، اور رسول اللہ کے نواسے، وہ مغلوب ہوں گے، کیونکہ تیرے ساتھ لشکر کافی ہے، غالب ہونے کے بعد ان کے احترام میں فرق نہ آئے۔ تیری لڑائی عبداللہ بن زبیرؓ سے ہو تو ان کو زندہ نہ چھوڑیو۔"

امیر معاویہؓ کی اس وصیت کا کوئی جواب نہ ملا۔ یزید شکار کو روانہ ہو گیا۔ اور امیر معاویہؓ (۶۰ھ) میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔

امیر معاویہؓ کے کارنامے اس کتاب کے پڑھنے والوں کے سامنے ہیں حضرت عمرؓ کا یہ قول کہ "عرب ان پر فخر کر سکتا ہے" ہم نقل کر چکے ہیں اس کے ساتھ طبری کے یہ الفاظ بھی لکھتے ہیں کہ "ان میں بعض ایسے عیوب تھے جو قلم ادا نہیں کر سکتا۔ منجملہ ان کے ایک یہ کہ وہ دستر خوان پر کھانے والوں کے

لوٹا کرتے تھے۔

یزید کی حکومت

یزید نے تخت پر بیٹھتے ہی پہلا حکم یہ جاری کیا کہ عبداللہ بن زبیرؓ حسین بن علیؓ۔ عبداللہ بن ابی بکر اور عبداللہ بن عمرؓ چاروں سے میری بیعت لو اور اگر ان میں سے کوئی بھی انکار کرے تو فوراً قتل کرو۔ تخت نشینی کے بعد وہ شراب اس کثرت سے پینے لگا کہ کوئی لمحہ خالی نہ جاتا۔ شب و روز نشہ میں مست رہتا اور جن عورتوں سے قرآن نے نکاح کی ممانعت کی تھی ان سے نکاح جائز سمجھتا، اس کے احکام کی خبر چاروں کو پہونچی، عاملانِ مقررہ بیعت کی کوشش میں سرگرم ہوئے۔ عامل مدینہ نے اس حکم کے اعلان کے ساتھ چاروں کو طلب کیا تو عبداللہ بن زبیرؓ راتوں رات مکہ چلے گئے اور عبداللہ بن ابی بکر بھی وہیں پہونچ گئے اور جواب دے دیا کہ اگر تینوں آمادہ ہو جائیں تو ہم کو عذر نہیں عبداللہ بن زبیرؓ پہلے سے باخبر تھے اور جانتے تھے کہ یزید کے تخت نشین ہوتے ہی یہ گل کھلے گا۔ چنانچہ انھوں نے مکہ میں لڑائی کا پورا سامان کر رکھا تھا اور حمایت ان کی مدد کو تیار تھی۔ عامل مدینہ نے یزید کو اطلاع دی کہ یہ سب مکہ پہنچ گئے اور بیعت سے انکار کرتے ہیں۔

یزید یہ خبر سنتے ہی آگ بگولا ہو گیا مروان کو سپہ سالار مقرر کیا اور ایک بڑا لشکر اس کی سرکردگی میں مکہ معظمہ روانہ کیا۔ امام حسین علیہ السلام نے اس لڑائی میں عبداللہ بن زبیرؓ کا ساتھ نہ دیا اور کہہ دیا کہ "میں لڑائی

کے قابل نہیں ہوں صرف اطمینان سے اللہ اللہ کرنا چاہتا ہوں ۔ عبد اللہ بن زبیرؓ مقابلے کے واسطے تیار ہو گئے چار روز تک مروان نے مکہ کا محاصرہ کیا چوتھے روز عبد اللہ بن زبیرؓ کھلے میدان میں نکل آئے اور شدت سے حملہ کیا مروان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ یزید نے ایک جماعت اپنے سپہ سالار کی کمک کے واسطے محفوظ رکھی تھی ۔ مروان کے پاؤں اکھڑتے ہی یہ لوگ پہونچ گئے مگر عبد اللہ بن زبیرؓ کا لشکر وافر تھا اس کمک کو کچلتا ہوا آگے بڑھا۔ یزید کے سپہ سالار کو زندہ گرفتار کر لیا اور ۔ مار ڈالا ۔

حصہ اوّل ختم ہوا

سیّدہؓ کا لال

دوسرا حصّہ

مراثی کربلا

معرکۂ کربلا کی اہم شخصیتیں

حضرت امام حسینؑ	سرورِ کائناتؐ کے نواسے ۔ حضرت علیؑ اور سیدۃ النساءؓ کے لختِ جگر
حضرت عباسؓ	حضرت امام حسینؑ کے علاتی بھائی
حضرت زین العابدینؓ	حضرت امام حسینؑ کے بڑے لڑکے
حضرت علی اکبرؓ	حضرت امام حسین کے منجھلے لڑکے
حضرت علی اصغرؓ	حضرت امام حسین کے شیر خوار لڑکے
حضرت عونؓ و حضرت محمدؓ	بی بی زینب کے لڑکے حضرت امام کے بھانجے
حضرت قاسمؓ	حضرت امام حسنؓ کے لڑکے
حضرت مسلمؓ	حضرت امام حسین کے چچا زاد بھائی
حضرت محمدؓ و حضرت ابراہیمؓ	حضرت مسلم کے لڑکے
حضرت حُرؓ	ایک شامی افسر جو بعد میں امام کی طرف سے لڑ کر شہید ہوئے ۔

حرمِ امام

بی بی زینبؓ	حضرت امام حسینؓ کی حقیقی بہن
بی بی شہربانو	حضرت امام حسین کی بیوی
بی بی صغرا و سکینہ	حضرت امام حسین کی بیٹیاں

یزیدی لشکر

عبیداللہ ابن زیاد	کوفہ کا گورنر۔ یزید کا نائب
عمرو بن سعد	سپہ سالار فوج
شمر	افسران فوج
خولی	
سنان	
حرملہ بن کاہل	

مراثی کربلا

اب وہ حالات شروع ہوتے ہیں جن کے خیال سے کلیجہ کانپ اٹھتا ہے ایک سیدہ کے لال کے واسطے ہزاروں تلواریں میان سے باہر نکل آئیں اور اس وقت تک میدانِ کربلا میں چمکتی رہیں۔ جب تک امام حسینؓ کا سر تن سے جدا نہ ہوگیا۔ اب تک جو کچھ لکھا وہ صرف یہ سمجھ لینے کے واسطے تھا کہ کربلا کے خونین واقعہ کے اسباب کیا تھے بنو امیہ اور بنو ھاشم کی حیثیتیں کیا تھیں اور حضرت علیؓ کے بعد خلافت کس طرح بادشاہت میں تبدیل ہوگئی۔

کوفہ والوں کا حضرت امام حسینؓ کو طلب کرنا
اور
حضرت مسلمؓ کا جانا

حضرت امام حسینؓ بیعت یزید پر لعنت بھیج کر مکّہ چلے گئے تھے اور یہ کہدیا تھا کہ سب کے ساتھ بیعت کے لئے میں بھی تیار ہوں مکہ میں عبداللہ بن زبیرؓ کی فتح نے یزید کا زور ڈھا دیا اور کوفیوں کے دل گردے بڑھا دیئے یزید اس فکر میں رہا کہ کسی طرح عبداللہ بن زبیر اور امام حسینؓ سے اس شکست کا بدلہ لوں اور کوفہ والے اس خیال میں کہ کسی طرح امام حسین کو خلیفہ بنا لیں اگر ضرورت ہو تو یزید سے مقابلہ کریں اور اس کا قلع قمع کردیں ابھی یزید کی طرف سے مکہ کے خلاف کارروائی زیر غور تھی کہ کوفہ والوں نے اپنے جوش میں امام حسین کو خط لکھا۔

"آپ کو معلوم ہے کہ گو زیادہ نہیں بڑھے بوڑھوں میں ابھی ایک آدھ آدمی اب زندہ ہے جو آپ کے جدّ امجد کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہوا اور اپنا گھر بار خدا کی راہ میں لٹا دیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی اولاد اور بھائی اسلام پر قربان کئے اور کوفہ کی شرم رکھی۔ ان کے علاوہ ہم خود ہیں جو آلِ رسول پر فدا ہونا فخر سمجھتے ہیں۔ آپ کو اچھی طرح علم ہے صفین اور جمل میں ہم نے شیرِ خدا کے ساتھ کیسی کیسی خدمات انجام دیں۔ ہم بنی ہاشم کے عاشق اور بنو امیہ کے جانی دشمن

ہیں۔ اس وقت جبکہ یزید تخت نشین ہوا اور خلافت کا اعلان کر دیا ہماری غیرت و حمیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم یا تو خلافت ایسے ظالم و غاصب کے پنجہ سے چھڑائیں یا خود مر جائیں۔ آپ جس قدر جلد ممکن ہو کوفہ تشریف لے آئیں۔ یہاں ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان آپ کے نام پر جان دینے کو تیار ہیں اور اپنی زندگی کا پہلا فرض یہی سمجھتے ہیں کہ کسی طرح یزید کو اس نالائقی کی کافی سزا دیں۔ آپ نے اگر آنے میں دیر کی تو ممکن ہے کہ یزید کے منصوبے پورے ہو جائیں اور وہ اپنی فوج یہاں بھیجدے۔ اس لئے تاخیر سے کام نہ لیجئے اور فوراً ادھر روانہ ہو جائیے۔

امام حسینؓ کو کوفہ والوں کی طبیعت کا حال معلوم تھا مگر سنا ہوا۔ ذاتی تجربہ نہ تھا اس لئے وہ عادت طبیعت کو بھول گئے اور چونکہ خود بھولے بھالے تھے کوفیوں کے خط کا یقین کر لیا مکہ والوں نے یہ دیکھ کر ایک جلسہ کیا اور امام علیہ السلام کو سمجھایا کہ آپ للہ کوفہ کا قصد نہ فرمائیے اور یہاں قیام کیجئے اور اطمینان رکھئے جب تک ہمارے دم میں دم ہے آپ کا بال بیکا نہیں ہو سکتا۔ ابھی جلسہ ختم نہ ہوا تھا کہ کوفیوں نے ایک اور خط بھیجا کہ مسلمانوں پر رحم فرمائیے اور خلافت کو سنبھالئے ہم سب جاں نثاری کے واسطے حاضر ہیں، سیدھے سادے امام نے کوفیوں کی دعوت منظور کی مگر اہل مکہ کی صلاح سے قرار پایا کہ پہلے اپنے چچا زاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل کو روانہ کر دیجئے وہاں کا رنگ دیکھ کر جو لکھیں اس پر عمل کیا جائے۔ اس موقع پر مکہ کے بعض دور اندیش اور

معتر حضرات نے مخالفت کی اور کھلم کھلا کہا کہ "حضور اکرمؐ کے زمانہ حیات سے اب تک کوفہ والے اپنی بات پر قائم نہ رہے اور ہمیشہ دھوکا دیا اب ان کی فطرت نہیں بدل سکتی اور جس کا تجربہ ہو چکا ہے اس کا دوبارہ تجربہ کرنا غلطی ہے۔ اس کوشش کا نتیجہ رنج و افسوس کے سوا کچھ نہ ہوگا۔" مگر کوفہ والوں نے کچھ ایسا اظہار عقیدت اور خواہش بیعت کا یقین دلایا کہ امام حسینؑ ان کے پنجے سے نکل نہ سکے اور حضرت مسلمؓ کو کوفہ روانہ کر دیا۔ ان کا کوفہ میں داخل ہونا تھا کہ چاروں طرف سے آدمی پرواتوں کی طرح ٹوٹ پڑے اور حضرت مسلمؓ کو یقین ہو گیا کہ کوفہ والوں نے جو کچھ لکھا تھا وہ دل سے تھا اور غلط نہ تھا۔ سات گھنٹہ میں بارہ ہزار آدمیوں نے بیعت کی اور ہر سمت سے لوگ آ آ کر جمع ہونے شروع ہو گئے۔ حضرت مسلم اب کس طرح بدگمان ہو سکتے تھے بالخصوص اس وقت جب کہ ان لوگوں نے خود ہی درخواست کی کہ ہم اپنا خون پسینہ ایک کر دیں گے مگر یزید کی خلافت قبول نہ کریں گے۔ یہ حالات دیکھ کر حضرت مسلمؓ نے فوراً ایک خط امام حسینؓ کو لکھا کہ کوفہ والے ہر طرح سے ہمارے ساتھ ہیں۔ بارہ ہزار آدمی بیعت کر چکے اور ایک لاکھ آدمیوں سے زیادہ بیعت کے واسطے تیار ہیں۔ آپ شوق سے تشریف لائیے اور ان لوگوں کی درخواست قبول کیجئے۔ خط روانہ کرنے کے بعد ھانی نے جن کے مکان پر مسلمؓ ٹھہرے ہوئے تھے ایک جلسہ کی تجویز کی اور اس جلسہ میں ڈیڑھ لاکھ کے قریب مسلمان جمع ہو گئے اور قریب قریب سب نے خلیفہ اقرار کیا کہ ہم سب حضرت امام پر جانیں قربان کرنے کو تیار ہیں۔ جوش کا یہ عالم تھا کہ پچاس آدمیوں کا ایک دستہ اسی وقت حضرت امام حسین کی پیشوائی اور ہمراہی کے واسطے مکہ روانہ ہوا امام حسینؑ نے کہا آپ جائیے میں بہت جلد کوفہ پہنچوں گا۔ اہل کوفہ نے یہ سن کر ایک قاصد روانہ کیا اور فیصلہ کیا کہ

اب بغیر امام حسینؓ کو ساتھ لئے وہ واپس نہ ہو! اس قدر اصرار کے بعد اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ امام حسینؓ کوفہ کو روانہ ہوں کوفہ میں بنی امیہ امام حسینؓ کا اعزاز اور احترام دیکھ کر انگاروں پر لیٹنے لگے۔ اور سمجھ گئے کہ خلافت یزید کے ہاتھ سے چلی۔ اس وقت کوفہ میں یزید کی طرف سے نعمان بن بشیر عامل تھے، ان کو سب کیفیت معلوم تھی مگر چونکہ اہلِ بیعت رسول اللہ سے سچی محبت رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ یزید کی خلافت اسلام کی تباہی کا باعث ہے اس لئے خاموش تھے۔ بنی اُمیہ نے ان کو آکر اطلاع دی کہ امام حسینؓ کی بیعت کے واسطے قریب قریب تمام کوفہ تیار ہے اور مسلمؓ کے ہاتھ پر ہزار ہا مسلمان بیعت کر چکے، اگر آپ بھی ہوش ہے تو فوراً حضرت مسلمؓ کو قتل کرنا مناسب نہیں تو گرفتار کر دو اور اس بغاوت کو فرد کرو۔ نعمانؓ نے ان لوگوں کی تجویز یہ کہہ کر اڑا دی کہ خلافت اور عقیدت علیحدہ چیزیں ہیں۔ حکومت کو اس میں داخل دینے کی ضرورت نہیں۔ بنو اُمیہ نعمانؓ کی یہ خاموشی دیکھ کر اس کے دل کا مطلب سمجھ گئے اور فوراً دو قاصد یزید کے پاس روانہ کئے اور کہلا بھیجا کہ اگر آپ نے نعمان کا خاتمہ اور مسلمؓ کا قتل نہ کیا تو خلافت رخصت ہوئی۔

قاصد پہنچے تو یزید شراب کے نشہ میں چور تھا، کوفہ کی خبر سنتے ہی دانت پیستا ہوا اُٹھا اور حکم دیا کہ سرجون کو بلاؤ یہ شخص بنی رجون کا ایک غلام تھا مگر امیر معاویہ کے مزاج میں اس قدر دخیل تھا کہ میدانِ جنگ کے معاملے اس کی رائے سے طے ہوتے تھے جب یزید نے اس سے مشورہ لیا تو اس نے کہا کہ آپ اپنے ہی خاندان کے خلاف ہیں اور جب درخت کی جڑ کمزور ہے اس کی شاخیں کبھی بار آور نہیں

ہو سکتیں مجھے معلوم ہے کہ زیاد نے آپ کے والد مرحوم کو جب انہوں نے آپ کے واسطے خلافت کی کوشش کی تو آپ کے خلاف رائے دی آپ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ آپ اس سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتے اور اس کو اپنا عزیز سمجھنا کسر شان خیال فرماتے ہیں لیکن یہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ خاندان کی متفقہ طاقت کے بغیر بنی ھاشم کو ہرگز نہیں دبا سکتے عبید اللہ لونڈی بچہ ہو یا اس سے بھی ذلیل۔ مگر عزیزوں میں اور لشکر میں اپنوں میں اور غیروں میں اس سے زیادہ بہادر بہتر آدمی نہیں ہے اگر آپ اس قضیہ کو دبانا چاہتے ہیں تو اس کا دل ہاتھ میں لیجئے۔ اس کے سپرد یہ کام کیجئے اور دیکھ لیجئے کہ کیا ہوتا ہے اور کس طرح چٹکی بجاتے ہیں تمام مشکلات رفع ہو جاتی ہیں۔ ورنہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اس آگ کا بجھانا آسان کام نہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ کوفہ۔ بصرہ۔ عراق سب امام حسینؓ کا کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ آپ کو اس کا ثبوت مل گیا کہ ابن زبیرؓ نے آپ کی فوج کو کس ذلت سے پسپا کیا اور مکہ سے نکال باہر کیا۔"

سرجون کی تقریر یزید کے دل میں اتر گئی اور اس نے اسی وقت عبید اللہ بن زیاد کو بلا کر کوفہ اور بصرہ کا عامل مقرر کیا اور تاکید کر دی کہ ان چاروں میں سے جو بیعت سے انکار کرے اس کا سر کاٹ کر روانہ کر دے اس تقرر نے عبید اللہ کو باغ باغ کر دیا۔ حوصلے بڑھ گئے وہ ہنستا کودتا حاکم کی حیثیت سے کوفہ روانہ ہو گیا۔

عبید اللہ ابن زیاد کا تقرر اور حضرت مسلم کی شہادت

عبید اللہ بھاگم بھاگ بصرہ پہنچا۔ یہاں کوفیوں کا قاصد امام حسینؑ کا خط اہلِ بصرہ کے نام لایا تھا اور بصرہ والے امام کی بیعت کو تیار تھے۔ عبید اللہ نے فوراً قاصد کو گرفتار کیا اور خط قبضہ میں کیا رات ہی کو یزید کا ایک حکم عبید اللہ کے نام پہنچا کہ سنا ہے کہ امام حسینؑ اور مسلم کوفہ پہنچ گئے ہیں جس قدر جلد ممکن ہو بیعت کی اطلاع یا سر روانہ کرو۔ عبید اللہ نے علی الصبح ایک جلسہ منعقد کیا۔ اور اہلِ بصرہ سے کہا "تم لوگوں کو اول تو معلوم ہوگا اور اگر نہیں معلوم تو اب معلوم ہو جانا چاہیے کہ میرا نام عبید اللہ ابن زیاد ہے میں اس باپ کا بیٹا ہوں جس کے نام سے آسمانوں و زمین دونوں تھراتے ہیں۔ اس کا لڑکا ہوں جس کی تلوار نے خون کے نالے بہا دیئے ہیں اس کی شجاعت اور حسن انتظام کا ڈنکا ایک عالم میں بج رہا ہے۔ تم اچھی طرح سمجھ لو کہ رحم و مروت، درگزر اور رعایت ہمارے خاندان میں چھو تک نہیں گئی مجھ سے کوئی غلط توقع قائم نہ کرنا میں عبید اللہ ابن زیاد ہوں میری تلوار جس وقت میان سے باہر ہوئی خون کے چاٹے بغیر میان میں نہیں آسکتی چنانچہ اس وقت بھی تم اس کا تماشہ دیکھو گے۔

تم نے سنا ہوگا کہ علیؓ کا لڑکا حسینؑ باغی ہو گیا اور اس نے خلیفہ یزید کے خلاف خروج کیا ہے اور میں اس کام کے واسطے مقرر ہوا ہوں کہ ابن علی کو اس کی بغاوت کا پورا مزہ چکھا دوں۔ اب تم سمجھ لو کہ میں کون ہوں اور کیا کروں گا۔

اگر تم میں سے کسی ایک نے مجھ سے اختلاف کیا یا اشارۃً بھی مجھے کسی کی نافرمانی کا علم ہوا تو وہ گردن مار دیا جائے گا۔ اور جب تک میں سزا نہ دے لوں گا چین سے نہ بیٹھوں گا۔"

عبید اللہ کی تقریر سے بچارے بصرے والوں کے ہوش اڑ گئے کہ یہ کیا بلا نازل ہوئی وہ سوچ رہے تھے کہ عبید اللہ نے کہا "اب تم میری تلوار کا تماشہ دیکھو" اتنا کہہ کر اس نے حکم دیا۔

"حسینؓ کا قاصد گو ایلچی ہے مگر میری تلوار باہر آ چکی اس لئے اس کو سامنے لاؤ اور جلاد کو بلاؤ کہ میں اپنے ہاتھ سے ایسے ذلیل کو قتل نہ کروں گا"

لوگ خاموش کھڑے تھے کہ اس نے جلاد کو حکم دیا "میری تلوار سے حسینؓ کے قاصد کی گردن اڑا دو" حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور اس قتل کا یہ اثر ہوا کہ تمام بصرہ میں سناٹا چھا گیا اس کے بعد عبید اللہ کوفہ روانہ ہو گیا۔

رستے ہی میں یہ پتہ عبید اللہ نے لگا لیا تھا کہ مسلمؓ کوفہ پہنچ گئے ھانی کے مکان پر ٹھہرے ہوئے ہیں اور خوب آؤ بھگت ہو رہی ہے۔ اس لئے وہ چاہتا تھا کہ کوفہ پہنچتے ہی مسلمؓ کو قتل کر دوں۔ مگر جب یہ سنا کہ پچاس ساٹھ ہزار آدمی بیعت کر چکے ہیں اور امام حسینؓ کے واسطے بے چین ہیں تو اس تجویز کی تکمیل میں تامل ہوا اور سوچا کہ بغیر مکر کے کام نہ چلے گا اسی لئے سیدھا راستہ چھوڑ کر ہمراہیوں کو قادسیہ میں اتار اور خود بھیس بدل امام حسینؓ کی صورت میں کوفہ پہنچا اس وقت رات کا ابتدائی حصہ تھا چونکہ کوفہ والوں کے پیہم خطوط روانہ ہو چکے تھے ان کو امام کی آمد کا یقین ہو گیا۔ جوق درجوق استقبال کو پہنچے اور ابن رسول اللہ، ابن رسول اللہ کی صداؤں سے

درودیوار گونج اُٹھے ابن زیاد نے سیدھا دارالامان کا راستہ لیا

نعمان بن بشیر نے جب یہ حالت دیکھی تو بہت پشیمان ہوا اور سمجھا کہ اگر امام حسینؓ کا یہاں قیام ہوا تو مزید قیامت برپا کر دے گا۔ اس لئے حکم دیا کہ قلعے کا دروازہ بند کر دو اس کا خیال تھا کہ اس طرح امام حسینؓ اور کوئی یہاں سے چلے جائیں گے مگر جب جمعیت پریشان نہ ہوئی تو اس نے چھت پر سے آواز دی کہ "اے ابن رسول اللہ آپ دوسری جگہ قیام فرمائیے۔ آپ کوفہ پر قبضہ نہیں کر سکتے"

نعمان کا یہ رنگ دیکھ کر عبید اللہ آگ بگولا ہو گیا اور سختی سے کہا کہ "دروازہ کھول میں عبید اللہ ابن زیاد ہوں" اس کا نام سنتے ہی کوفی بھاگنے شروع ہو گئے اور عبید اللہ نے رات قلعہ میں گذار کر علی الصباح تمام کوفہ کو طلب کیا اور ان کے سامنے ایسی غضب ناک تقریر کی کہ ہوش اڑ گئے اس نے اپنی گفتگو کو ان الفاظ پر ختم کیا کہ "مجھے سب کی بیعتوں کا حال معلوم ہے۔ اور میری فوج قادسیہ میں موجود ہے اور اب آتی ہو گی تم سب کے خون کی پیاسی ہے میں ابن زیاد ہوں اور چشم زدن میں تم سب کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا لیکن اس وقت تم سب کو جو مجرم کی حیثیت سے میرے سامنے ہو اور بیعت کا جو حقیقتاً بغاوت ہے جرم کیا ہے۔ پناہ دیتا ہوں جس قدر جلد ممکن ہو مسلمؓ کو میرے حوالہ کرو۔ امن وامان سے رہو۔ اور یاد رکھو کہ اگر حسینؓ کی بیعت کا نام کسی گھر سے بلند ہوا تو مسمار کر دوں گا۔ کسی زبان سے سُنا تو حلق سے زبان نکال لوں گا اور کسی شخص نے کہا تو ٹکڑے اُڑا دوں گا"

اس تقریر کا کافی اثر ہوا اور کوفیوں کے دل دھکڑ دھکڑ کرنے لگے ھانی جن کے ہاں مسلمؓ مقیم تھے خاموش رہے۔ جب یہ لوگ رخصت ہوئے تو وہ رستے بھر سوچتے رہے کہ کیا کرنا چاہیئے عبیداللہ کی فرعونیت کا خیال آتا تھا تو کانپ جاتے تھے اور حق کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا تو زیادہ پکے ہو جاتے تھے بالآخر انھوں نے یہی فیصلہ کیا کہ جان رہے یا جائے مسلمؓ کو نہ دوں گا، عبید کو خبر تو لگ گئی تھی کہ مسلمؓ ھانی کے ہاں مقیم ہیں لیکن وہ سمجھتا تھا کہ اگر یہ صحیح ہے تو ھانی خوف زدہ ہو کر مسلمؓ کو حوالہ کر دیں گے دن اسی اُدھیڑ بُن میں بسر ہوا، شام کے وقت عبید نے یہ مکر کیا کہ اپنے غلام معقل کو کچھ روپے دے کر قاصد کی پوشاک پہنائی اور ھانی اس کے داؤں میں آگئے اور فرضی قاصد کو حضرت مسلمؓ تک پہنچا دیا۔

غلام پتہ لگا کر واپس آیا اور مفصل کیفیت بیان کی تو ھانی کے گھر مسلمؓ کے قیام کا یقین ہوتے ہی عبید سانپ کی طرح سر دھننے لگا۔ ساری رات انگاروں پر لوٹ کر کاٹی، ابھی مؤذن کی صدا ختم نہ ہوئی تھی اور طائرانِ صحرائی صبح کے استقبال میں ہمہ تن تھے کہ اس نے فوج کے ایک دستہ کو بلا کر حکم دیا کہ ھانی کو پابجولاں حاضر کرو۔ دستہ سیدھا مسجد میں پہنچا، ادھر ھانی نے سلام پھیرا ادھر جمعیت نے ھانی کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں اور عبید کے پاس لے گئے وہ ایک موٹا عصا جس کی دونوں شاخیں لوہے کی تھیں پھرا کر کہنے لگا " او نمک حرام میری کل کی تقریر بھول گیا، میں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ مسلمؓ کو پناہ دینے والے کے ساتھ اس کے

گھر بھر کو تہ تیغ کر دوں گا" میرے باپ زیاد نے جس وقت کوفہ میں قتل عام کیا ہے اور امیر معاویہؓ کے باغیوں کو چن چن کر خاک میں ملایا تو تو اور تیرا باپ قدموں میں گرے اور قسم کھائی کہ ہم بنو فاطمہ کا ساتھ نہ دیں گے۔ اگر میں اس وقت موجود ہوتا تو سب سے پہلے تیری بوٹیاں چیل کووں کو دیتا۔ اس نیکی کا بدلہ یہ ہے کہ میرے اعلان کے بعد بھی تو نے خلیفہ کے دشمن باغی کو اپنے گھر میں پناہ دی میں تجھ کو ایسی سزا دوں گا جو تمام کوفہ یاد رکھے"!

یہ کہہ کر عبید نے اپنا عصا ھانی کی ناک پر مارا اور دانت پیس کر کہا" اس باغی کو ابھی قید کرو" لوہے کی شاموں سے ھانی کی ناک کا بانسہ ٹوٹ گیا۔ اور چہرہ لہولہان ہو گیا۔ ھانی کو قید خانہ بھیج کر عبید نے حکم دیا کہ" مسلمؑ کو حاضر کرو"

ھانی کی گرفتاری اور قید کی خبر کوفہ میں بجلی کی طرح دوڑ گئی۔ اور بعض حلقوں میں ان کے قتل کا یقین ہو گیا۔ حضرت مسلمؑ کو جب یہ خبر لگی تو باوجود انتہائے تحمل اور حلم کے ہاشمی خون میں جوش آیا اور وہ تلوار لے کر باہر نکلے کہ ھانی کا بدلہ لیں اور خود بھی شہید ہو جائیں۔ اس موقعہ پر صرف قبیلہ ھانی کے لوگ ان کے ساتھ ہوئے اور پانچ ہزار کے قریب یہ مجمع دار الامان پر پہنچا۔ ابن زیاد نے ان لوگوں کو آتے دیکھ کر دروازے بند کر لئے اور تیر اندازی شروع کر دی۔ کوفی یہ دیکھ کر ایسے بھاگے کہ پلٹنے کا نام نہ لیا مجبوراً مسلمؑ بھی تھکے ہارے بھوکے پیاسے ایک طرف چل کھڑے ہوئے عصر کی نماز راستہ میں ادا کی۔ ادھر دیکھا تو ایک عورت جس کا نام

طوعہ کھڑی ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی اس سے کہا "میں پیاسا ہوں دو گھونٹ پانی پلادے۔" طوعہ عشقِ رسول میں تر اور اہلِ بیت کے نام پر فدا تھی۔ پانی لائی اور دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ صورت، شکل اور حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پردیسی ہیں۔ یہاں کل سے افراتفری ہو رہی ہے اور ابن زیاد نے گلی کوچے پر حضرت مسلمؓ کے واسطے پہرے بٹھا رکھے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ پر بھی کوئی مصیبت آ جائے۔" اس کی باتوں میں خلوص اور محبت کے جواہرات جگمگا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: "مسلمؓ میں ہی ہوں، اگر تو پناہ دے تو رات تیرے ہاں گزار دوں، صبح اٹھ کر مدینہ چلے جاؤں گا۔" مسلمؓ کا نام سنتے ہی طوعہ کے ہر اس پر خوشی کی بارش ہونے لگی، عاجزی سے کندھے جھکا دیئے اور جوش بے خودی میں اچھل کر کہا: "طوعہ اور اس کا گھر آپ پر قربان، میرے نصیب ایسے کہاں کہ آپ کے قدم آئیں بسم اللہ کیجئے۔"

مہمان کا استقبال طوعہ دلی امنگوں سے کر رہی تھی بس نہ چلتا کہ آنکھیں بچھاتی اور پروانہ کی طرح قربان ہو جاتی آدھی رات کا وقت تھا کہ اس کا لڑکا دربار عبید اللہ سے جھومتا جھامتا گھر پہنچا۔ ماں نے باغ باغ ہو کر کہا "ہمارے مقدر ایسے کہاں کہ حضرت مسلمؓ تشریف فرما ہوں۔ قدم چوم اور قربان ہو کہ قسمت جاگ گئی۔" بیٹا نہال نہال ہو گیا۔ مہمان کے واسطے طوعہ اور اس کے لڑکے کا دل خوشیوں سے لبریز تھا اور دونوں بغلیں بجا رہے تھے۔ مگر دونوں کی مسرت مختلف تھی طوعہ اپنے گھر کو دیکھتی اور مسلمؓ کو اور بے اختیار ہو کر قدموں میں گر پڑتی تھی۔ اس کا لڑکا تاے

گن گن کر رات کاٹ رہا تھا کس طرح جاؤں اور ابن زیاد کو مسلمؓ کی خبر دے کر انعام حاصل کروں۔ طوعہ کو بیٹے کے جانے کا حال اس وقت معلوم ہوا جب عبید ہی دستہ نے آکر مسلمؓ کو گرفتار کیا اور ابنِ زیاد کے حکم سے وہ بھی ہانی کے ساتھ قید کر دیئے گئے۔

کوفیوں کے دل میں اس خبر سے ایک دفعہ اور جوش پیدا ہوا اور دو ہزار آدمیوں کا ایک گروہ دار الحکومت پر پہنچا۔ دروازے بند تھے ابنِ زیاد نے حکم دیا کہ سب کو تیروں سے چھید دو اور مسلمؓ و ہانی کے سر کاٹ کر نیچے پھینک دو۔ دفعتہً دونوں سر زمین پر تڑپنے لگے۔ اس وقت عبید کا ایسا خوف طاری ہوا کہ کوفی گھروں کے اندر چھپ کر بیٹھ گئے۔

مسلمؓ اور ہانی کو شہید کر لینے کے بعد عبید اللہ ابن زیاد نے جلسہ عام کیا اب اس کا رعب اس قدر چھا چکا تھا کہ کوفہ کا بچہ بچہ دست بستہ حاضر ہوا۔

آفتاب خاصی طرح ڈھل چکا تھا اور کوفہ کی سر زمین جس نے مسلمؓ کا خون اپنی گود میں لیا۔ آج ایک عجیب تماشہ کا انتظار کر رہی تھی۔ طلائی شامیانہ مرصع تخت سے جگمگا رہا تھا جس پر عبید اللہ ایک گرز ہاتھ میں لئے تکبر و نخوت کے نشہ میں جھوم رہا تھا۔ مکر و دغا کے دیو اس کے خود میں چمک رہے تھے اور ظلم و ستم کے جن اس کے سر پر سوار تھے۔ چاروں طرف اکابر کوفہ اور سرداران فوج خاموش بیٹھے تھے اور سامنے رعیت کا ایک انبوہ کثیر موجود تھا معقل نے ایک کشتی میں کھجوریں پیش کیں عبید نے اس میں سے

تھوڑی سے کر درباریوں میں تقسیم کا حکم دیا۔ اس کے بعد باواز بلند کہا۔

"میں نے جو کچھ کہا تھا اس کو پورا کر دکھایا ھانی اور مسلمؓ بغاوت کی سزا پاچکے ضرورت ہے کہ میں تم میں سے اُن سب کو جنھوں نے دروازہ حکومت پر حملہ کیا اس سے زیادہ سخت سزا دوں مگر اپنے رحم و کرم سے عفو کا عام اعلان کرتا ہوں لیکن تم لوگ اچھی طرح سمجھ لو کہ آیندہ کوفہ میں بغاوت کا نام بھی میں نے سنا تو گھر کے گھر صاف کر دوں گا اگر یزید کی خلافت سے تم لوگوں نے انکار تو درکنار تامل بھی کیا تو میری یہ تلوار تمہاری نافرمانی کا مزہ چکھانے کو کافی ہے حسینؓ ابن علی آنے والے ہیں یاد رکھو کہ اگر ایک متنفس نے بھی ان کو پناہ دی یا ان کی طرف متوجہ ہوا تو اپنے سارے گھر پر بلا نازل کریگا"

عبید آگے کہتا اور کہہ رہا تھا کہ ایک عورت سر پر ردا ڈالے اُٹھی

اور کہا ابنِ زیاد جس شیطان کی خبر ہم کو کلام الٰہی نے دی تھی وہ تو نے آنکھ سے دکھا دیا۔ اس نے خدا کی نافرمانی میں آدم کو سجدہ نہ کیا۔ تو نے یزید کی فرماں برداری میں رسولِ خدا کو خون کے آنسو رلوائے تو اپنی طاقت کے گھمنڈ پر مخلوقِ خدا کی زبان ممکن ہے بند کرے، مگر کیا تو دلوں کی محبت اور عقیدت کو فنا کر سکتا ہے؟ ہمارے دل مسلمؓ بن عقیلؓ کو رو رہے ہیں اور تیرے اس ظلم پر اگر زبانوں سے نہیں تو دلوں سے لعنت برسا رہے ہیں، روسیاہ ابنِ زیاد تو نے اپنے ساتھ میری عاقبت بھی برباد کر دی اور میں نہیں جانتی کہ میری خطا اور قصور کی کیا سزا ملے گی۔ میرا کلیجہ منہ کو آرہا ہے۔ اور میرا دل کانپ رہا ہے۔ میں وہ بدبخت ہوں کہ میں نے آلِ رسول سے دغا کی اور سید کو پناہ دے کر

اس کی جان لی۔ ارے تو نے میرا دین و دنیا دونوں برباد کئے زمین پھٹ جاتی اور میں سما جاتی" آسمان ٹوٹتا اور میں دبتی جس وقت مظلوم و معصوم مسلمؓ نے تیرے مظالم کی بارش میں نماز عصر ادا کی ہے اور حسرت سے چاروں طرف دیکھا ہے میں اس لئے کہ اس کے نانا کا کلمہ پڑھتی ہوں اس کی بے کسی پر رو دی، مگر ہائے مجھے معلوم نہ تھا کہ میں اس سے دغا کر رہی ہوں اور پناہ کے بہانہ سے اس کو قتل کراؤں گی ایمان اس بھولی صورت کے بوسے لے رہا تھا اور انصاف اس کی تنہائی کو سجدے کرتا تھا۔ میری بدنصیبی تھی کہ میں نے پیاسے مسلمؓ کو پانی پلایا اور بھوکے مہمان کو گھر میں لے گئی اور اپنے لڑکے کے ذریعہ اس کی شہادت کا باعث ہوئی مجھے کیا معلوم تھا کہ میرے پیٹ سے وہ سانپ پیدا ہو رہا ہے جس کی پھنکار خاندانِ رسالت کو ڈسے گی اور میری گود سے دودھ پینے اور پلنے والا جفاکار اہل بیت کے خون کا پیاسا ہوگا۔ تو اس کوفہ کا حاکم ہے اور خدا کی بہت بڑی زمین پر حکومت کر رہا ہے۔ اس لئے جس کو تو نے شہید کیا وہ چونکہ پردیسی تھا، اب اس کے مال کا بھی تو ہی وارث ہے جو اس نے اپنے بعد چھوڑا۔ یہ خدا کا کلام ہے جو ہر وقت اس کے گلے میں رہتا تھا تو اس کی امانت مجھ سے لے لے مجھ جیسی دغا باز عورت کو جس نے مہمان کو دھوکہ دے کر جان لی دنیا میں رہنے کا حق نہیں۔ خدارا حکم دے کہ جلاد میرا خاتمہ کر دے زمین مجھ پر تھوکے گی آسمان مجھ پر لعنت برسائے گا۔ دنیا جب تک آباد ہے اور اس کے بسنے والے جب تک موجود ہیں مجھ پر تبرا بھیجیں گے، یہ چادر جو پیوندوں سے لسی ہوئی ہے اسی مسلمؓ کی ملکیت

ہے جس کی سچائی تیرے ظلم کی بھینٹ چڑھی۔ اس کو سر پر رکھوں' آنکھوں سے لگاؤں اور زندہ ہو جاؤں۔ اگر مسلمؓ مسلمؓ کہتی مرجاؤں' یہ میرا لڑکا جو تیرے پاس بیٹھا ہے جس نے تجھ کو مسلمؓ کے ٹھہرنے کی خبر دی۔ کاش میری آنکھوں کے سامنے پیوندِ زمین ہو جاتا اور میں اپنے ہاتھوں سے اس کو دفن کرتی اور سرخرو ہوتی۔ ابن زیاد للہ مجھ کو بتا کہ مسلمؓ شہید کی لاش کدھر ہے میں تجھ سے زیادہ سنگ دل ہوں کہ میں نے خدا اور اس کے رسول سے دغا کی اور بے گناہ مسلمؓ کو اس لئے اپنے ہاں چھپایا کہ مخبری کروں لے ابن زیاد دل تڑپ اٹھتا ہے جب مسلمؓ معصوم کی تصویر آنکھ کے سامنے آتی ہے کس حسرت سے چاروں طرف دیکھتا ہوگا۔ اور بے گناہ دل مجھ رو سیاہ کے واسطے کیا کہتا ہوگا' خدارا مجھے قتل کر' میری بوٹیاں چیل کوؤں کو دے کہ میرے گناہ کی کچھ تلافی ہو سکے' میرے بے گناہ شہید کی لاش للہ مجھے دیدے کہ میں اس پر قربان ہوں مسلمانوں رحم کرو اور بتاؤ کہ جس ماں کے پیٹ سے ایسا ناہنجار بچہ پیدا ہو جو خدا اور اس کے رسول سے دغا کرے اس کا کیا حشر ہوگا

اس مامتا میں آگ تھی' اس گود میں ناگ تھا' ان چھاتیوں میں زہر تھا۔ اس گھر پر قہر تھا۔ ابن زیاد اس کے بعد نہ سن سکا اور کہا تیری زبان درازی کی یہ سزا ہے کہ مسلمؓ کے ساتھ جو کچھ کیا گیا وہ تیرے گناہ گار بیٹے کے ساتھ کیا جائے۔ یہ کہہ کر اپنے ہاتھ سے اس کی گردن اڑادی۔

حضرت مسلمؓ کے بچوں کی شہادت

دوسرے دن ابن زیاد نے ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ مسلمؓ کے دونوں بچے محمدؐ اور ابراہیم کوفہ میں موجود ہیں۔ جو شخص ان کو پا بجولاں لائیگا میں ان کو مالامال کردوں گا اور اگر کسی نے ان کو پناہ دی تو زن و بچہ کو لہو میں پلواوں گا۔ قاضی شریح جن کا گھر ان دو یتیم و لاوارث مہمانوں سے منور تھا۔ عاشقِ رسول تھے مگر ابنِ زیاد کے حکم سے پریشان ہو گئے دونوں بچوں کو کلیجے سے لگایا اور آدھی رات کے وقت ان کو تھوڑا سا کھانا دے کر اپنے گھر سے رخصت کر قادسیہ کی سڑک پر چھوڑ دیا کہ سیدھے مدینہ چلے جاؤ، رات اندھیری تھی اور جنگل خوفناک، چھ اور آٹھ برس کے دو بچے جن کے پاؤں لہو لہان ہو گئے راستہ چل رہے تھے۔ ننھے سے دل سہم رہے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عنقریب ظالم ہم کو پکڑنے آ رہے ہیں۔ تھک کر بیٹھتے تھے۔ ڈر کر اُٹھتے تھے اور گھبرا کر بھاگتے تھے، رستہ بھول گئے اور مدینہ کے معصوم مسافر بھولے بھٹکے کوفہ سے آگے نہ بڑھ سکے، یہاں تک کہ رات نے بدنصیبوں کا ساتھ چھوڑا اور شبنم صبح نے بیکسوں کی حالت پر آنسو گرائے، پو پھٹتے ہی دونوں کے کلیجے دھکڑ دھکڑ کرنے لگے۔ حسرت سے ایک نے دوسرے کی صورت دیکھی اور یقین ہو گیا کہ آج آفتاب ہمارے واسطے پیغام موت لے آیا۔ دشمن چاروں طرف تلاش میں پھر رہے تھے آسمان و زمین یہاں تک کہ پاؤں تلے کی چیونٹی بھی خون کی پیاسی تھی۔ کیسا نازک وقت تھا۔ خاندانِ اہلِ بیت کے

دو پھولوں کی تلاش میں اُسی خاندان کا کلمہ پڑھنے والا حاکم اُس کی پوری کلمہ گو فوج اور شہر کی تمام آبادی جس نے مہمان نوازی کا وعدہ کیا تھا جان کے درپے تھے۔ چاروں طرف نگاہِ دوڑائی مگر کوئی اللہ کا بندہ ایسا نظر نہ آیا کہ بن باپ کے بچوں کو پناہ دیتا، اوپر نگاہ اٹھا کر دیکھا آسمان دور تھا زمین پر نظر ڈالی سخت تھی سہمے ہوئے ایک دوسرے سے لپٹے کھڑے تھے' دل ہوا ہو رہا تھا' اور موت کی تصویر ہر طرف سے نظر آ رہی تھی۔ دریا آنکھوں کے سامنے لہریں لے رہا تھا کچھ فاصلے پر ایک درخت نظر آیا حالتِ مایوسی میں اس طرف لپکے اور ایک تنے کی کھوہ میں دونوں چھپ گئے کہ دن بسر ہو جائے تو رات نکل کھڑے ہوں گے۔ چڑیوں کے چہچے ختم ہو گئے۔ ہوا کی رفتار مدہم اور آفتاب نے اپنی نظریں یتیمانِ عقیل پر ڈالیں کہ ایک عورت پانی کی تلاش میں کنارۂ دریا پر آئی۔ ڈول ڈالنا چاہتی تھی کہ سطحِ آب پر کھلے ہوئے پھول نظر آئے اور نگاہ اٹھا کر دیکھتی ہے تو دو بچے لپٹے ہوئے بیٹھے ہیں سمجھ گئی اور معصوموں کی حالت پر کلیجہ کٹ گیا کہنے لگی۔

"مسلم کے بچو اُتر و میرے گلے سے لگ جاؤ"

لرز گئے چھپنے کی کوشش کی۔ جگہ نہ تھی نیچے اُترے۔ تھر تھر کانپ رہے تھے زبانیں خاموش اور صورت تصویر تھی۔ کلیجہ سے لگایا اور کہا آؤ میرے گھر چلو' بے اولادی ہوں میرا دل ٹھنڈا کرو مسلمان ہوں میرا گھر روشن کرو۔ عاشقِ رسول ہوں، میری عزت بڑھاؤ۔ پیارو سہمو نہیں۔ ڈرو مت۔ دشمن نہیں لونڈی ہوں' ان کملائے ہوئے چہروں کی عاشق' اِن بھولی صورتوں کی شیدا۔ تمہارے پاؤں میرے سر و چشم پر ہوں گے اور تمہارے قدم میری آنکھوں پر۔

دل میں رکھوں گی۔ آنکھوں میں چھپاؤں گی۔ چھوٹے کو گود میں لیا۔ بڑے کی انگلی پکڑی باپ کی مفارقت اپنی غربت، دونوں خاموش تھے، عورت گھر لے گئی میمنہ تھی۔ بی بی سے کہا۔ ساقی کوثر کی جان۔ یہ بے زبان تیرے مہمان ہیں۔ کھڑی ہو اور دیکھ مسلمؓ شہید کے بچے تیری پناہ میں آئے ہیں۔ غربت ان کی صورتوں پر حسرت ان کے چہروں پر اور بے کسی ان کی عمروں پر برس رہی ہے دیکھنے میں بے بس ہوں مگر جنت کے مالک ہیں، معصوم ٹکٹکی باندھے بی بی کی صورت دیکھ رہے تھے۔ آگے بڑھی سر پر ہاتھ پھیرا اور لپٹ گئی رو کر کہا "مہمان نہیں سرتاج ہو" ان قدموں پر جان اور چاند سے ٹکڑوں پر زندگی نثار کروں نہلا دھلا کر کپڑے بدلے اور کھانا پکا کر آگے رکھا، چاہتے تھے کہ کھائیں مگر باپ کی موت یاد آگئی معصوم آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے گھر کی بی بی کے اصرار سے دو ایک لقمے کھا کر خاموش کونہ میں بیٹھ گئے۔

گرمی کا قیامت خیز موسم تھا، آفتاب ساڑھے چودہ گھنٹے مسلمؓ کے مہ پاروں پر نگاہ جما کر منزل ہو گیا اور ماہ ذی الحجہ کا قمر چہاردہم عقیل کے راج دلاروں کے پاؤں میں لوٹنے لگا۔ دونوں کے دونوں خاموش بیٹھ گئے۔ شب ماہ کا ابتدائی حصہ طے ہو چکا تھا کہ گھر کا مالک حارث داخل ہوا اور بیوی سے کہا دیکھئے مسلمؓ کے بچوں کا انعام کس کس کی تقدیر میں ہے، دن بھر مارا مارا پھرا ہوں کوئی کونہ کھدر ایسا نہیں جو نہ ڈھونڈ ڈالا ہو۔ مگر ہماری تقدیر ایسی کہاں؟"

بیوی: "تمہاری عقل کو کیا ہو گیا ہے۔ معمولی یتیم بچوں پر رحم

رنا خدا کی رضا مندی ہے یہ تو اہلِ بیت کے چراغ ہیں! ابن زیاد ملعون اپنا
مر دوزخ میں بنا چکا، دُنیا فانی ہے۔ بن باپ کے بچوں کے درپے نہ ہو یہ دولت
الغام ہمیشہ نہ رہے گا۔ صاحب اولاد ہو سوچو اور سمجھو ان کو مار کر دولت نہ لو
رحم کرو۔ جنت لو۔"

حارث:" کم بخت بے وقوف عورت سے کیا سمجھ سکتی ہے۔ ہٹ جا سامنے
ے دولت ہی نہیں عزت اور مرتبہ بھی تو ہے۔

ماں کے کلیجے سے چمٹ کر سونے والے بچے اس وقت اندھیرے گھپ میں
بےخبر پڑے ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈالے سوتے تھے، باپ شہید ہوا
ں کا بچھوا چھوٹ گیا۔ کوٹھری کی دیواریں اور دروازے کیواڑ۔ باپ کی آغوش
ور ماں کی مامتا تھے، چھوٹے نے باپ کی موت خواب میں دیکھی کئی روز سے چھوٹا
ہوا تھا آنکھیں اس صورت کو ترس گئی تھیں، بیتاب ہو کر چیخ اٹھا اور پکڑنے دوڑا۔
یے نے تسکین دی سینہ سے لگایا۔ اور رفع موقع کرنا چاہا معصوم جذبات قبضہ
یں نہ آسکے۔ پھر رو یا اور چلا کر کہا: ابا ابا"

ہوا نے یہ آواز حارث کے کان میں پہنچائی متحیر ہو کر اٹھا کوٹھری کھولی
چراغ جلا کر دیکھا تو بچے دُبکے سکڑے بیٹھے ہیں۔ پوچھا تم کون ہو؟" اس گھر کو
دارالامان اور گھر والوں کو خیر خواہ سمجھے ہوئے تھے جلدی سے کہا۔

مسلمؑ کے بچے

آگ بگولا ہو گیا، بال پکڑ کر گھسیٹتا ہوا باہر لایا، تھپڑ مارے اور کہا" دن
بھر حیران و پریشان کیا، کھانا تک نصیب نہ ہوا اور تم مزے سے سو رہے ہو رسی سے

مشکیں باندھ دیں لونڈی حارث کے سامنے آئی اور کہا کہ معصوم بے گناہ ہیں۔ ان کے پھول سے رخسار اور نازک بازو تیرے تھپڑوں اور مکوں کے قابل نہیں ان پر مصیبت میں لائی ہوں، میں نے ان کو دغا دی بھولے سے یہاں لائی اور تیرے چنگل میں پھنسا دیا۔ یہ باپ اور ماں دونوں سے چھوٹ گئے غریب الوطن اور قابل رحم ہیں۔ ان کی آنکھیں رو رہی ہیں، ان کے دل تڑپ رہے ہیں۔ یہ دوزخ و جنت کے مالک ہیں، ان پر رحم کر یہ نازک وقت تیرے کام آئیں گے اور جب ان کوئی کسی کے کام آنے والا نہ ہوگا۔ یہ تیرا بیڑا پار کریں گے۔ حارث اس تقریر سے اور بھی برافروختہ ہوا اور برا بھلا کہنا شروع کیا لونڈی بچوں کے قدموں پر گری اور کہا۔

"آنکھ کے تارو میری نیت کا حال خدا جانتا ہے میں بے گناہ ہوں میری تقدیر کا لکھا آگے آیا۔ تمہارے طمانچوں کے نشان میرے دل پر ہیں میں تمہارے ساتھ ہوں قیامت کے روز مجھ گنہگار کی لاج رکھنا۔"

حارث کی شومی تقدیر پر صبح کھل کھلا کر ہنستی اور دونوں معصوموں کو دریا کے کنارے لے گیا سنگ دل کی تیغ آبدار بچوں کے سر پر چمکی، بیوی اور کنیز سامنے آئیں اور مسلم کے لال اپنے سینے سے چمٹا لیے۔ مگر سفاک نے ان دونوں کا بھی خاتمہ کر دیا۔ اور بچوں سے کہا۔ "اب تم تیار ہو جاؤ کہ تلوار تمہاری گردنیں جدا کرتی ہے۔" محمد نے منت سے کہا۔

اس وقت صرف میری ایک التجا ہے اور اس کو قبول فرما کر ہماری مشکل آسان کر دے وہ یہ ہے کہ پہلے میری گردن اتار کہ میں اپنے چھوٹے بھائی

ابراہیم کی موت نہ دیکھوں اس وقت اس کا باپ یا ماں جو کچھ ہوں وہ میں ہوں" ابھی یہ گفتگو ختم نہ ہوئی تھی کہ چھوٹے نے بھی یہی التجا کی اور حارث کے ایک وار نے دونوں بھائیوں کی گردنیں تن سے جدا کردیں۔

سیّدہ کے لال کی مکّہ سے روانگی

کوفہ کی حالت سے مسلمؓ اور ان کے بچوں کی شہادت سے عبیداللہ ابن زیاد کی خباثت سے امام حسینؓ قطعی بے خبر تھے شہید مسلمؓ کے کوفہ پہنچتے ہی کوفہ والوں نے حسنِ عقیدت سے متاثر ہو کر جو خط لکھا تھا اس کو پڑھ کر اور کوفہ والوں کے اصرار پر جو وعدہ کر چکے تھے اس کے لحاظ سے مع اہل و عیال روانگی کا قصد کیا۔ عبداللہ ابن عباس عبداللہ ابن زبیرؓ کو خبر ہوئی تو یہ لوگ آئے اور کہا! "آپ کیا غضب کرتے ہیں، کوفیوں کے وعدے قابلِ اعتبار نہیں۔ آپ دیکھ چکے انھوں نے آپ کے باپ اور بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ حضرت علیؓ اور امام حسنؓ کی شہادت میں ان کی شرکت تھی، اب اس وقت ان کے خطوط اور پیاموں پر اعتبار کرنا درست نہیں ہے" اس گفتگو کا نتیجہ کچھ نہ نکلا امام حسینؓ کے قصد کو ان میں سے کوئی شخص متزلزل نہ کرسکا۔ اور آپ نے فرمایا کہ "مجھے ایک حدیث یاد ہے اور اندیشہ ہے کہ کہیں اس حدیث کے موافق کعبہ کی بےحرمتی میری وجہ سے نہ ہو جائے اس سے بچنے کے واسطے مجھے اذیت منظور ہے عمرو بن سعد حاکم مکّہ نے بھی آکر سمجھایا لیکن ہر کوشش بیکار اور اصرار بے سود ثابت ہوا۔ مجبوراً عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ

ابن عباسؓ نے کہا "اگر آپ نہیں مانتے تو اہل و عیال کو ساتھ نہ لیجئے۔ اور خود جا کر کوفہ والوں کے وعدہ کا تجربہ کر لیجئے"۔ آپ اس کو نوشتہ تقدیر سمجھ لینا چاہیئے یا اتفاق کہ حسینؓ اس رائے سے بھی متفق نہ ہو سکے اور کہا "زندگی کے آخری دنوں میں بال بچوں سے جدا نہیں ہو سکتا" المختصر ڈیڑھ سو کے قریب معتقدین کی حیثیت میں اور ستر کے قریب عزیز و اقارب یہ دو۔ سوا دو سو کا قافلہ مکہ معظمہ سے کوفہ کے واسطے تیار ہو۔

ہلالِ عید نمودار ہو چکا تھا دنیائے اسلام عید کی اور ارض حجاز حج کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی ماہ ذی الحجہ کی پہلی رات کا بڑا حصہ ختم ہو چکا، بیت اللہ کے در و دیوار نے اس مہمان کے واسطے جو دوشِ رسول اللہ کا سوار تھا اپنی آغوش کھول دی ہوا کی خنکی آمد صبح کا اعلان کر رہی تھی اور زیتون کی پتیاں سرسرا سرسرا کر وداعِ شب میں سرگرم تھیں، کھجوروں کے گچھے جھوم رہے تھے کائنات سادی فنا ہو رہی تھی ۔حرم خدا کا ذرہ ذرہ سنت ابراہیمی کی ادائیگی کے نعرے لگا رہا تھا پہاڑیوں کے سنگ ریزے توحید و رسالت کے ڈنکے بجا رہے تھے ابھی گریبان شب پوری طرح چاک نہ ہوا تھا اور رات کی زلف سیاہ لہرا لہرا کر آگے بڑھ رہی تھی کہ دوشِ رسول کا سوار خاموشی کے ساتھ خانہ خدا میں داخل ہوا۔ دو نفل پڑھے اور سجدے میں گر کر با آواز بلند عرض کیا۔

معبودِ حقیقی اس وقت جبکہ عید اضحی سر پر ہے اور دنیا کے مسلمان فریضہ حج کے واسطے تیرے گھر میں حاضر ہو رہے ہیں حسینؓ تیرے گھر سے

رخصت ہوتا ہے آج وہ درو دیوار جن میں عمر کا ایک حصہ گذرا تھا بچھڑتے ہیں اور جہاں شب و روز تیری رحمت نازل ہوئی تھی آنکھ سے اوجھل ہوتا ہے۔ میں اپنے نانا اور تیرے محبوب کے ارشاد کی تعمیل میں کہ مکہ میں خون بہایا جائے گا اور خانہ خدا کی بے حرمتی ہوگی، تیرا گھر چھوڑتا ہوں۔ مخبر صادق نے جس کی خبر دی ہے وہ میں ہی نہ ہوں اور میری وجہ سے کعبۃ اللہ کا صحن خون سے لبریز ہو۔ احکم الحاکمین مجھ گنہگار کا قصور معاف کر تو جانتا ہے اس لئے کہ علیم ہے کہ میرا سفر تیرے گھر کا احترام ہے اور میں سخت موسم اور قیامت خیز لُو میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی تکلیف اس لئے گوارا کر رہا ہوں کہ نانا جان کا ارشاد میرے ہی واسطے پورا نہ ہو جائے۔ الہ العالمین اس وقت حسینؓ کے سر پر کوئی بزرگ زندہ نہیں نانا کا دامن جس کے سایہ میں پرورش پائی تھی ختم ہوا۔ اور ماں کی گود جس میں پلا تھا فنا ہوئی۔ باپ کی آنکھ بند ہوئی اور برابر کا بھائی بھی اٹھ گیا۔ اب بے کس حسینؓ پر تمام دنیا کی یورش ہے اور ہر طرف سے اس کے قتل کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں، دشمن علیؓ جیسے باپ اور حسنؓ جیسے بھائی کو مجھ سے چھین چکے اب خاندانِ رسالت کو مجھ سے محروم کرنے کی کوشش ہے رحم فرما خالق الموجودات! کرم کر۔ ناموس کو سنگ دل و جفا کار انسانوں کی ناجائز کوششوں سے محفوظ رکھ۔ تو ہی ہمارا بہترین وارث ہے، اور تیرے محبوب کا کنبہ تیرے سپرد ہے، کیسا نازک وقت ہے، بھیڑ اور دنبے اور بکریاں اپنے اپنے بچوں کے لئے تیرے گھر کا طواف کر رہے ہیں۔ جب دن کی روشنی پردۂ دنیا سے غائب ہوگی اور رات کا اندھیرا تیری مخلوق کے

سر پر ہوگا۔ اس وقت یہ جانور اپنے بچوں کو کلیجے سے لگائے راحت و اطمینان سے پہاڑوں کے سنگ ریزوں میں اپنے وطن کے دامن پر منہ رکھے نیند کی لپیٹ میں ہوں گے۔ مگر حسین اپنے عزیزوں کو لئے وطن سے دُور تیرے گھر سے بچھڑا ہوا پردیس میں گھر کو ترسے گا" اس لئے اور صرف اس لئے کہ تیرے حکم کی تعمیل میں فاسق و فاجر کی بیعت سے منکر ہوں۔ وہ ہاتھ جس کو تیرے محبوب نے بوسہ دیا یزید کے ہاتھ میں نہ جائیگا اور وہ زبان جس کو تیرے پیارے نے چوما اس مے خوار کو امیر تسلیم نہ کرے گی۔ الہ العالمین میری خطاؤں سے درگذر فرما اور توفیق دے کہ دشمنوں کے مظالم ہنسی خوشی برداشت کروں صبر و رضا میرا شیوہ ہے' اور استقامت میرا راستہ رب العالمین تیرے در سے جاتے ہوئے کلیجہ مُنہ کو آتا ہے مگر تیرے ہی واسطے جاتا ہوں کہ جفا کار تیرے گھر کو ناپاک نہ کریں۔ یہ خاک جس میں برسوں لوٹا ہوں جو آج بھی میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اس کو بوسہ دیتا ہوا وداع ہوتا ہوں اور یہ در و دیوار جو ماں کے آغوش سے کم نہیں۔ اس پر حسرت آمیز نظریں ڈال کر روانہ ہوتا ہوں صدقہ اپنے محبوب کا مجھ پر کرم فرما الہ العالمین میرے قدم نہ ڈگمگائیں اور سیدھے راستہ پر چل کر بادی برحق شیر خدا اور سیدۃ النساء کی خدمت میں سرخرو حاضر ہوں۔

الوداع کعبہ کی دیوارو الوداع! گواہ رہنا کہ حسینؑ تمہاری بے حرمتی کے واسطے تم سے جُدا ہوتا ہے۔ مکہ کی پہاڑیوں خدا حافظ! تم شاہد ہو کہ فاطمہ کا لختِ جگر تمہاری تحفظ آبرو کے لیے تم کو چھوڑتا ہے۔"

اس کے بعد امام حسینؑ حرم خدا سے باہر نکلے اور مدینہ کی طرف منہ کرکے فرمایا۔

ناناجان آپ کی اُمت نے حسین کو اس قابل نہ رکھا کہ وہ آخری سلام کو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا' میرا وداعی سلام قبول فرمائیے۔ آپ کا روضہ جو میرے واسطے باعثِ تسکین تھا ہمیشہ کو چھوٹتا ہے میری بیمار بچی صغرا جس کا کوئی وارث نہیں ہے۔ جو باپ اور ماں کی صورت کو ترس رہی ہوگی آپ کے سپرد ہے' اس کی آنکھیں دروازے کو لگی ہوں گی اور وہ سمجھتی ہوگی۔ ساری اولاد میں صرف صغرا ہی اس قابل نہ تھی کہ حسین ساتھ لیتا مگر خدا گواہ ہے کہ وہ سفر کے قابل نہیں۔ ناناجان کا دل بیمار بچی کے واسطے تڑپ رہا ہے اور آنکھیں اس کی یاد میں گھنٹوں آنسو گراتی ہیں مگر دشمنوں نے اتنی مہلت نہ دی کہ پیاری صغرا کو آخری دفعہ کلیجہ سے لگا لیتا۔ اس کی بیماری نے جان پر بنا دی لیکن مجبور ہوں کہ جفا کار تلواریں لئے سامنے کھڑے ہیں اور ایک بشر کے واسطے ہزار ہا تلواریں نکلی ہوئی ہیں۔ آپ کے ارشاد کی تعمیل میں بیت اللہ کو ناپاکی سے بچاتا ہوں کہ خانہ خدا کی بیحرمتی نہ ہو' میرا سلام قبول فرمائیے اور دعا کیجئے کہ صراطِ مستقیم پر قایم رہوں۔ ناناجان بیوی اور بچے' عزیز و اقارب خدا اور اس کے رسول پر قربان ہیں ایسا نہ ہو کہ عزیزوں کی محبت یا بچوں کی مامتا میری صداقت میں حائل ہو جائے دعا کیجئے کہ فاطمہؓ کا خون ایسی شان دکھا دے کہ دنیا دنگ رہ جائے وقت آ جائے تو کلیجے کے ٹکڑے اس کی راہ میں قربان اور تیوری پر بل نہ لاؤں مدینہ کی خاک پاک میں آرام کرنے والے نانا الوداع الوداع الوداع!!

موذن کی صدائے توحید نے رات کی سیاسی کا خاتمہ کیا۔ امام حسینؓ نمازِ فجر خانۂ کعبہ میں ادا کرنے کے بعد گھر میں تشریف لائے اور روانگی کا اہتمام

شروع کیا، اور سیّدوں کا یہ قافلہ کوفہ کو روانہ ہوا۔
ابن زیاد نے چاروں طرف آدمی چھوڑ رکھے تھے کہ امام حسین زیادہ حیل وحجت کریں تو راستہ ہی میں ان کا خاتمہ کر دو۔ اتفاق سے عرب کا مشہور شاعر فرزدق جس کے نعتیہ اشعار آج تک بچّہ بچّہ کی زبان پر ہیں اور حضورِ کریم اور اہلِ بیت سے انتہائی محبت رکھتا تھا، راستہ میں ملا۔ وہ چونکہ کوفہ سے آ رہا تھا، اُس نے آپ سے کہا: "کوفیوں کی زبانیں آپ کے ساتھ ہیں دل حکومت کے ساتھ۔ فیصلہ خدا کے ہاتھ" فرزدق نے بھی کوفہ کے جانے کی مخالفت کی، مگر آپ آگے بڑھے اور ثعلبیہ میں قیام کیا تو بکر اسعدی سامنے آئے اور کہا آپ کوفہ جانے سے باز آیئے اور بال بچّوں پر رحم کیجئے ابن زیاد نے عمر وسعد کو آپ کے واسطے روانہ کر دیا ہے اور وہ ایک جماعت کثیر کے ساتھ قادسیہ کی طرف آپ کی گرفتاری اور قتل کے واسطے پڑا ہوا ہے مسلمؓ اور اُن کے بچے شہید کر دیئے گئے بہتر ہے کہ آپ واپس چلے جائیں ورنہ یہ آپ کا مختصر قافلہ ایک ہی حملہ میں فنا ہو جائے گا۔ آپ اس کی گفتگو سن کر بہت متاثر ہوئے اور مسلمؓ کی شہادت سُن کر ارادہ کیا کہ واپس جائیں مگر اُن کے خاندان نے واپسی سے انکار کر دیا اور کہا "جب تک ہم عبید اور کوفیوں سے مسلمؓ کا بدلہ نہ لیں گے گھر واپس نہیں ہو سکتے۔ آپ بھی خاموش ہو گئے مسلمؓ اور اُن کے بچّوں کی شہادت نے امام حسینؓ کے دل پر کچھ ایسا اثر کیا کہ رات اسی منزل میں بسر کی مسلمؓ کی قربانی اور ان کے ننھے ننھے بچّوں کی شہادت کا خیال رہ رہ کر آپ

ریشان کر رہا تھا اور جب یہ خیال آتا تھا کہ بھائی نہ صرف خود ہی جان نثار کر گیا نہ اپنی عمر بھر کی جمع پونجی دونوں بچے بھی مجھ پر قربان کر گیا اور میری وجہ سے بے گناہ معصوم مظالم کا شکار ہوئے تو ان کی بچی کی طرف دیکھتے تھے اور ان کی یتیمی پر ٹھنڈے سانس بھرتے تھے کوشش کرتے تھے کہ باپ اور بھائیوں کی شہادت کا حال اس بچی کو نہ معلوم ہو۔ مگر جب بے قصور بھائی کی شہادت یاد کی واقعات بے کسی اور بے بسی کا سماں سامنے لا کر کھڑا کرتے اور پھول سے بچوں کی تصویر ان کی معصومیت کا دھیان آتا تو بیتاب ہو جاتے۔ دفعتہً بچی کو پاس کر کلیجہ سے لگایا سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا بی بی بڑی تکلیف اٹھاری ہو بچی نو برس کی جان پوری طرح نہ سمجھ سکی مگر چچا کی صورت دیکھنے لگی امام حسینؓ نے سر کو بوسہ دیا تو کہنے لگی۔

چچا جان میرے ابا تو خیریت سے ہیں آپ میرے سر پر یتیم بچوں کی طرح کیوں ہاتھ پھیر رہے ہیں، خدارا بتائیے کہ ابا جان کے متعلق تو کچھ نہیں سنا۔ اللہ میرے ابا کو خیریت سے لائے۔ اچھی چچا جان کہئے تو سہی آپ کیوں رو رہے ہیں۔ کیا میرے ابا کی کچھ خبر سنی ہے؟ بچی کی اس گفتگو سے امام کا دل بھر آیا بے اختیار ہو کر لپٹ گئے اور فرمایا، "تیرا باپ میں ہوں اور بھائی یہ موجود ہیں" اس جواب نے بچی کو یقین دلا دیا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور پردیس میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔ چیخ مار قدموں میں گر پڑی اور کہا۔ "چچا جان ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابا جان اور میرے دونوں بھائی شہید کئے گئے" امام حسین نے گود میں لے کر فرمایا "بی بی تمہارے باپ خاندان کا حق ادا کر گئے اور بھائی حسنؓ کے بعد حقیقی بھائی کی محبت یاد دلا دی اور اس سفر میں حسینؓ

کو اکیلا چھوڑ کر نانا جان کے پاس پہنچ گئے۔ انھوں نے دُنیا کو دکھا دیا کہ دین کے معاملہ میں جان کوئی چیز نہیں۔ ہمارے قافلہ کی امیدیں اُن کے دم سے تھیں اور میں اُن ہی کے بھروسہ پر مکّے سے روانہ ہوا تھا خدا کو جو منظور تھا ہوا۔"

امام حسین علیہ السلام اور حُر کی گفتگو

رات تمام قافلہ نے رو دھو کر کاٹی نماز فجر کے بعد روانگی کا قصد کر رہے تھے کہ حُر بن ریاحی ایک دستہ فوج لے کر سامنے آتا دکھائی دیا اور اندیشہ تھا کہ شاید دشمن آگے نہ بڑھنے دے اور اسی جگہ سے لڑائی شروع ہو جائے۔ مگر حُر نے اپنی جماعت کو علیحدہ چھوڑ کر قاصد بھیجا اور حاضری کی اجازت چاہی۔ آپ اس کے اس فعل سے خوش ہوئے اور اجازت دی، جب وہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا "کہو کیا کہتے ہو" حُر کی آنکھوں میں آنسو آگئے زمین بوس ہو کر کہا "کیا عرض کروں کس منہ سے کہوں اور کس دل سے اگر گستاخی نہ ہو تو بہ ادب عرض کرتا ہوں کہ اے ابنِ رسول عبید اور عمرو سعد نے اس غرض سے مقرر کیا کہ گھیر کر گرفتار کروں اور سرِ مبارک تن سے جدا کر دوں۔ مگر کٹ جائیں وہ ہاتھ جو اس غرض سے اٹھیں اور پھوٹ جائیں وہ آنکھیں جو یہ مقصد لئے بلند ہوں، زمین اژدہا بن کر نگل جائے اور آسمان قہر بن کر ٹوٹ پڑے اس سے پہلے کہ رسولِ خدا کے جگر گوشوں سے بے ایمانی کروں۔ اے ابنِ رسول اللہ میرے نیک مقصد میں میری مدد فرمایئے اور دعا کیجئے کہ قیامت کے روز مجھے دامنِ رسالت میں پناہ ملے۔

بہتر یہ ہے کہ آپ فوراً بال بچوں سمیت کسی طرف چلے جائیے۔ میں یا میری فوج اتنی مجال نہیں رکھتی کہ مزاحمت کریں ہم اپنے رسول زادے کو آنکھوں سے وداع کریں گے۔ عبید اور عمر وسعد دونوں کی آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑے ہیں، اور زندگی کی خطرناک خزاں ان کے ایمان کی بہار کا خاتمہ کر چکی۔ مکروہ الصورت اور کریہ الصورت دُنیا حسین دلہن بن کر ان کے سامنے آئی جو خدا اور اس کے رسولؐ کو بھول گئے میری التجا قبول ہو جدھر چاہئے تشریف لے جائیے"۔

امام حسینؓ نے حُر کے دلی جذبات کا اعتراف کیا اور کہا۔

"تم کو معلوم ہے کہ میرا بے گناہ بھائی اور اس کے معصوم بچے ابن زیاد نے شہید کر دیئے اس کی یتیم بچی میرے ساتھ ہے اب میرا جان بچانا ان کے زخموں پر نمک چھڑکے گا۔ جو قدم خدا کی راہ میں آگے بڑھ گئے اب خدا نہ کرے پیچھے ہٹیں"۔

ابھی یہ گفتگو پوری نہ ہوئی تھی کہ عمر وسعد ایک بڑی جمعیت لے کر آپہنچا اور حُر سے کہا "امام حسینؓ سے کہہ دو کہ اگر بیعت منظور ہے تو فبہا ورنہ سخت سے سخت تکلیف پہنچاؤں گا"۔

خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہر چند کوشش کی مگر عمر وسعد کا پیام زبان سے نہ دہرا سکے اور اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے واپس ہو گئے۔

امام حسینؓ آگے بڑھے اور قریب ہی کربلا کے قیام کیا۔

حُر کے معاملہ میں مسلمان مختلف الخیال ہیں بعض یہ کہتے ہیں کہ حُر۔ عبید ابن زیاد کے حکم سے حضرت امام حسینؓ کی خدمت میں آئے

اور جس وقت یہ قافلہ کربلا کے میدان میں پہنچا تو حُر کی آنکھوں میں سراب دُنیا جلوہ گر تھا اور وہ امام علیہ السلام کے خلاف ہر ظلم کو آمادہ تھے عمرو سعد کا پیام پہنچا کر واپس چلنے لگے تو امام حسینؓ نے حُر سے یہ کہا کہ "میری یہ تین خواہشیں ابن زیاد تک پہنچا دو، سب سے پہلی یہ کہ مجھے جانے دیں۔ میں مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ میں جا کر اللہ اللہ کروں گا۔ اگر اس میں تامل ہو تو دُنیا کے کسی اور گوشہ میں چلا جاؤں اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو میرا راستہ چھوڑ دو۔ جدھر منہ اُٹھے گا چلا جاؤں گا۔ ممکن ہے دمشق چلا جاؤں اور یزید سے ملوں" اس آخری خواہش سے تمام مسلمان متفق نہیں ہیں بعض کی رائے ہے کہ یزید کا نام نہیں لیا۔ بہرحال عمرو سعد نے یہ پیام عبیداللہ ابن زیاد تک پہنچایا اس نے جواب دیا کہ "سب سے پہلے حسینؓ کو میری بیعت کرنی چاہیئے۔ اس کے بعد دوسرے معاملات پر غور کروں گا" اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہلا بھیجا کہ "تجھے حسینؓ کا سر طلب کیا گیا یا صلح کی شرائط کے لئے روانہ کیا ہے" اُس نے پیامبر کو یہ حکم دیا کہ اگر عمرو سعد قتل میں تامل کرے تو اس کو فی الفور قتل کر دیجیو، اس قاصد کے روانہ ہونے کے چند گھنٹے بعد اس نے شمر ذی الجوشن کو حکم دیا کہ فوراً روانہ ہو اور جس قدر جلد ممکن ہو حسینؓ کا سر میرے پاس بھیجدے۔ عمرو سعد ذرہ بھر بھی ڈھیل کرے تو اس کو قتل کر دے" عمرو سعد نے پہلے حکم پر امام حسینؓ سے کہہ دیا تھا کہ اب بحث نہیں کر سکتا، ورنہ اس کے یہ معنی ہوں گے کہ رے کی حکومت چھوڑ کر اپنی تباہی کے بیج اپنے ہاتھ سے

بوؤں" امام حسینؓ نے جواب دیا کہ آج لڑائی ملتوی کرو کل شروع کرنا۔ عمرو سعد اس پر غور ہی کر رہا تھا کہ شمر دوسرا حکم لے کر پہونچا اور کہا مجھے سب سے پہلا حکم یہ ملا ہے کہ دریائے فرات پر قبضہ کر لوں اور امام حسینؓ کے خیمہ تک پانی کا ایک قطرہ نہ پہونچنے دوں چنانچہ وہ ایک مختصر سا دستہ لے کر فرات پر پہونچا اور دریا پر پوری طرح قابض ہوگیا۔

امام حسینؓ میدانِ کربلا میں

الغ زندگی پر مظالم کی موسلا دھار بارش بار بار ہوئی اور جور و ستم کی سیاہ گھٹائیں شب و روز چھائیں نمرود کی آگ کو آغوش میں لینے والی سرزمین یہی دنیا کی تھی آدم کو جنت میں دھوکہ دینے والے ہاتھ اسی زندگی کے تھے یعقوبؑ کو اندھا کرنے والی اور یوسفؑ پر بہتان لگانے والی یہی دنیا تھی مگر سیّدہ کے لال پر میدانِ کربلا میں جو کچھ گذری اس کا شائبہ ادھر سے نہ ادھر قربان اس نواسے کے جو نانا کی شان اُمّت کو دکھا گیا اور نثار اس نواسی اور نواس ہو کے جن کا صبر و شکر زندگی کے ان نازک لمحوں میں احکامِ ربانی کی عملی تفسیر کر رہا تھا۔ اس قیامت خیز حالت میں کہ آسمان کی آگ زمین کو جھلسا رہی ہے اور زمین کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ ہوا کے تھپیڑے جھلس رہے ہیں، چرند اور پرند ہانپ ہانپ کر دُور بھاگ گئے حسینؓ ابن علیؓ کی آنکھیں کیا دیکھتی ہیں، اٹھارہ مہینہ کا معصوم بچہ عبداللہ علی اصغر پیاس سے تڑپ تڑپ کر اور بلک بلک کر ماں کی گود میں نڈھال ہو چکا، ماتا کی ماری اس کی

صورت تک رہی ہے اور چاہتی ہے کہ آنسوؤں کے چند قطرے اس کے حلق میں ٹپکاؤں بچہ ہوش میں آ کر آنکھ کھولتا ہے اور ماں کی طرف دیکھ کر زبان باہر نکال دیتا ہے۔ نقاہت زبان کو ہونٹوں تک آنے کی اجازت نہیں دیتی۔ آہستہ سے منہ کھول کر زبان اور حلق کے کانٹے ماں کو دکھاتا ہے تو بیتاب ہو کر کہتی ہے قربان جاؤں ان ہونٹوں کے اور اس زبان کے۔"

ماں کے فقرے اور بچہ کی کیفیت نے باپ کے ساتھ کیا کیا۔ اس کا جواب اولاد والے دیں گے بچہ گود میں لے کر اپنی زبان اس کے منہ میں دی اور آنکھ سے زار وقطار آنسو کی لڑیاں بہنے لگیں، مگر دل سے اب بھی صبر و شکر کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں، دوسری طرف نگاہ اٹھاتے ہیں تو جوان شیر نشہ شہادت میں چکنا چور خاموش کھڑا ہے منہ سے کچھ نہیں کہتا مگر پیاس نے جان پر بنا دی۔ باپ کی صورت دیکھتے ہی ادب سے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا، قریب پہونچے تو دل کٹ گیا۔ دیکھا کہ پھول سا چہرہ ہوا کے تھپیڑوں سے کملا چکا ہے، پیاس کی شدت نے ہوش اڑا دیئے ہیں۔ ایک آگ کا دریا ہے کہ خیمہ میں لہریں لے رہا ہے اور بڑے سے چھوٹے تک سب پیاس پیاس کے نعرے لگا رہے ہیں علی اکبر سے کچھ کہنا چاہتے تھے کہ پشت سے ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا آیا تعجب کی نگاہوں سے پلٹ کر دیکھا تو ماجائی زینبؓ اپنی ردا سے پنکھا جھل رہی تھی اس کی شفقت نے بیتاب کر دیا۔ سر پر ہاتھ رکھ کر کلیجہ سے لگایا تو اس کے دونوں بچے عونؓ و محمدؓ قدموں سے آنکھیں مل رہے تھے، ان کو سینہ سے لگایا تو سامنے حضرت امام حسنؓ کا لال ہاتھ باندھے کھڑا تھا یہ وہ کیفیت تھی جو انسان کیا پتھر کے بھی

ٹکڑے کر دی، باہر نکل کر دیکھا تو ہمراہی ہتھیار لگائے قربان ہونے کے لئے بیقرار تھے، اندر آئے اور بی بی شہربانو سے کہا۔

امام حسین رضؓ کی درخواست بی بی شہربانو سے

تم نوشیرواں عادل کی پوتی اور بادشاہِ یزدگرد کی حقیقی بھانجی ہو میں آج تم کو وہ وقت یاد دلاتا ہوں جب فتوحاتِ اسلامی کا دریا چاروں طرف امنڈ رہا تھا، ایران کی فتح کے بعد جب مال غنیمت تقسیم ہوا تھا تو تمہارے جسم کی پوشاک جواہرات سے لپی ہوئی ہزار روپے کی مالیت تھی۔ ایک غیور قوم کے فرد کی مجال نہ ہو سکتی تھی کہ تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ لیتا مگر ہر شخص یہ دیکھنے کا منتظر تھا کہ دنیوی جنت کی یہ حور کس کے قبضہ میں آتی ہے، میں اس وقت موجود نہ تھا مگر سنا ہے کہ جب مسلمانوں کی جماعت بے چینی سے نتیجہ کا انتظار کر رہی تھی اس وقت خلیفۂ دوم کے یہ الفاظ فتح مندوں کے کان میں پہنچے "شہزادی آج تک دنیوی بادشاہوں کی بیٹی اور پوتی رہی اب اس کا احترام یہ ہے کہ میں اس کو دین کی شہزادی بنادوں اور فخر ایران کا یہ بہترین تحفہ مسلمانوں کی طرف سے حسینؓ کی خدمت میں پیش کردوں۔"

میں تم کو وہ وقت یاد دلا کر کہتا ہوں کہ جس روز سے تم میرے پاس آئیں اس وقت تک جو خدمات تم نے انجام دیں میں ان کا شکریہ ادا نہیں کرسکتا، بچوں کی پرورش اور تربیت میں خانہ داری کے اہتمام و انصرام میں جو تکالیف تم نے اٹھائی ہیں سچے دل سے ان کا ممنون ہوں، میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ ایران

نے بیوی کے معاملہ میں عرب کو درس دیا، کیونکہ اس سرزمین سے بھی فاطمہؓ اور خدیجہؓ جیسی بیویاں اٹھیں ہیں جن کے نام پر عالم نسواں ہمیشہ فخر کرے گا۔ لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ تمدن و معاشرت کے اس شعبہ میں ایران، عرب سے کم نہ تھا، تم نے بادشاہ ہو کر مجھ فقیر کا گھر سلطنت سمجھا اور جو کی روکھی روٹی کو بریانی سے بہتر خیال کیا، تمہارے احسانات کا اعتراف کرنے کے بعد میں آج تم سے درخواست کرتا ہوں کہ تم میری اور میرے بچوں کی خاطر اس وقت اپنے میکے چلی جاؤ اور مجھ کو خدا پر چھوڑ دو۔ عرب نے تمہاری قدر نہ کی اور آج یہ وقت دکھا دیا کہ تم تمہارے بچے پانی کے ایک ایک قطرے کو ترس رہے ہیں۔ میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ عرب کی مہمان نوازی پر عمر وسعد نے کلنگ کا ایسا ٹیکا لگایا کہ تاریخ اسلام مدت العمر خون کے آنسو رو کر بھی اس داغ کو نہیں مٹا سکتی لیکن جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب بہتر صورت اور اچھا علاج یہی ہے کہ اپنے بچوں کو لے کر سدھارو اور مجھ کو میرے حال پر چھوڑ کر دعا کرو کہ خدا مجھ پر رحم کرے۔"

امام حسینؓ کی اس تقریر سے شہربانو پر رقت طاری ہو گئی اور وہ بے اختیار ہو کر امام کے قدموں پر گریں اور رو کر کہا۔

"امام عالی مقام! جس وقت قیامت بپا ہو گی اور ہر متنفس نفسی نفسی پکارے گا۔ اس روز میری خدمت کا معاوضہ ملے گا اور محنت ٹھکانے لگے گی۔ اس ہوش ربا ساعت میں مجھ سے زیادہ خوش نصیب کون ہو گا۔ جس کے سر پر فاطمہ زہراؓ جیسی ساس اور علیؓ ابن ابی طالب جیسے خسر کا ہاتھ ہو گا۔ میرے نانا سرور عالمؐ کی شفقت آمیز نظریں میرے

چہرے پر ہونگی۔ میدان حشر کی بیویاں اور بیٹیاں مجھے حسرت سے دیکھیں گی امام عالی مقام یہ کلیجے کے ٹکڑے اور جگر گوشے ہزار بار سیدؓ کا کے لال پر قربان۔ مجھے اپنے لال سیدہؓ کے لال سے زیادہ نہیں۔ میری تکلیف زینبؓ کی تکلیف سے بڑھ کر نہیں ہے۔ میری ناچیز خدمات پردہ بٹہ نہ لگنے دیجئے کہ دنیا کی عورتیں میرا مضحکہ اڑائیں ایک جان کیا ہزار جانیں ہوتیں تو کربلا میں آپ پر نثار کرتی یقین فرمایئے کہ اگر ان بچوں کی قربانی سے آپ کی جان بچ سکتی ہے تو بدبخت عمر وسعد کے سامنے اس کے خنجر اور اپنے ہاتھ سے اصغر اور اکبر کو ذبح کر دیتی اور دکھا دیتی کہ جن ہاتھوں نے اسمٰعیلؑ کی گردن پر چھری پھیرنے کا قصد کیا تھا اس کی ایک بہو نے اس سنت کی تکمیل کر دی امام عالی مقام ایک بادشاہ کی بیٹی اور پوتی ہوں مگر آپ کی کنیز اور لونڈی ہوں مجھے یہاں سے دھکے دے کر اماں جان کی نگاہ میں شرمندہ نہ کیجئے اور دعا کیجئے کہ میری خدمات میری اماں جان میرے باپ اور خسر شیر خدا اور رسول خدا کی بارگاہ میں قبول ہوں اور یوم الحق میں سرخرو ہوں۔"

اس گفتگو کا امام حسینؓ کی حالت پر ایک خاص اثر ہوا اور وہ چشم پُرآب باہر نکلے تو عمر وسعد کا قاصد حاضر خدمت تھا جس نے کہا۔

"ابن زیاد کا دوسرا پیام آیا ہے کہ امام حسینؓ کو ایک لمحہ کی مہلت نہ دی جائے۔ اس لئے یا تو ادھر آ کر بیعت کیجئے ورنہ لڑائی شروع کیجئے۔"

چند لمحہ غور کرنے کے بعد امام حسینؓ نے جواب دیا کہ عمر وسعد سے کہنا تو نے دریا پر قبضہ کر لیا اور آلِ رسول پانی کے ایک ایک قطرے کو

ترس رہی ہے، یہ لڑائی نہیں ظلم ہے اور ایسا ظلم جو پردۂ دنیا پر اپنی نظیر نہیں رکھتا، لڑائی ہمیشہ برابر کی فوجوں میں ہوتی ہے ہماری لڑائی کیا اور مقابلہ کیا۔ ہماری تعداد دو سوا دو سو ہے جس میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہیں۔ تمہاری اکیس بائیس ہزار ہے۔ لڑائی یزید و حسینؑ کی نہیں با اختیار اور بے اختیار کی ہے اور ایک سر کو جدا کرنے کے واسطے یزید، ابن زیاد اور عمرو سعد نے دنیا بھر کی طاقت فراہم کر لی ہے۔ اب آفتاب غروب ہوتا ہے۔ اس لئے رات کی مہلت دو کہ صبح تم جس مقصد کے واسطے لڑ رہے ہو اس کی تکمیل ہو جائے ہم آج کی رات خدائے بہتر و برتر کی عبادت میں صرف کریں اور دعا کریں کہ ہماری ناچیز قربانیاں قبول ہوں ناناجان کی امت پر حسینؑ اپنے بچوں سمیت قربان ہو جائے۔"

قاصد یہ پیام لے کر عمرو سعد کے پاس پہنچا شام قریب تھی اس لئے اس نے اس تجویز سے متفق ہونے میں تامل نہیں کیا شمر سے مشورہ کیا تو اس نے کہا "اس میں شک نہیں حسین ابن علیؑ کے پاس جمعیت بہت کم ہے اور ہم چشم زدن میں اس کا خاتمہ کر دیں گے لیکن حسین اس باپ کا بیٹا ہے جس کی شجاعت کا سکہ دنیا پر بیٹھا ہوا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ہم میں سے کس کس کے سر پر قضا کھیل رہی ہے اور حسینؑ کا سر کس قدر جانیں لے کر ہاتھ آئیگا۔ مہلت اس لئے دیدو کہ رات بھر پیاسے رہنے سے حسین اور اس کا لشکر اس قدر مضمحل ہو جائیگا کہ کل لڑائی کی ہمت نہ رہے گی۔

سیدہؓ کے لال کی آخری رات

کربلا کے میدان میں راتیں جب ورود آئیں اور گئیں اور جائیں گی مگر محرم ۶۱ھ کی وہ نویں رات جس کی صبح کو ابن زیاد کے حکم سے عمر سعد نے چمنستانِ زہراؓ کی سرسبز و شاداب کونپلیں توڑیں، پہاڑوں سے سر پھوڑتی آئی۔ کربلا کے ذرات نے واویلا شروع کی اور فرات کی لہریں سینہ کوبی میں مصروف ہوئیں یزیدی لشکر نے شب ماہ کا لطف اٹھانے میں کسر نہ چھوڑی اور رات کا بڑا حصہ گلچھروں میں گذارا مگر سید الشہداء عشاء کے بعد ہی سے راز و نیاز میں مصروف ہو گئے۔ جب آدھی کے قریب رات گزر چکی تھی اور چاند روتا ہوا رخصت ہو رہا تھا اس اندھیرے گھپ میں جہاں اولادِ رسول کو جلانے کا تیل بھی میسر نہ تھا سیدہ کا لال سجدہ میں گرا اور عرض کیا۔

"یہ تھوڑی سی جمعیت جو اپنی خوشی سے میرے ساتھ آئی ہے میں اس کی اعانت کا محتاج نہیں ہوں، نتیجہ کچھ ہوگا مجھے معلوم ہے مگر تو جانتا ہے کہ میرے اصرار پر بھی یہ میرا ساتھ نہیں چھوڑتے، چند بچے، میرے بہن اور بھائی کے کے بچے تیری راہ میں قربان ہیں تو نے خلیلؑ کی قربانی پہاڑ کی چوٹی پر قبول کی یوسفؑ کا نالا قید میں سنا اور یعقوبؑ کی التجا جنگل بیابان میں آج کربلا کے رتیلے میدان میں میری سُن۔

"احکم الحاکمین! یہ میری ناچیز قربانی قبول کر۔ تجھ کو معلوم ہے کہ حسینؓ کے پاس اس کے سوا کچھ نہیں۔ التجا صرف اس قدر ہے کہ بچوں کی

محبت مقصد میں حائل نہ ہو میرے حوصلے بلند کر میرا دل شیر کر اور توفیق بخش کہ دشمن کے سامنے ہنس ہنس کر گلا کٹاؤں اور بچوں کی لاشیں کھل کھل کر دھوؤں، عزیزوں کے جنازے اُٹھاؤں، مگر زبان پر شکر اور لب پر صبر کے سوا کچھ نہ ہو۔"

پچھلی رات کا تمام حصہ امام حسینؓ کا اس دعا میں بسر ہوا اور وہ وقت آگیا کہ دسویں محرم کی روشنی نمودار ہو کر لویں رات کا خاتمہ کر دے۔

صبح عاشورہ

میدانِ کربلا میں علی اکبرؓ کی صدائے حق بلند ہوئی اور عمر وسعد کے لشکر میں قہقہوں کی آوازیں گونجیں، ادائے نماز کے بعد امام حسینؓ نے اپنے لشکر سے خطاب کیا کہ "تم لوگوں نے میرا ساتھ اس وقت تک دے کر جو کچھ احسان کیا میں اس کا شکریہ ادا کرنے کے قابل نہیں اب میرا آخر وقت ہے اور خدا کے حضور کا شوق لمحہ بہ لمحہ زیادہ ہو رہا ہے۔ میرے بھائیو اب تم میرے ساتھ تکلیف و مصیبت میں نہ پھنسو اور اپنے اپنے گھر رخصت ہو جاؤ۔ میری وجہ سے تمہاری بیویاں رانڈ اور بچے یتیم نہ بنیں۔ تمہارے اس احسان کا معاوضہ خدا کے ہاں ملے گا۔"

حضرت امام حسینؓ کی اس گفتگو سے بجائے اس کے کہ جو لوگ ساتھ تھے وہ چلے جاتے سب نے بالاتفاق عرض کیا "ہم مسلمان ہیں اور ہم کو کل قیامت کے روز آپ کے نانا حضور اکرم صلعم کو منہ دکھانا ہے۔ اس سے

بہتر کام ہماری زندگی کا اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس کا کلمہ پڑھتے ہیں اُس کے نواسے پر قربان ہو جائیں۔ دشمن کی یہ مجال نہیں ہو سکتی کہ وہ ہماری زندگی میں آپ کی طرف اُنگلی بھی اٹھا سکے، جو وقت آنے والا ہے وہ اُس وقت آئیگا جب ہمارا جسم بے روح ہو جائیگا اور موت ہماری طاقت اور اختیار کو فنا کر دے گی۔

امام حسینؓ نے ان کو دعا دی اور فرمایا "خدا تمہاری خدمت قبول کرے۔"

ابھی آپ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے کہ قبیلہ طے کا ایک شخص (وہ قبیلہ جو حاتم طائی کی وجہ سے کافی مشہور ہے) طرح بن ماعدی جو کسی ضرورت سے ادھر آیا تھا، یہ کیفیت دیکھ کر قدم بوس ہوا اور عرض کیا "میرے قبیلے کے پانچ ہزار آدمی آپ پر ہنسی خوشی جانیں نثار کریں گے۔ آپ صرف اس قدر کیجیے کہ میرے ہمراہ تشریف لے چلیے، اور اگر اجازت دیجیے تو میرا تمام قبیلہ اسی میدان میں حاضر ہو جائے میں ان کو جا کر لاتا ہوں۔" آپ نے اُس کا شکریہ ادا کیا "میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں تو دشمن مجھ کو نکلنے نہ دیں گے اور اگر تم قبیلہ کو لاتے ہو تو جس قدر خونریزی ہوگی اُس کا باعث میں ہوں گا اور میں یہ پسند نہیں کرتا۔ اس لئے خدا تمہاری خدمت قبول کرے۔"

اب آپ خیمے سے آگے بڑھے اور عمرو سعد سے خطاب کیا۔

"بلبل کو چمن سے اور مسافر کو وطن سے دُور ہونے کا اتنا رنج نہیں ہوتا جس قدر رنج مجھ کو رسول خدا کے گھر سے علیحدہ ہونے کا ہوا۔ تم لوگوں نے

دھوکا دے کر مجھے بلایا۔ حرم خدا اور روضۂ رسولؐ سے جدا کیا۔ اور اس وقت میرے قتل پر کمربستہ ہو تم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ یہ جو کچھ کر رہے ہو کس کے ساتھ۔ تم میں سے بہت سے موجود ہیں جنہوں نے سنا ہوگا اور جن کو معلوم نہیں انھیں آج معلوم ہو جانا چاہیئے کہ خدا کے رسول نے یہ الفاظ فرمائے ہیں کہ حسینؑ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں، اب تم میرے ساتھ جو سلوک کر رہے ہو تم ہی بتاؤ کہ کس وجہ سے؟ صرف یہی نا کہ میں یزید کی بیعت تسلیم نہیں کرتا۔ اس کے متعلق میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ مجھ کو جانے دو، میں ایک کونہ میں بیٹھ کر اللہ اللہ کروں گا اور وہیں اپنی زندگی ختم کردوں گا۔ اگر تم منظور کرو تو اب بھی موقعہ ہے کہ میں اپنے بال بچوں کو لے کر چلا جاؤں، اور شیطان ہی تمہارے سر پر سوار ہے اور تم باز نہیں آتے تو مجھ سے یہ توقع نہ رکھو کہ میں یزید کی بیعت کروں حسینؑ اور اس کے بچوں کی موت، خاندانِ زہرا کی بربادی حرم رسول کی تباہی۔ ان میں سے کوئی چیز میرا قدم ڈگمگا نہیں سکتی، مبارک ہوگی وہ گھڑی جب میں کامیاب ہوں اور خوش نصیب ہوں گا اگر میری یہ قربانیاں خدائے برتر کے حضور میں قبول ہوں اور میں قیامت کے روز سرخرو ہوں۔"

عمر و سعد اور اس کے لشکر میں سناٹا چھایا ہوا تھا، اور کوئی شخص جواب کی جرأت نہ کرتا تھا۔ اب آپ نے فرمایا، "اے حر بن یزید حجاج بن الحسن کیا تم لوگوں کے دستخط ان خطوں پر نہیں ہیں جو مجھ کو بلانے کے لئے کوفہ سے بھیجے گئے۔"

حضرت حُر کی سعادت

ان الفاظ کا اثر حُر پر کچھ ایسا ہوا کہ اس نے رُخ بدل کر عمر و سعد سے کہا۔

"افسوس ہے تجھ پر تیرے حمایتی عبید اللہ ابن زیاد اور یزید پلید پر تم لوگوں نے اپنے ساتھ ہزاروں مسلمانوں کی عاقبت برباد کی دیکھنے والوں کو دکھا دیا کہ جن آنکھوں نے رسول اللہ کو حسینؓ کے حلق پر بوسہ دیتے دیکھا تھا اسی پر خنجر چلانے کے واسطے آمادہ ہو گئے۔ سب سے زیادہ بدنصیب میں ہوں کہ میری دُنیا بھی گئی اور دین بھی۔ میں اپنے مولا اور اپنے آقا کو تجھ بدبخت کی ترغیب سے گھیر کر یہاں لایا۔ اب میری سزا یہ ہے کہ سب سے پہلے میں ہی رسول اللہ صلعم کے لختِ جگر پر قربان ہوں یہ دیکھ کہ میں تیرے لشکر سے تیر کی طرح چلا اور امام حسینؓ کی طرف سے پہلا شخص میں ہی تیرے مقابلہ میں آؤں گا۔ اگر مرد ہے اور مقابلہ کی تاب ہے تو آ میرے سامنے میدان میں آ۔ اور دیکھ کہ حسینؓ کے شیدائی کس طرح اپنے آقا پر نثار ہوتے ہیں" اتنا کہہ کر حُر نے اپنا گھوڑا دوڑایا اور امام عالی مقام کے قدموں میں گر کر کہا۔

"آقا ہاتھ جوڑ کر قصور کی معافی چاہتا ہوں۔ ابن علی میری خطا معاف کر دوزخ میں گرنے والے کو سنبھال، جانتا ہوں کہ جو کچھ کر چکا۔ اس کی تلافی ممکن نہیں حرمِ رسول کو اس میدان میں گھیر کر لانے والا بدنصیب ازلی حُر ہے۔ غفلت کے پردے اس کی آنکھوں پر پڑ گئے لیکن اے مولا

تو اس باپ کا بیٹا اور اس نانا کا نواسہ ہے جس کے رحم و کرم کی لہریں تمام عرب کو سیراب کر رہی ہیں۔ حسینؑ تو نے اس دودھ سے پرورش پائی جو خلق کا مخزن تھا آج میدان میں نانا کی شان، باپ کا کرم اور ماں کا رحم ایک دفعہ اور دکھا دے، خدا کا واسطہ دیتا ہوں، نانا کے طفیل میں، باپ کے صدقہ میں اور ماں کی بدولت مردے کو جلا، نار کو باغ اور جہنم کو فردوس کر دے زمین میرے قدموں سے تھرا رہی ہے۔ آسمان مجھ پر تھوک رہا ہے اور پہاڑوں کے سنگریزے مجھ پر میری صورت پر اور میرے خاندان پر لعنت برسا رہے ہیں میرے ہاتھ نہ کٹے، میری زبان نہ گلی، میرا دماغ نہ پھٹا۔ ماں نے مجھے اس لئے جنا تھا، باپ نے مجھے اس لئے پرورش کیا تھا کہ میں جوان ہو کر خدا اور اس کے رسول سے بغاوت کروں اور فاطمہؓ کے کلیجے کے ٹکڑے میری وجہ سے اس مصیبت میں گرفتار ہوں بچا۔ بچا حسینؓ مجھ کو بچا۔ دوزخ کے شعلے میری آنکھوں کے سامنے بھڑک رہے ہیں اور آگ کی چنگاریاں میرے جسم سے نکل رہی ہیں۔ بجھا بجھا ابن علیؓ اس آگ کو بجھا اور اجازت دے کہ سب سے پہلا شخص جو اس صورت پر قربان ہو وہ حرؓ ہو پھر واسطہ دیتا ہوں نانا کا باپ کا، بھائی کا، ان مقدس روحوں کے تصدق میں میرا قصور معاف کر۔ یہ سر تیرے قدموں میں ہے۔ دھتکار دے۔ ٹھکرا دے، جو چاہے کر، اب یہ سر سر کٹنے والا نہیں۔"

امام عالی مقام نے حرؓ کو سینہ سے لگایا اور فرمایا "میں ان سب ہمراہیوں سے کہہ رہا ہوں کہ میری وجہ سے شہید نہ ہوں اور چلے جائیں۔

یزید کا غصہ ابن زیاد کی آگ اور عمر و سعد کا جوش صرف حسینؓ کے قتل سے ٹھنڈا ہو سکتا ہے یہ سر موجود ہے مگر تم اپنے بچوں کو بیری وجہ سے یتیم نہ کرو" حر خاموش کھڑا تھا' ان الفاظ نے اس پر کچھ ایسا اثر کیا کہ ایک چیخ ماری اور کہا" اے ابن رسول اللہ حر کے زخموں پر نمک نہ چھڑکیے حسینؓ کے بچے یتیم ہوں اور حر زندہ رہے' اس کی بیوی اور اس کے بچے آپ کے بچوں پر قربان پسرا ابن علیؓ اجازت مرحمت ہو۔ ہر سانس قیامت ہے۔ گڑا جاتا ہوں مرا جاتا ہوں رحم ابن رسول اللہ رحم اور اجازت"۔

امام حسینؓ کی آنکھ میں حر کی گفتگو سے آنسو آ گئے اور کہا " اچھا"

اس پروانہ کی طرح جو شمع پر اس بلبل کی طرح جو پھول پر اس چکور کی طرح جو چاند پر نثار ہوتی ہے حر چاروں طرف نشۂ شہادت میں جھومتا ہوا یہ کہہ کر بیتاب ہوتا رہا یا ابن رسول اللہ اب ایک التجا اور ہے عفو خطا کا مژدہ اس مبارک منہ سے سنا دیجئے اور پھر دیکھ لیجئے کہ خون کے ہر قطرے کو سر آنکھوں پر رکھوں گا۔ گوشت کا ہر ٹکڑا تن سے جدا ہو کر حسینؓ کے نعرے لگائے گا جس طرح زندہ حر اسی نام کو جپتا ہو قربان ہو اسی طرح مردہ حر کے رونگٹے رونگٹے سے ابن علی کی صدا بلند ہوگی۔ کاش ابن زیاد میدان میں ہوتا یزید اس وقت سامنے آجاتا تو دنیا کو دکھا دیتا کہ حسینؓ کے شیدائی اپنے آقا کی بیعت دل سے نہیں جان سے کرتے ہیں

عمر و سعد سمجھ رہا تھا کہ شاید حر امام حسینؓ سے بیعت کے متعلق گفتگو کر رہا ہے کہ دفعتاً حر گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ میں پہنچا اور کہا۔

وہ حُر جو تیرے لشکر کا افسر اور امام حسینؓ کو اس میدان میں گھیر کر لایا ختم ہو چکا' اس وقت میں حُر ہوں جو سب سے پہلے تجھ کو قتل کروں گا۔ اور تجھ کو تیرے اعمال کا مزا چکھاؤں گا۔ مگر اس لئے کہ مجھ پر بھی یہی کیفیت گذر چکی ہے سمجھاتا ہوں دونوں طرف نظر ڈال تیرے لشکر میں دوزخ بپا ہے۔ اسے دیکھ اور اُس طرف جو جنّت موجود ہے اس پر بھی نظر ڈال اور سوچ کہ زندگی کی چند گھڑیوں کے واسطے خدا اور اس کے رسولؐ سے دغا کر رہا ہے ارے بدبخت دنیا اور دین دونوں برباد ہو جائیں گے۔ یاد رکھ ابنِ زیاد سے فلاح نہ ہوگی یزید سے انعام کی توقع نہ رکھ اور جھوٹی اُمیدوں پر خدا کے سایہ سے نہ بھاگ''

یزیدی لشکر میں حُر کی تقریر سے ہل چل مچ گئی اور عمرِ وسعد ششدر و متحیّر ایک ایک کا منہ تکنے لگا۔ حُر کو جب کوئی جواب نہ ملا امام حسینؓ کے پاس آکر قدمبوس ہوا اور درخواست کی کہ'' اب حکم دیجئے عمرِ وسعد کو تہِ تیغ کر دوں'' امام حسینؓ ایک مرتبہ اور میدان جنگ میں تشریف لائے اور فرمایا۔

'' تم لوگوں سے ڈرتا نہیں ہوں۔ مگر صرف اس لئے کہ جس وقت مجھ بے گناہ کے خون میں تم پر عذاب ہوگا۔ اس وقت حضور اکرم کے یہ الفاظ نہ سُنوں کہ حسینؓ کے خون میں میری اُمّت پر عذاب ہو رہا ہے۔ میں تم لوگوں سے پھر کہتا ہوں کہ کھرے کھوٹے کو پرکھ لو تم دیکھ رہے ہو میں جو کچھ کہہ چکا وہ پتھّر کی لکیر ہے' ایک فاسق و فاجر کی بیعت کے مقابلے میں ہر اذیّت گوارہ ہے۔ یہاں تک پہنچ کر امام حسینؓ کچھ اور فرماتے کہ عمرِ وسعد نے کہا۔

لشکریوں یزید اور ابن زیاد کے سامنے گواہی دینا کہ حسینؑ پر سب سے پہلے میں نے حملہ کیا" یہ کہہ کر عمر و سعد نے تیر مارا مگر وہ خالی گیا اور حسینؑ واپس تشریف لے آئے۔

فوراً ہی ابن زیاد کا غلام اور ابن زیاد کے باپ کا غلام دو شخص آئے اور آواز دی کہ یزید کے لشکر کی جرأت جس کو دیکھنی ہے وہ مقابلے میں آئے ان کے متواتر نعروں سے امام حسین کے ہمراہیوں میں طاقت ضبط نہ رہی حبیب ابن مظہر بڑھنا چاہتے تھے کہ امام حسینؑ نے روکا اور کہا۔ "تمہاری حیثیت غلاموں کے مقابلہ کے لائق نہیں" چنانچہ عبداللہ وہب کلبی میدان میں پہونچے اور کہا "بدبختوں کیا زبان درازی کرتے ہو" یہ کہہ کر ایک ہی وار میں دونوں کے سر اڑا دیئے عمر و سعد نے سالم کو اشارہ کیا وہ باہر نکلا اور تلوار ماری جس سے وہب کا الٹا ہاتھ زخمی ہوا مگر خدا کے اس جری نے سیدھے ہاتھ سے اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس وقت امام حسینؑ کے لشکر سے تکبیر کی صدائیں ایسی بلند ہوئیں کہ عمر و سعد بھی پریشان ہو گیا۔ ادھر سے یزید بن الحصین تغلبہ چلے اور عمر و سعد نے یزید بن معقل کو بھیجا مگر یزید بن الحصین کی ایک ہی تلوار میں یزید بن معقل دنیا سے رخصت ہوا۔ اس کے بعد طرفین میں ڈیڑھ دو گھنٹے تک جنگ ہوئی شیدائیان حسینؑ نے باوجود بھوک پیاس کے ایسی جرأت دکھائی کہ دشمن دنگ رہ گیا۔

اب حر نے اجازت لی اور میدان میں پہنچے ان کو دیکھتے ہی عمر و سعد

دنیا کی تمام تاریخیں اس بات کی گواہ ہیں کہ لشکر حسینی سے سب سے پہلے جناب حر شہید ہوئے راشد الخیری نے قطعاً غلط لکھا ہے

غصہ سے سُرخ ہو گیا اور باواز بلند کہا: "اس باغی کا سر اتارنے والا یزید کے خاص انعام و اکرام کا مستحق ہے" امیر حصین بن نمیر اتنا سنتے ہی باہر نکل آیا لیکن حُر کی ایک ہی تلوار سے جہنم میں پہنچا اس کے بعد حُر نے دوسرے مقابل کی راہ نہ دیکھی اور تلوار لے کر لشکر میں گھس گئے کہ کسی طرح عمر و سعد کو قتل کریں ہر طرف قتل عام کرتے رہے چونکہ دشمن نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اس لئے دل کا حوصلہ پورا کیا اور شہید ہوئے۔

عربستان کی مخلوق اور پہاڑوں کی چوٹیاں وہ سماں دیکھ چکی ہوں کہ حُر بن ریاحی پوری جمعیت کے ساتھ ابن رسول کی گرفتاری کو آپہنچا اور خاندانِ رسالت کی محترم خواتین اور معصوم بچوں کو نظر بند کر لیا۔ سربفلک پہاڑ اور سر سبز درخت امام حسینؓ کی بے بسی پر رو دئے اور آسمان و زمین کے کلیجے چھلنی کر دیئے۔ جس وقت وہ ساعت آئی کہ حسین ابن علیؓ کا مظلوم قافلہ کربلا کے میدان میں اترا تو تقدیر نے اس کامیابی کا سہرا اسی حُر کے سر باندھ دیا۔ سراب زندگی نے اس کو مبارک باد دی اور فانی دنیا نے اس کے انقلاب پر آفریں کہی۔ آج عربستان اور اس کے زمین و آسمان کی آنکھیں یہ سماں دیکھتی ہیں کہ وہی حُر بن ریاحی جو امام حسینؓ کی گرفتاری پر مامور تھا اپنے آقا پر قربان ہو گیا گرم لو کے تھپیڑے ماں کی لوری بن کر اس کو ابدی نیند سلا رہے ہیں، ایمان پانی کے بدلے کوثر کے جام شہید کی لاش پر نچھاور کر رہا ہے۔ جس وقت عمر و سعد نے حُر کی لاش پھینکی اور ابن علیؓ نے اس کے سر کو بوسہ دیا تو زمین و آسمان کا ہر ذرہ اس کی صداقت کو سجدے کر رہا

تھا۔ شہادت اس کا منہ چوم رہی تھی اور حقیقت اس کے سر پر ایسے پھول لٹا رہی تھی جو آج تک دنیا کو معطر کر رہے ہیں۔ حوریں شہید حُر کی صورت حسرت سے تک رہی تھیں۔ اور ملائکہ تعجب کی نظر ڈال رہے تھے۔ چشم زدن میں کس طرح جہنم کا کندہ جنت کا پھول بن گیا۔ جس پر چار طرف سے لعنت وملامت کی بوچھاڑ پڑ رہی تھی آناً فاناً کچھ کا کچھ ہو گیا۔ زمین مرحبا کے نعروں سے گونج اٹھی اور آسمان آفرین کی آواز دینے لگا۔ زندگی اس کی موت پر قربان ہوئی اور دنیا اس کے دین پر نثار۔ عقیدت اس کی شہادت کے روبرو جھکی اور اسلام نے اس کی بغاوت سر آنکھوں پر رکھی۔ لشکر امام نے مرحبا کا شور مچایا ملائکہ عرش بریں پر ہم آہنگ ہوئے اور اس طرح حُر کو وہ شہادت نصیب ہوئی جس پر دنیا ہمیشہ فخر کرے گی۔

حُر کی شہادت نے کوفیوں اور شامیوں کے ہوش اڑا دئے عمر سعد نے بآواز بلند کہا کہ حسینؓ کا قتل آسان نہیں اگر حُر کی طرح ایک سر کے بدلے اتنے سر قربان کرنے پڑیں گے تو نتیجہ شکست ہے۔ بہتر ہوگا ہماری متفقہ فوج حملہ کرے اور سب کا خاتمہ کر دے" یہ کہہ کر ایک ساتھ تیروں کی بوچھاڑ شروع کی یہاں تک کہ لشکر امام کے تمام گھوڑے چھلنی ہوئے۔ اور ایک میں سکت نہ رہا۔ اب تمام فوج ایک ساتھ ٹوٹ پڑی اور شمر خیمہ کی طرف چلا وہ اندر داخل ہونا چاہتا تھا کہ حسین نے ایسا تیر مارا کہ گھوڑا اوندھے منہ گرا اور شمر دم دبا کر بھاگا اور کہا "لڑائی ایک ہی ایک کی ٹھیک ہوگی"

اس وقت سب سے پہلے حسین میدان میں آئے اور جوہر شجاعت

دکھا کر جام شہادت نوش فرمایا۔ اس کے بعد اور ہمراہی اپنے آقا پر قربان ہوئے
آفتاب ڈھل رہا تھا اور دوپہر ختم کے قریب تھی کہ امام کے ہمراہی کام آگئے
اور سات آدمیوں کے سوا کوئی باقی نہ رہا۔

بی بی زینبؓ کے بچوں کی شہادت

شہربانو خاموش کھڑی کپڑے سے پنکھا جھل رہی تھیں کہ سیدہ
کے لال نے فرمایا "زینبؓ" اٹھو! بابا کی شمشیر بھائی حسنؓ کی کمان، نانا جان کا
عمامہ لاؤ اور بھائی کی صورت دل بھر کر دیکھ لو کہ اب نظر نہ آئے گی۔ اور دشمن
میدان سے واپس نہ آنے دیں گے۔ بی بی زینبؓ بھائی کے قدموں میں گریں اور کہا۔
"اس نازک وقت میں کہ عرش زمین کانپ رہا ہے۔ بہن اپنے بھائی
کے حضور میں ایک التجا پیش کرتی ہے۔ امید ہے کہ علی کا لال اور سچی
ماں کا بچہ بہن کا سوال رد نہ کرے گا۔"

امام حسینؓ علیہ السلام نے فرمایا" زینبؓ کیا کہتی ہو۔
بی بی زینبؓ کی نظریں نیچی تھیں آنکھ اٹھائی اور رو کر کہا:۔
حسینؓ بھیا تکلیف کے وقت صدقہ دیا جاتا ہے۔ حدیث صحیح ہے
کہ صدقہ بلا کو رد کرتا ہے میری آرزو ہے کہ عون و محمد کو اس وقت
ماں جائے بھائی پر قربان کروں۔ شاید یہ بلا ٹل جائے بھائی یہ بحث کا وقت نہیں
ہے۔ بھائی بہنوں کے بڑے بڑے مان رکھتے ہیں۔ اس وقت زینب کے بچوں کو
بچوں کو میدان کی اجازت دے کر اس کا دل رکھ لو بھیا اس وقت میرا سفارشی سفارشی

کوئی نہیں ہے، ماں باپ دونوں کا سایہ سر سے اُٹھ چکا، بھائی حسنؓ بھی اللہ کے پیارے ہو گئے آج ہماری کشتی کے ناخدا تم ہو۔ قیامت کے روز زینبؑ کس منہ سے باپ کی خدمت میں حاضر ہوگی، بھائی حسین خدا کا واسطہ دے رہی ہوں، اماں کی روح کا صدقہ میرے بچوں کو رَن کی اجازت مرحمت ہو۔

عونؓ و محمدؓ دونوں پیچھے پھر رہے ہیں کہ ماموں جان سے میدان کی اجازت دلوائیے میں خاموشی سے ان کا منہ تک کر چپکی ہو جاتی ہوں بھیا یہ مجھ سے زیادہ تمہاری صورت کے عاشق ہیں اور رو رہے ہیں ادھر جاتی ہوں سایہ کی طرح میرے ساتھ رہتے ہیں کہ کسی طرح ان کو میدان کی اجازت مل جائے، یہ دیکھئے میرے پیچھے کھڑے رو رہے ہیں، اتنا کہہ کر ہٹیں تو عونؓ و محمدؓ ماموں کے قدموں میں گرے اور کہا کہ "ہم ماں کے پیٹ سے اس لئے پیدا نہ ہوئے تھے کہ ہم زندہ رہیں، آپ پر یہ وقت آجائے اور ہم کھڑے دیکھتے رہیں۔ دشمن قہقہے لگائیں اور ہم سُنیں، ماموں جان ہماری آبرو نہ بگڑنے دیجئے۔ اور ہم کو میدان کی اجازت دیجئے ہم کو بھانجے نہیں غلام سمجھئے اور ہم کو قربان ہونے کا حکم دے کر ہمارے دل کے مرجھائے ہوئے پھول کھلا دیجئے دیکھئے ہمارے ہتھیار سب تیار ہیں۔ ہم اپنے چھوٹے چھوٹے تیروں اور نیچوں سے دشمن کو مزہ چکھا دیں گے اور جب تک ان تمام تکالیف کا بدلہ نہ لیں گے ہماری زندہ صورت آپ کو نظر نہ آئیگی خدا کا واسطہ رحم فرمایئے اور ہماری درخواست منظور کیجئے۔"

اب بی بی زینبؓ آگے بڑھیں اور دونوں سے کہا کہ "ماموں کے کلیجہ سے

لگو اور آخری سلام کرو۔" اس کے بعد بھائی سے عرض کیا "بھیا میرے کلیجے کے ٹکڑے تمہاری شجاعت پر حرف نہ لائیں گے، یقین کرو ان کی وجہ سے علیؓ کے نام پر بٹہ نہ لگے گا۔ میں کسی قابل نہیں ہوں۔ اس وقت میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں کہ قربان کرتی بہن کی یہ ناچیز قربانی قبول ہو۔"

امام حسینؓ کی آنکھوں سے آنسو کی لڑیاں جاری تھیں۔ انھوں نے بچوں کو سینہ سے چمٹایا۔ بہن کے سر پر ہاتھ رکھکر کہا۔

"زینبؓ جو جو کچھ نہ دیکھا تھا ان آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیا۔ ماں اور باپ کے بعد بھائی حسنؓ کا جنازہ دیکھ چکا۔ میا جائے کوان ہاتھوں نے قبر میں اتار ابھی وہ آنسو بہہ رہے ہیں۔ زینبؓ تجھ کو رحم نہیں آتا کس دل سے اجازت دوں کیا ماموں دنیا میں اس لئے پیدا ہوا تھا کہ گلشنِ زہرا کے پھول چن چن کر آگ میں جھونکے دل ہے۔ پتھر نہیں ہے۔ صبح سے جو کچھ گزر رہی ہے اس کا جاننے والا خدا کے سوا کوئی نہیں۔ زینبؓ مجھ پر رحم کر ان کونپلوں نے ابھی دنیا کا کیا دیکھا۔ ان کے دن ابھی پھولنے پھلنے کے ہیں۔ ان کو دنیا میں رہنے دے ماموں کے گھر میں اس وقت موت کے سوا کچھ نہیں۔ ان کو حکم دے کہ خاموشی کے ساتھ گھر چلے جائیں اور دنیا کی بہار دیکھیں۔"

امام حسینؓ کی تقریر ختم نہ ہوئی تھی کہ بی بی زینبؓ کا دل بھر آیا اور بھائی کے گلے میں ہاتھ ڈال کر کہا "حسینؓ میرے زخموں پر نمک نہ چھڑک کس کے بچے اور کیسے بچے عونؓ اور محمدؓ تیرے غلام ہیں۔ ان کا خون جو تجھ پر گریگا سر پر رکھوں گی اور آنکھوں سے لگاؤں گی۔ ان کی موت جو تجھ پر قربان ہو کر آئیگی

میری زندگی ہوگی۔ اگر خود میدان کے واسطے بے قرار نہ ہوتے تو عمر بھر ان کی صورت نہ دیکھتی۔ آج میری کمائی نیک لگتی ہے اور باپ نے آخر وقت جو وصیت کی تھی اُس کی تعمیل کرتی ہوں۔ مجھے ان کی شادی کا ارمان تھا مگر اس سے بڑھ کر اور کیا شادی ہوگی وہ ارمان پورا ہوتا ہے۔ اجازت دے کہ اپنے بچوں کو دولھا بناؤں اور رن میں بھیجوں۔"

امام حسینؑ بہن کی اس گفتگو پر خاموش ہوئے تو بی بی زینبؑ نے دونوں بچوں کو بھائی کے قدموں پر ڈال دیا اور کہا "ماموں کا شکریہ ادا کرو کہ ہماری قربانی قبول کی۔ اٹھو میرے ساتھ آؤ۔"

اس وقت خیمہ میں سناٹا تھا کہ عمر وسعد نے باآواز بلند کہا۔ علیؑ کی شجاعت کدھر غارت ہوئی کہ کوئی میدان میں نہیں آیا کیا ہم خود ہی خیمہ میں گھس آئیں"۔ بی بی زینبؑ نے طیش میں آکر علی اکبر سے کہا "تم جواب دید و کہ ناموس رسول کو بچانے والے ابھی زندہ اور جوہر شجاعت دکھانے والے موجود ہیں۔"

بچوں کے کپڑے اپنے ہاتھ سے بدلے۔ چھوٹے چھوٹے ہتھیار ان کے جسم پر لگائے اور کہا "عونؓ و محمدؓ خوش نصیب ہوں میں۔ کہ تم جیسے نیک بچے میرے پیٹ سے پیدا ہوئے مگر دیکھو بھوک پیاس میں کوئی ہلکی بات زبان سے نہ نکل جائے۔ اعدا میں کسی کو یہ نہ معلوم ہو کہ تم کون ہو خبردار! زینبؑ کا نام زبان پر نہ آنے پائے صرف اتنا کہنا کہ ہم حسینؑ کے غلام ہیں اور ہماری ماں بی بی فاطمہؓ اور شیر خدا کی لونڈی ہے ان شفقتوں کا بدلہ ہماری ماں کے پاس یہی تھا کہ ہم کو امام پر نثار کر دیا۔

بچوں میں نادم ہوں کہ اپنے مہمانوں کو میدانِ جنگ میں بھوکا پیاسا شہید ہونے بھیج رہی ہوں"۔ جس وقت دونوں بچے خیمہ کے دروازے پر پہنچ کر ماں کے آخری سلام کو جھکے تو دل کا خدا ہی حافظ تھا۔ مگر ضبط سے کام لے کر ان کے سر پر ہاتھ رکھا۔ گلے سے لگا کر پیار کیا۔ اور کہا "دنیا کی مائیں بچوں کو سدھارتے وقت دعا دیتی ہیں کہ جس طرح پیٹھ دکھائی اسی طرح منہ دکھاؤ مگر عون و محمدؑ کی ماں یہ کہتی ہے کہ جاؤ زندہ جاؤ اور شہید ہو کر آؤ۔ مرے کر جاؤ اور سر کٹا کر آؤ۔ دیکھو میرے الفاظ یاد رکھنا عمرو سعد کو پتہ نہ چلے کہ تم زینبؑ کے بچے ہو اچھا کلیجے کے ٹکڑوں جاؤ سدھارو۔ رخصت ہوئے"

فلکِ پیر نے دنیا کے سخت سے سخت مصائب پر قہقہے لگائے ہیں مگر آسمان و زمین دونوں خاموش تھے جس وقت زینبؑ کے بچوں کی صدائے تکبیر سے میدان گونج اٹھا۔ عمرو سعد نے سامنے آ کر کہا "میں یہ تو سمجھ گیا کہ تم زینبؑ کے بچے ہو، مگر تمہارے بچپن پر نہ معلوم مجھے کیوں رحم آ رہا ہے اور وہ دل جو صبح سے اب تک باغ باغ ہو اتمہارے لڑکپن پر ترس کھا رہا ہے۔ اگر تم حسینؑ کا ساتھ چھوڑ کر ادھر آجاؤ تو تمہارے واسطے دنیا بھر کی نعمتیں موجود ہیں۔ اور اگر یہ پسند نہ کرو تو جاؤ اپنے گھر چلے جاؤ۔ میں اجازت دیتا ہوں۔ جاؤ اپنی ماں سے کہدو۔ عمرو سعد نے ہم کو آزاد کر دیا۔

دونوں کے دونوں اتنا سنتے ہی آگ بگولا ہو گئے اور کہا "ظالم عمرو سعد ہم کو امام کا بھانجا بنا کر امت کو رسوا مت کر ہم امام حسینؑ کے غلام اور ہماری ماں بی بی فاطمہؑ اور شیر خدا کی لونڈی۔ تجھ کو جب ہمارے

آقازادے پر بھی رحم نہ آیا اور پانی پر پہرہ لگا کر اپنی سنگدلی دکھا دی تو ہم پر کیا رحم آئے گا۔ گو ہم تین روز سے بھوکے پیاسے ہیں اور ہماری عمریں دس سے زیادہ نہیں۔ لیکن تجھ جیسے بیسیوں کو جہنم میں پہنچا کر اپنے آقا پر نثار ہوں گے"۔

یہ کہہ کر سیدھی طرف سے عونؓ اور الٹی طرف سے محمدؓ نے حملہ کیا ننھی ننھی تلواریں بجلی کی طرح جس سر پر چمکیں خاکستر کرتی ہوئی ہوا کی طرح نکل گئیں عمرو سعد نے اپنی فوج سے خطاب کیا کہ "تین دن کے بھوکے پیاسے بچوں کو اب تک تہہ تیغ نہ کر سکے تو ل کر حملہ کرو اور دونوں کا خاتمہ کرو"۔ ابھی عمرو سعد کی تجویز ختم نہ ہوئی تھی کہ دونوں خود ہی لشکر میں گھس کر عمرو سعد کے سر پر پہنچے اور عون نے کہا کہ "ہم نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا۔ مگر تیرے ظلموں کا مزہ چکھانا ابھی باقی ہے"۔ یہ کہہ کر چاہتے تھے کہ وار کریں، مگر دونوں طرف سے تلواروں کی باڑ سر پر گری اور زینبؓ کے لال خون میں لال ہو گئے۔

عمرو سعد نے چلا کر کہا: "بچوں کا طریقہ جنگ۔ طرز گفتگو اور ادائے صبر بتا رہی ہے کہ علیؓ کے نواسے ہیں۔ بھوکے پیاسے ہیں۔ خون میں تر بتر ہیں لیکن چہرہ پر شکن یا زبان پر شکوہ نہیں ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ان کا باپ کٹا۔ حسینؓ آؤ اپنے بہادر بچوں کی لاشیں لے جاؤ۔ اور ان کی ماں سے کہہ دو عمرو سعد نے ان کو دولھا بنا دیا"۔

زینبؓ اور شہر بانو دروازے پر اور امام حسینؓ خیمہ سے باہر کھڑے تھے۔ عمرو سعد کی آواز جس وقت بی بی زینبؓ کے کان میں پہنچی تو آسمان کی طرف آنکھ اٹھا کر خدا کا شکر ادا کیا۔ امام حسینؓ بہن کو دیکھنے آئے تو تبسم کر رہی تھیں

چاہتے تھے لپٹ جائیں۔ آنکھ سے آنسو بہ رہے تھے بہن کو دیکھ کر آگے بڑھے اور کہا۔

"زینبؓ تیرے بچے رخصت ہوئے!"

بی بی زینبؓ کے ٹھنڈے سانس کے ساتھ زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے

"حسینؓ میرے واسطے رونے کا مقام نہیں۔ شکر کا مقام ہے۔ پانی میسر نہیں تیمم کر رہی ہوں کہ دو نفل شکریہ اُس خدا کا ادا کروں جس نے آج مجھے سرخ رو کیا اور مجھے ایسے بچے دیئے جو میرے بھائی پر نثار ہو گئے۔"

امام حسینؓ نے حضرت عباسؓ سے کہا "بھائی آؤ بچوں کی لاشیں اٹھالائیں۔" کہرام مچا ہوا تھا۔ امام حسینؓ بچوں کی لاشیں لینے گئے اور بی بی زینبؓ نے استقلال سے دوگانہ ادا کیا سجدہ میں گریں اور کہا۔

"تو نکتہ نواز ہے مجھ دکھیا کے دونوں بچے تیرے نام پر تیرے رسول کی اُمت کے ہاتھوں بیدردی سے قتل کئے گئے۔ میں نے ان کو بھوکا پیاسا تیرے گھر سے نکالا، ان کی لاشیں آرہی ہیں۔ صبر کی توفیق دے اور دل پر ایسا پتھر رکھ دے کہ جو کچھ گذری ہے اُس کو شکر سے برداشت کروں۔" دُعا کر رہی تھیں کہ بچوں کی لاشیں خیمہ میں آئیں اُٹھیں تو بھائی نے کہا۔

"زینبؓ تیرا ارمان پورا ہوا۔ تیرے بچے جن کی شادی کا تجھ کو ارمان تھا دولہا بنکر تیرے سامنے آگئے۔ کیوں زینبؓ مجھ ماموں کے دل پر کیا گذری ہوگی جن بچوں کو ان ہاتھوں سے پال پوس کر اتنا کیا تھا۔ ان ہی سے اُن کی لاشیں اٹھالیں تیرے بچے۔ بچے نہیں بڑے تھے کہ عمرو سعد اور اس کا لشکر عش عش کر رہا ہے۔ قربان اس منہ کے جس نے کہا "ہم حسینؓ کے بھانجے نہیں۔ غلام ہیں

میرے بچو تم کو سر پر رکھوں تمہاری لاشوں کو آنکھوں سے لگاؤں حسینؑ کے غلام نہیں کلیجے کے ٹکڑے تھے۔ ماموں حقِ مہمان نوازی نہ ادا کر سکا۔ تم نے زینبؑ کے دودھ کا ایسا حق ادا کر دیا کہ نانا جانؐ کی امت تمہارے نام پر فدا ہوگی زینبؑ اپنے بچوں کو عروسی جوڑا پہنا ان کی برات تیار کر، ماموں ان کی دولہن بیاہ لائے۔"

زینبؑ خاموش کھڑی بھائی کی تقریر سن رہی تھیں۔ جب امام عالی مقام خاموش ہوئے تو کہا بھیا اب تم باہر چلے جاؤ کہ میں ان مہمانوں سے باتیں کروں۔ ان کے دودھ بخش دوں اور ان سے کہدوں کہ ماں کا کہا سنا معاف کرنا۔ اور جس سختی اور ترشی سے وداع کیا تھا۔ اس کی شکایت نانا نانی سے نہ کرنا۔

امام حسینؑ باہر چلے گئے تو بی بی زینبؑ بچوں کے سرہانے بیٹھ گئیں۔ جسم سے خون جاری تھا اور کپڑے شرابور تھے۔ دو چار لمحہ غور سے دیکھنے کے بعد ایک چیخ مار کر یہ کہتی ہوئی لاش پر گریں۔

"عون و محمد تمہارا قاتل عمر و سعد نہیں زینبؑ ہے جس نے اپنی آنکھ کے سامنے تمہاری گردن پر چھری پھیر دی علی اکبر میاں جاؤ عمر و سعد کو مبارک باد دے دو کہ جن بچوں کو کبھی پھول کی چھڑی نہ لگائی تھی۔ آج تو نے ان کو خون میں ڈبو دیا۔ تیری مراد پوری ہوئی۔ اور جن دونوں کو دائیں بائیں پہلو میں لٹا کر لوریاں دی تھیں، جو ٹھمک ٹھمک کر ماں کی گود سے چمٹتے تھے۔ جو ٹھنک ٹھنک کر ماں کے ہاتھوں سے نوالے کھاتے تھے۔ ان کی لاشیں اس وقت ماں کے سامنے پڑی ہیں۔ عمر و سعد میں نے یہ لال بڑی مصیبت سے پالے تھے۔ راتوں کی میٹھی نیندیں ان پر قربان کی تھیں اور دن کے لطف و آرام ان پر چھاور

کر کے اتنا بڑا کیا تھا عمر و سعد ادھر آ اور جس کلیجہ میں ناسور ڈالے ہیں اس میں تلوار بھونک دے کہ آج ایک دفعہ اپنے دونوں معصوموں کے برابر پھر لیٹ کر آخری لوریاں دے دوں۔ عونؓ و محمدؓ میں تمہاری ماں نہ تھی۔ دودھ پلانے والی انّا اور پرورش کرنے والی کھلائی تھی۔ میں نے تم کو اپنے بھائی کے گھر سے اس وقت نکالا جب بھوک اور پیاس نے جان پر بنا دی تھی۔ بچو خطا وار زینبؓ سنگدل انّا کا اور ظالم کھلائی کا قصور معاف کر دو۔ سلام کو جھکتے تھے پاؤں دباتے تھے تو درازیٔ عمر کی دعائیں دیتی تھی۔ آج ماں کے حکم پر جان نثار کر گئے اب کیا دعا دوں یہ کہکر بی بی زینبؓ بچوں کے بیچ میں لیٹیں اور کہا "جس سینہ سے دودھ پیا آؤ ایک دفعہ اور اس سے لپٹ جاؤ" پہلے چھوٹے کے منہ پر ہاتھ پھیر کر اس کا خون اپنے ہاتھ سے ملا۔ اس کے بعد بڑے کی طرف مڑ کر کہا "میرا بچہ محمدؓ، کربلا کے میدان میں تیرے سپرد ہے۔ جب رات کے وقت سوتے میں ڈرتا تھا تو چمٹا لیتی تھی۔ اب اگر یہ چونکے تو ماں کے بدلے گلے سے لگا لیجیو۔ ظلم و ستم سے شہید ہوا بچہ جنگل بیابان میں تیرے حوالے کرتی ہوں۔" اسی ہچکی بندھ گئی تو اٹھ کر چاروں طرف پھریں اور بچوں کے ہاتھ آنکھوں سے لگا کر کہا "ماں ننھے ہاتھوں کے نثار عمر و سعد کو دکھا دیا کہ میدانِ جنگ میں بہادر کس طرح جان دیتے ہیں" دفعۃً کچھ خیال آیا اور بھائی کو بلا کر کہا "کیوں بھائی بچوں سے کچھ خطا تو نہیں ہوئی۔ اگر کوئی لفظ خلاف مزاج زبان سے نکل گیا ہو تو معاف فرما دیجیے۔ میں نے منع کر دیا تھا کہ ہرگز ہرگز یہ نہ کہنا کہ ہم امام کے بھانجے ہیں۔" امام حسینؑ بہن کو لپٹ کر رونے لگے اور کہا زینبؓ تیرے بچے تیرے حکم کی تعمیل کر گئے۔ دشمنوں نے ہر چند

پوچھا مگر وہ یہی کہتے کہتے دنیا سے سدھارے کہ ہم امام کے غلام ہیں۔ زینبؓ تیرے بچے کلیجہ پر ایسا داغ دے گئے کہ اب زندگی کا ہر لمحہ وبال ہے۔"

یہ سن کر بی بی زینبؓ مسکرائیں بچوں کے منہ چومے اور بھائی سے کہا۔ "لیجئے لیجائیے اور میرے چاند سے ٹکڑوں کو دفن کر دیجئے مگر عمر و سعد سے اتنا کہدیجئے کہ زینبؓ کے بچے تجھ کو علیؑ کے خون کا رنگ دکھا گئے تو نے جن بچوں کو خون میں نہلا کر دنیا سے رخصت کیا۔ یہ میری عمر بھر کی کمائی تھی۔ اب زینبؓ کی گود خالی ہے وہ ہاتھ جھاڑ کر ہو بیٹھی۔ اور منتظر ہے اس وقت کی جب تیری تلوار یا تیر اس کا خاتمہ کر دے۔ اور بچوں سے ملوا دے جن کو تو نے کربلا کے میدان میں ماں کے سینہ سے چھڑوایا۔"

حالانکہ کوئی بچہ بھی دفن نہ ہوا تھا اور جناب زینب نے ایسی کوئی بات نہیں کی کیونکہ تمام شہدا کی لاشیں ایک جگہ اکٹھی کی جا رہی تھیں اور دفن نہیں کی جا رہی تھیں

حضرت عباس کی شہادت

بچوں کی لاشیں دفن کے واسطے چلیں۔ بی بی زینبؓ جانماز پر بیٹھیں اور بھائی کی سلامتی کی دعا میں مصروف ہوئیں۔ امام حسینؑ واپس خیمہ میں آئے تو خود میدان میں جانے کا قصد کیا اتنے میں مسلم بن عقیل کی بچی حضرت عباسؓ کے قدموں میں آکر گری اور کہا "چچا جان خدا کے لئے ذرا سا پانی لا دیجئے۔" شہزادی کے سر پر ہاتھ پھیر کر اس کو گلے سے لگا کر حضرت عباسؓ نے کہا۔ "اچھا بی بی لاتا ہوں۔" یہ کہکر مشک کندھے پر رکھی۔ امام حسینؓ نے روکا اور کہا "ذات پر عمر و سعد نے پہرے بٹھا دئے ہیں۔ پانی کا ملنا آسان نہیں ہے۔" حضرت عباسؓ نے جواب دیا "جانتا ہوں

کرشہادت لازمی ہے بہتر ہوگا کہ بھائی مسلمؑ کی شہزادی کے حکم کی تعمیل میں شہید ہو جاؤں"۔ یہ کہہ کر آگے بڑھے پہرہ داروں نے تیر برسائے مگر کربلا بہادر گھوڑے کی ایک ہی جست میں سر پر پہنچ گیا۔ اور چاروں طرف قتل عام کرتا ہوا فرات کے کنارے پر جا کھڑا ہوا۔ پیاس کے مارے بُرا حال تھا۔ ایک ایک چلو پانی بھرا چاہا کہ پانی لوں فوراً خیال آیا کہ عہد شکنی ہو گی۔ جب تک مسلمؑ کی بچی کے خشک ہونٹ پانی سے سیراب نہ کرلوں' یہ پانی مجھ پر حرام ہے۔ پردہ نشین عورتیں پانی کو ترسیں شہربانو اور زینبؑ تڑپیں اور میں پانی پیوں۔ چلو پھینک دیا۔ مشک بھری اور یہ کہہ کر بڑھے اب تم میں سے جس کی ہمت ہو سامنے آجائے۔

حضرت عباسؑ کے فرات کی طرف جاتے ہی عمر وسعد نے لشکر کو للکار کر کہا "ہوشیار ہو جاؤ عباسؑ کی جرأت و ہمت تمہاری شجاعت و تدبیر کو خاک میں ملا دے گی فرات کا کوئی جری ایسا نہیں کہ عباسؑ کو روک سکے۔ بہتر ہے کہ تم اپنا رُخ اسی طرف پھیر دو۔ دیکھو عباسؑ پانی لے گیا تو لڑائی ختم نہ ہوگی۔ اور تعجب نہیں کہ مٹھی بھر بنو فاطمہ ہم سب کو تاراج کر دیں تم میں سے کون ایسا جری ہے کہ جو عباسؑ کے مقابلہ کو جائے اور دولت سے مالا مال ہو۔

عمر وسعد کی تقریر سے حرنیسہ بن زید کے منہ میں پانی بھر آیا اور اس نے کہا۔ کہ" میں ابھی عباسؑ کا سر آپ کے قدموں میں لا کر ڈالتا ہوں"۔ یہ کہکر وہ فرات کی طرف چلا اور صورت دیکھتے ہی حضرت عباسؑ سے کہا۔ "تم کو معلوم ہے' میں کون ہوں' آج عرب کے بہادر میرے نام سے کانپ رہے ہیں حسینؑ کو بھائی سے محروم کرنے والی تلوار میری ہوگی ہوشیار ہو جاؤ"۔

حضرت عباسؓ نے مشک بھر لی تھی اور خیمہ کی طرف رُخ تھا کہ حرنیسہ سر پر آپہنچا۔ اور تلوار تولی تلوار چمکی اور گری۔ مگر حضرت عباسؓ کی سپر سے دو ٹکڑے ہوئے۔ اور اب حرنیسہ کا ہاتھ جری کے ہاتھ میں تھا انھوں نے باواز بلند پکارا۔ "بھائی حسینؑ اس ملعون کو کتے کی موت مارتا ہوں" یہ کہکر ایک جھٹکا دیا تو حرنیسہ گھوڑے سے گرنے والا تھا کہ ایک دوسرا شخص پیچھے سے تلوار تول کر آیا اور وار کیا حرنیسہ بھاگا اور حضرت عباسؓ نے پلٹ کر اس کو وار دے ایسا ہاتھ دیا کہ دو ٹکڑے ہو گئے۔ اب ایک پورا گروہ ٹوٹا اور ایک ظالم کی تلوار ایسی پڑی کہ سیدھا ہاتھ کٹ گیا۔ عباسؓ جری نے دوسرے ہاتھ سے مشک تھامی اور انبوہ کو چیرتے ہوئے اُڑے عمرو سعد نے چیخ کر کہا "مشک چھلنی کر دو عباسؓ جانے نہ پائے اس وقت عمرو بن الحجاج کے پیہم تیر مشک پر پڑے اور ایک بوند پانی نہ رہا۔ عمرو سعد خود اس طرف آگیا اور کہا "دیکھو عباسؓ زندہ نہ جائے" اس حکم کی تعمیل میں ایک دستے نے بیچ میں گھیر لیا اور رحیم کا کشتی تا شہید ہوا۔

حضرت عباسؓ کی شہادت نے حضرت امام کی کمر توڑ دی عمرو سعد نے کہا حسینؑ آؤ جس پر گھمنڈ تھا وہ بھی فنا ہوا عباسؓ کی لاش لے جاؤ اور کوئی باقی ہو تو اس کو بھی بھیجدو" اس کا جواب امام حسینؑ نے کچھ نہ دیا۔ خاموشی کے ساتھ لاش اٹھا کر لائے اور رسولؐ کی شہزادی سے کہا "لو بی بی تمہارے حکم کی تعمیل ہو گئی"

حضرت قاسمؑ کی شہادت

عباسؓ کی شہادت نے امام حسینؑ کی امیدوں کا خاتمہ کر دیا اور ان کو

یقین ہو گیا کہ اب میں بھی اس دنیا میں ایک آدھ گھڑی کا مہمان ہوں دفن کے بعد خیمہ میں واپس تشریف لائے اور میدانِ جنگ میں جانے کی تیاریاں کیں تو حسنؓ کا لال قاسم سامنے آکر دست بستہ کھڑا ہوا اور کہا "چچا جان میرا حمایتی اور سفارش کرنے والا خدا کے سوا کوئی نہیں میں اتنی دیر سے دیکھ رہا ہوں کہ شاید اب مجھ کو بھی علیؓ کی اولاد سمجھ کر شہادت کی عزت عطا فرمائیں۔ ابا زندہ ہوتے تو اجازت دلواتے پھوپی جان سے کہا وہ خاموش ہو گئیں۔ چچی جان سے عرض کرتا ہوں تو وہ منہ پھیر لیتی ہیں۔ بھائی اکبرؓ سے کہا تو انھوں نے جواب نہ دیا میں سمجھتا ہوں کہ شاید آپ کے بھائی کی اولاد نہیں۔ عونؓ و محمدؓ جیسی کمسن امامت پر نثار ہو گئیں۔ اور میدانِ کربلا میں میرے باپ کے سوا سب نے شہادت کے بہتے دریا میں ہاتھ دھوئے۔ آج فیصلہ کر دیجیے کہ میں آپ کا بھتیجا نہیں ہوں یا اب مجھ کو اجازت ہو کہ ان سنگ دلوں کو گستاخی کا مزہ چکھا دوں" امام حسینؓ نے قاسمؓ کو سینہ سے لگایا۔ اور کہا "بیٹا! تمہارے باپ کی شہادت ابھی آنکھ کے سامنے ہے تمہاری صورت دیکھ کر دل کو تسکین دے لیتا ہوں۔ زینبؓ کے بچے دل میں زخم ڈال چکے اب اس زخم کو ناسور نہ بناؤ چچا اس وقت تمہاری اعانت کا محتاج ہے۔ اس پر تم رحم کرو آنکھیں بہت کچھ دیکھ چکیں، اب کیا تماشہ دکھانا چاہتے ہو۔ عونؓ و محمدؓ کے جنازے ڈھوئے۔ عباسؓ کو دفن کیا۔ اب کیا اور خدمت لینی ہے۔ بھانجے چھوٹے۔ بھائی بچھڑے۔ اب مرنے والے بھائی حسنؓ کا نام بھی ختم کر جاؤں اور پھر یہ منہ بھائی کو جا کر دکھاؤں زینبؓ مدد کرو۔ اور حسنؓ کے لال کو سمجھاؤ کہ چچا کے پہلو میں دل ہے۔ پتھر نہیں ہے۔"

قاسمؓ نے اپنا سر چچا کے قدموں میں رکھا پاؤں چومے اور کہا۔
"چچا جان ارشادِ عالی سر آنکھوں پر لیکن میں اس وقت اگر بچ گیا تو کل میدانِ حشر میں منہ باپ کو دکھانے کے قابل نہیں ہے۔ کیا دادی اماں کے اس سوال کا جواب میں دے سکتا ہوں کہ قاسمؓ جس وقت کربلا کے میدان میں حسینؓ دشمنوں کے نرغہ میں پھنسا عونؓ و محمدؓ جیسے بچے اس پر نثار ہوئے۔ اس وقت تم نے چچا کو کیا مدد دی؟ چچا جان جب فرشتے مجھ کو گھسیٹ کر سرورِ عالم کے حضور میں یہ کہہ کر پیش کریں گے کہ حسن کا بچہ قاسمؓ کربلا میں جان بچا گیا۔ تو فرمائیے کس منہ سے سامنے جاؤں گا۔"

بی بی زینبؓ خاموش کھڑی یہ کیفیت دیکھ رہی تھیں۔ جب امام حسینؓ نے بلایا تو وہ آگے بڑھیں اور روتی رہیں۔ قاسمؓ کی درخواست جب منظور نہ ہوئی تو ادھر آئے اور پھوپی کے قدموں کو بوسہ دے کر کہا: "پھوپی جان اس لئے کہ میرا باپ دنیا سے اٹھ گیا۔ آج کوئی اتنا نہیں کہ مجھ کو رن کی اجازت دلوائے عونؓ و محمدؓ آپ کے بچے تھے۔ میں غیر کا بچہ ہوں، آپ میری سفارش نہیں کرتیں کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہیں کہ حسنؓ کے بعد اس کے یتیم قاسمؓ کی حمایت کو اٹھے اور میدانِ کربلا میں بھجوائے۔"

اب بی بی زینبؓ سے ضبط نہ ہو سکا انھوں نے قاسمؓ کو گلے سے لگایا بھائی کے پاس لے کر آئیں اور کہا "عونؓ و محمدؓ نانا کے قدموں میں کھیل رہے ہیں قاسم نے کیا قصور کیا کہ جنت کی سیر سے محروم رہے پھوپی اس کی سفارش کو آئی ہے۔ رن کے واسطے مچل رہا ہے اور کہتا ہے

میرا باپ زندہ ہوتا۔ تو مجھے بھی اجازت ملتی حسینؑ میرا کلیجہ اس کے کہنے پر کٹ گیا اسے بھی اجازت دو۔" امام حسینؑ نے ایک دفعہ اور قاسمؑ کو سمجھایا مگر بیکار تھا۔ آخر بہن کی طرف منہ کیا اور کہنے لگے۔

" اگر تمہاری یہی خوشی ہے تو بسم اللہ قاسم کو بھیجدو لیکن یہ یاد رکھو کہ حسنؑ کی نسل آج دنیا میں منقطع ہوتی ہے اور کون کہتا ہے کہ عمر وسعد ایک بچہ کو بھی زندہ چھوڑے گا۔ تم میدان کربلا میں قاسمؑ کو بھیج کر سادات کا خاتمہ کرتی ہو۔ اب تم جانو اور تمہارے ماں باپ جانیں۔ میدان حشر میں اس کا جواب تم ہی دے لینا۔"

بی بی زینبؑ نے کچھ دیر تامل کے بعد کہا۔" اگر سادات کو دنیا میں زندہ رہنا ہے تو خدا بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور ختم ہی ہونا ہے تو تم کو کیا ہماری کوشش کیا، یہ کہہ کر انھوں نے بھتیجے سے کہا۔" چچا کا شکریہ ادا کرو اور بسم اللہ کہہ کر رن کو سدھارو۔"

قاسمؑ نے باغ باغ ہو کر ہتھیار لگائے اور میدان جنگ میں پہنچ کر کہا۔

"عمر وسعد! عونؑ و محمدؑ میرے دونوں بھائیوں نے آخر وقت تک تجھے یہ نہ بتایا کہ وہ کون ہیں۔ وہ بالآخر شہید ہوئے ان کی لاشیں ان کی ماں بنت علیؑ کے پاس پہنچ گئیں۔ مگر وہ یہ کہتے کہتے دنیا سے رخصت ہوئے کہ امام کے غلام ہیں میں تجھ کو بتا دیتا ہوں کہ وہ میری پھوپی بنت علیؑ کے پھول تھے جن کا بچپن قبروں میں تیرا مرثیہ پڑھ رہا ہے میں بھی امام کا غلام ہوں اور اب صرف یہ آرزو ہے کہ اپنے آقا اور مولا پر قربان ہو جاؤں سن اور

سمجھ میں حسینؓ کا غلام اور حسنؓ کا لخت جگر ہوں۔ اس قربان گاہ میں بساط اسلام کے اس چاند پر جو میرے عم محترم کی صورت میں میدان کربلا کو جگمگا رہا ہے جس قدر چکوریں فنا ہوئیں ان میں سے ہر ایک میں کوئی نہ کوئی خصوصیت تھی میرا فرض ہے کہ تجھ کو بتا دوں میں اس باپ کا بیٹا ہوں جس کی زندگی میں بھی اور جس کے بعد بھی اس دنیا کی ایک چیونٹی تک اس کی شاکی نہ ہوئی۔ آج تمہارے بیس بائیس ہزار لشکر میں ایک متنفس بھی ایسا نہ نکلے گا جس کی زبان اگر ایمان سے آشنا ہے تو حسنؓ کی شکایت بیان کر سکے تجھ کو اچھی طرح یاد ہوگا کہ جب تیرے آقا امیر معاویہؓ نے میرے آقا امام حسنؓ سے بیعت کی خواہش کی تو ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ میرے باپ علیؓ کو تو اور تیرے خوشامدی برا نہ کہیں اور شکایت کا جو ڈھونگ مسجد میں رچایا جاتا ہے وہ بند ہو جائے۔ میں جانتا ہوں کہ ایمان کی روشنی تیرے دل سے دور ہو چکی۔ مگر چاہتا ہوں کہ موت کے وقت جب فرشتے تیرے اعمال پر لعنت برسائیں تو فاسق کے یہ الفاظ تیرے زخم پر کچوکے ہوں کہ ہماری اس التجا کا جواب تیرے والد نے یہ دیا کہ علیؓ کے خلاف جو صدا بلند ہوگی کوشش کروں گا کہ وہ آپ کے کانوں تک نہ پہنچے۔ اب تو ہی بتا کہ حسینؓ جیسے فرشتہ انسان کی خواہش کا یہ جواب کہاں تک صحیح ہے۔ میرا باپ اور معاویہؓ دونوں اس دنیا سے رخصت ہو چکے۔ لیکن میں اور میرے نانا کا کلمہ پڑھنے والے حق رکھتے ہیں کہ اس خواہش اور جواب کو ایمان کی کسوٹی پر پرکھیں اور دیکھیں کہ کیا ہو رہا ہے جس

حسن کے ہاتھ سے کسی زندہ روح کو کبھی اذیت نہ پہنچی، اس کا نام لیوا ہوں اور نہیں چاہتا کہ تجھ پر یا تیرے لشکر پر قبل از تلقین ہاتھ اٹھاؤں۔ تجھ کو وہ وقت یاد ہونا چاہیئے اور یاد ہوگا اور میں نے سنا ہے کہ تیری ماں فاطمہ بنت سعید میری دادی فاطمہ بنت محمدؐ کے قدموں میں گھٹنوں سر رکھ کر روتی تھی یقین کر اگر تیری ماں فاطمہ زندہ ہوتی تو اپنی چھاتیوں کو جن کا دودھ پی کر جوان ہوا کاٹ کر پھینک دیتی تو ہم بے گناہوں کے قتل پر کمربستہ ہے تو نے ہمارے آدمی ہماری آنکھوں کے سامنے قتل کر دیئے۔ مگر دل اب بھی ٹھنڈا نہ ہوا۔ عمر و سعد! نمرود جیسے جفا کار نے بھی اپنے ظلم کی آگ صرف دادا ابراہیمؑ تک محدود کی تھی تو نے ہمارے بچوں اور پردہ نشین عورتوں کو پانی تک کے واسطے بھڑکا دیا۔ میں تجھ کو سمجھاتا ہوں کہ شیطان کے پھندے سے اب بھی نکل جا عمر و سعد یہ جلوے فانی ہیں اور امیدیں جھوٹی ہیں سنبھل اب بھی سنبھل اور جو کچھ کیا اس پر توبہ کر۔"

ابن حسنؓ کی اس تقریر کا جواب ایک تیر تھا جو عمر و سعد نے پھینکا۔ اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ حسنؓ کا لال تلوار کھینچکر دشمن پر گرا اور شجاعت کے جوہر دکھا کر شہید ہوا۔

شہادت حضرت علی اکبرؓ

قاسمؓ کی شہادت پر عمر و سعد نے قہقہہ لگا کر امام حسینؓ کو آواز دی کہ بہن کے بچے دفن ہو چکے۔ اب بھائی کا بچہ دم توڑ رہا ہے"

امام حسینؓ آگے بڑھے بھتیجے کی لاش بھائی کے برابر دفن کرنے کے بعد خیمہ میں پہنچے تو قیامت مچی ہوئی تھی اور علی اکبرؓ میدان کے لئے ہتھیار لگا چکے تھے سب سے پہلے شہر بانو نے امام کی صورت دیکھ کر اپنے آنسو پونچھے اور کہا:۔

"میرے بچے نے روتے روتے آنکھیں سجھالیں، اس کے دل میں رہ رہ کر ہوک سی اٹھتی ہے کہ برابر کے بھائی اور چھوٹے چھوٹے بچے بازی لے گئے۔ اور یہ اب تک چوڑیاں پہنے اپنے گھر میں بیٹھا ہے"!

امام حسینؓ نے شہر بانو کی درخواست سن کر ٹھنڈا سانس بھرا اور کہا:۔ "اکبرؓ کو اجازت دینے کا اختیار مجھ کو نہیں ہے مجھ سے زیادہ حق زینبؓ کا ہے جس نے ننھی سی جان کو پال پوس کر جوان کیا۔ شہر بانو اپنے اوپر اور میرے اوپر اور زینبؓ پر رحم کرو۔ وہ کلیجہ کے دو ٹکڑے ابھی ابھی خون میں نہلا چکی ہے۔ اگر اکبرؓ زندہ رہے تو اس کے زخم پر مرہم رکھو۔ ورنہ میں نہ ہونگا۔ لیکن تم دیکھو گی اور دیکھنا پڑے گا کہ بنت علیؓ میدان کربلا میں بھتیجے کی لاش سے چمٹ چمٹ کر مر جائے گی۔ اس نے اپنی راتوں کی نیند اور دنوں کا آرام اس کی معصومیت پر نثار کئے ہیں اب اس جوان شیر کو موت کے منہ میں ڈالنا ناشاد زینبؓ پر ایسا ظلم ہوگا جس کے خیال سے اولاد والے تڑپ اٹھیں گے"!

ابھی یہ تقریر ختم نہ ہوئی تھی کہ بی بی زینبؓ ہاتھ میں ایک پنچی سی لے کر آئیں اور بھائی سے کہا"۔ میاں بیوی نے اکبرؓ کو میدان کی اجازت دی۔ بھائی اچھا کیا مجھ بدبخت کی خدمت کا کچھ تو خیال کیا ہوتا۔ مگر میں کون تھی جو تیار ہونے سے پہلے مجھ سے اجازت لیتے، میں تو فقط پالنے والی تھی، مگر خدا گواہ ہے

کہ دم بھر کو بھی آنکھ سے اوجھل ہو جاتا ہے تو دیوانی ہو جاتی ہوں اور دل میں ہزاروں طرح کے وہم پیدا ہوتے ہیں۔ بھیا تم نے بدنصیب بہن کی خوب خدمت کی میدان کربلا میں اچھی قدر کی مجھے خبر نہ تھی کہ جس اکبرؓ پر جان نثار کر رہی ہوں زینبؓ کا نہیں حسینؓ کا بچہ ہے اور اس کی مختار میں نہیں شہربانو ہیں۔ لو بیگم مجھ سے اپنے بچے کے کپڑے سنبھال لو۔ اس میں اس وقت کے کپڑے اور شلوکے بھی ہیں جب یہ نادان میری گود میں تھے اور بات بھی کرنی نہ آتی تھی شہربانوؓ اس پوٹلی میں اکبرؓ کے بچپن کے جھنجھنے بندھے ہوئے ہیں جو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتی ہوں۔ جب گھٹنیوں چلتا تھا میں نے اس کے قدم قدم پر جان لڑا کر اس دن کو جوان نہ کیا تھا کہ تم دونوں ماں باپ رن کی اجازت دو اور ناشاد زینب سے جو ماں اور پھوپی نہیں کہلائی ہے دریافت بھی نہ کرو۔ بھائی کربلا کے میدان نے مجھے بتا دیا کہ اپنے اور دوسرے کے پیٹ میں کیا فرق ہوتا ہے۔ پالنے والی میں تھی اور میدان میں بھیجنے والی یہ تھیں۔ اچھا میاں جاؤ خدا حافظ و ناصر۔ یہ کہہ کر بی بی زینبؓ نے ایک تعویذ سا گلے سے اتار کر دیا اور کہا۔

"لو بیوی یہ اپنے بچے کے بتیس کے بتیس دودھ کے دانت گن لو۔ ان موتیوں کو چن چن کر روز آنکھوں سے لگا لیتی تھی جب سے اللہ رکھے سیانا ہوا پیار کرتے شرم آتی تھی کئی دفعہ ارادہ کرتی تھی جب ایک آدھ دفعہ وہ بھی سوتے میں یہ منہ چوم لیتی تھی ۔۔۔ ان دانتوں کو آنکھوں سے لگا لیتی تھی۔ لو یہ بچہ بھی تمہارا اور دانت بھی تمہارے۔"

اب بی بی زینبؓ نے علی اکبرؓ کی طرف دیکھا اور کہا "اکبرؓ ماں

باپ گلے لگا کر رخصت کریں گے اور زینبؑ بلائیں لے کر" اس کے بعد بنت علیؑ کی آواز نہ نکل سکی۔ بلائیں لینے کو ہاتھ آگے بڑھا رہی تھیں کہ ایک چیخ ماری۔ یہ کہہ کر گریں اور بے ہوش ہوگئیں۔

"حسینؑ کس دل سے میرے لال کو میدان کی اجازت دی۔ ابھی تو بدبخت پھوپی زندہ ہے۔"

بی بی زینبؑ کو ہوش میں لانے کی ہر چند کوشش کی۔ مگر جب ہوش نہ آیا تو شہربانوؑ نے علی اکبرؑ سے کہا کہ پانی اور ٹھنڈی ہوا میسر نہیں، پھوپی کے منہ پر منہ رکھ دو تمہاری خوشبو سے ہوشیار ہو جائیں گی۔" علی اکبرؑ نے بہت ضبط سے کام لیا۔ مگر پھوپی کے پاس پہنچتے ہی دل بگڑ گیا اور رو کر کہا "اماں جان اکبرؑ کا منہ اس قابل نہیں ہے کہ پھوپی اماں کے منہ پر منہ رکھ دوں۔" یہ کہا اور گلے میں ہاتھ ڈال کر سینہ پر سر رکھ دیا بی بی زینبؑ نے آنکھ کھولی۔ سر کو خاموشی سے بوسہ دے کر کہا۔

"جاؤ بیٹا۔ میدان میں جاؤ۔ مگر حسینؑ کو آج ناموس محمدؐ کے معنی معلوم ہو جائیں گے۔ ماں نے ہتھیار سجائے، باپ نے اجازت دی۔ پھوپی گود میں لے کر جائے گی اور عمرو سعد سے کہے گی کہ وہ تلوار جو اکبرؑ کو شہید کرے، پہلے زینبؑ کا خاتمہ کر دے۔"

علی اکبرؑ پر ایک خاص کیفیت طاری تھی۔ پھوپی کی زبان سے سنتے ہی وہ لپٹ گئے۔ زبان سے کچھ نہ کہا مگر ہچکی بندھی ہوئی تھی اور ہاتھ جڑے ہوئے بچے کے لپٹتے ہی مامتا کی آگ بھڑک اٹھی امام اور شہربانوؑ دونوں

زار قطار روئے جب بی بی زینبؑ نے اکبرؑ کو اپنی گود میں چھپایا اور کہا عونؑ و محمدؑ کی موت آنکھوں کی ٹھنڈک تھی۔ اُس وقت خوش تھی اور اس وقت بھی خوش ہوں کہ قیامت کے روز عزت سے اُٹھوں گی خوشی سے بڑھوں گی اور عاجزی سے لپٹ لپٹ کر اماں اور بادا سے کہوں گی کہ حسینؑ کی مصیبت پر عمر بھر کی کمائی یہی دو لال تھے جو نثار کر دیئے گئے۔ مگر کیا کروں تیری جان سے دُور، تیرا بال بھی بیکا ہوا قیامت بپا کر دوں گی۔"

اس وقت امام حسینؑ نے آگے بڑھ کر بی بی زینبؑ کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا "دنیا میں ماں ہو تو تم اور بہن ہو تو تم۔ تم نے ماں کے بعد وہ کیا جو کوئی بہن نہ کرے گی۔ مگر اس آخری لمحہ میں تمہاری گفتگو نے بدن کے رونگٹے کھڑے کر دیئے جس روز سے اکبر کو تمہاری گود میں دیا اُس روز سے بھی اس کے معاملہ میں بھائی بھاوج نے دخل نہ دیا۔ یہ بھی تمہارا ہم بھی تمہارے۔ ہم نے اجازت نہیں دی۔ تمہارے صاحبزادے اتنی دیر سے آگے پیچھے پھر رہے ہیں جب اُنھوں نے قدموں میں سر رکھا تو میں نے کہہ دیا مجھ پر نہیں بدنصیب پھوپی پر رحم کرو۔ دونوں آنکھوں کے تارے گنوا چکی! اب تم کو دیکھ کر زندہ رہے گی۔ ورنہ تمہاری شہادت زینب کی موت ہے۔ جب یہ نہ مانے تو میں نے صاف کہہ دیا کہ تمہاری اجازت کا مجھ واسطہ نہیں۔ تم جانو اور پھوپی جانے زینبؑ خدا شاہد ہے میں نے تیرے اکبر کو اجازت نہیں دی۔ میا جانی حسینؑ سے بدگمان نہ ہو۔"

زبانیں اب بند ہو گئیں اور علی اکبرؑ نے پھوپی کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا۔ چند لمحہ یہ حالت طاری رہی۔ خدا معلوم اکبر کی نگاہ میں کیا تھا کہ ممتا کا دریا

آن پڑا۔ زینبؑ نے پیشانی کو بوسہ دے کر کہا: "اچھا جاؤ"۔ اتنا سنتے ہی کربلا کا پردیسی مہمان پھوپی کے قدموں میں گرا ہوا تھا جب بی بی زینبؑ نے سر اٹھا کر کہا، "بسم اللہ کرو"۔ اور اکبرؑ نے جھک کر قدموں کو بوسہ دیا تو بی بی زینبؑ سے پھر ضبط نہ ہو سکا اور کہا۔

"اکبر ابھی تو چند گھنٹے بھی نہیں گذرے کہ بھری گود دیکھتے ہی دیکھتے خالی ہو چکی۔ اب کیا دکھاؤ گے"۔

یہ کہہ کر بی بی زینبؑ نے بھاوج کو گلے سے لگا لیا اور کہا "بس ان کی آرزو پوری ہونے دو کہ سادات کا نام پردۂ دنیا سے مٹ جائے۔ اس کے بعد اکبرؑ کا ہاتھ پکڑا اور کہا "جن ہاتھوں سے عون و محمد کو خیمہ سے نکال کر خون میں نہلانے کو بھیجا تھا۔ ان ہی ہاتھوں سے اکبر کو نکالتی ہوں۔ مگر ان دونوں کو بھیج کر خاموش لیٹ گئی تھی۔ تم کو بھیج کر در خیمہ پر کھڑی قدرت کا تماشہ دیکھوں گی"۔

علی اکبرؑ روانہ ہوئے۔ عمرِ سعد آگے بڑھا اور ہنس کر کہا "اکبر! مجھے تیری جوانی پر رحم آتا ہے ابھی ابھی حسنؑ کی یادگار کو خاک میں ملا چکا ہوں۔ اب تم کیوں زندگی سے بیزار ہو۔ پانی تم کو میسر نہیں غذا تم کو نصیب نہیں۔ آؤ میری فوج میں آؤ۔ جہاں ہر راحت میسر ہے۔ آؤ ان نعمتوں کا لطف اٹھاؤ۔ الحمد للہ میری محنت ٹھکانے لگی۔ میدانِ جنگ میں جو تدابیر میں نے اختیار رکیں اور تمہارے بچوں پر پانی بند کر دیا وہ بارگاہِ یزیدی میں مقبول ہوئیں یہ دیکھو ابھی عبید اللہ ابنِ زیاد کا پروانہ خوشنودی آیا ہے کہ تم سب کا قلع قمع کرتے ہی عراق عرب کی تمام حکومت پر قابض ہو جاؤ۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تم جیسا سمجھدار آدمی

ایک ایسے شخص کی حمایت میں جو خلیفہ وقت کا باغی ہو جس پر خدا کی طرف سے ہر نعمت حرام ہو چکی کیا لے گا۔ میرا دل دیکھو، میری سخاوت پر نظر ڈالو۔ اور میرے کرم کے گیت گاؤ کہ باوجود اس شخص کی اولاد ہونے کے کہ جو بادشاہ وقت سے بپھرا ہوا ہے محض اپنے اختیار سے معاف کرتا ہوں کہ عفو قصور کے طلبگار ہو گے، تو تم کو رہا کر دوں گا!

ممکن ہے کہ عمرو سعد کچھ اور کہتا، مگر علی اکبرؓ کو تاب نہ رہی اور انہوں نے کہا "پرواہ خوشنودی کے نشہ میں اپنا راگ جھوم جھوم کر الاپا تیری بکواس ایک مخبوط الحواس انسان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے ہم تیرے رحم و کرم کے محتاج نہیں۔ تو سمجھتا تھا کہ وہ سر جو تلوار کے آگے بھی خدا کے سوا دوسرے کے سامنے نہ جھکے۔ اور وہ تلوار جس نے عرب و عجم میں اپنا ڈنکا بجا دیا۔ پانی کے دو گھونٹوں پر جھک جائے گی۔ اور وہ فاقوں کی تکلیف ان زبانوں پر جو کلمۂ توحید میں مستغرق ہیں یزید کا نام لے آئیں گی لاحول ولا قوۃ عمرو سعد برداشت ہمارا شیوہ موروثی ہے تو نے سب کچھ سمجھا لیکن یہ نہ سمجھا کہ فقر و فاقہ ہمارا خاندانی جوہر ہے۔ اور خاندان رسالت کا بچہ بچہ اس بساط کا بادشاہ ہے عمرو سعد ہم نے تجھ کو نہیں تاریخ کو ایسا ایسا تماشا دکھا دیا جو ہمارے ساتھ ہی ختم ہوتا ہے اور امید نہیں کہ اب نانا جان کی امت دنیا کو یہ جوہر دوبارہ دکھائے۔ ہری بھری کو نپلیں تیرے تیروں سے تاراج ہوئیں لیکن زبان پر اف تو در کنار آنکھ میں میل بھی نہ آیا۔ عمرو سعد اگر تو عون و محمد کے جسم کو دیکھتا کہ فضا آسمانی میں

قدرت کی بہترین مخلوق ان معصوم روحوں کے استقبال کو ہاتھ بڑھا رہی تھی۔ تو نے اپنے
فانی قہقہوں کی آوازوں میں وہ آسمانی صدائیں نہ سنیں، جو مرحبا کے نعروں میں
فرشتوں کی زبان سے ادا ہو رہی تھیں۔ تو دنیا کو دیکھ چکا اور اس کاغذ کے پرزے
کو پڑھ پڑھ کر باغ باغ ہے۔ اب ذرا دین کو بھی دیکھ اور کلام الٰہی پر غور کر۔ عراق کی
حکومت کا مقابلہ قہر الٰہی سے کر۔ ہمارے صبر کے ساتھ اپنے مظالم کو تول۔ او
زمین پر ہشاش بشاش پھرنے والے ذرا آسمان کی طرف نظر اٹھا اگر کرشمہ ارضی
تیرے واسطے کافی نہیں تو کائنات فلکی تیرے سامنے فنا اور بقا کے مسئلہ کو حل
کر رہی ہے آفتاب کی یہ شدت تھوڑی دیر کے بعد ختم ہوگی اور بساط فلک کی
آغوش میں چاند کلکاریاں مارے گا۔ ہم اس وقت نہ ہوں گے۔ مگر تو اپنی فتح و
نصرت کے غلغلوں میں کان لگا کر سنیو۔ زمین کے ذرے ذرے سے فنا کی
صدائیں بلند ہوں گی جس وقت چادر مہتاب دم توڑے گی۔ اس وقت کا سماں
تجھ کو بتا دے گا کہ عراق کی حکومت کب تک باقی رہے گی۔

حصول مسرت کی کوشش انسان کا جائز حق ہے۔ مگر تو بدبخت تھا کہ اس
سعی میں ایسی بے ایمانی کی جس پر آنے والی دنیا مدۃ العمر روئے گی۔ ہمارا صبر تیرا ستم
حسینؑ کا تحمل اور یزید کا ظلم اہل بیت کا استقلال اور ابن زیاد کی خونریزی
دنیائے اسلام کی مستقل یادگار رہے گی۔ تو مجھ کو ان چیزوں پر مائل کر رہا ہے جن پر
ہم لات مار چکے عمر سعد قسم ہے خدائے رب العزت کی۔ بھوک اور پیاس
دور ہو چکی۔ تیری ناپاک زبان سے میں نے اپنے باپ کے متعلق جو کچھ سنا ہے
اس کا بہترین فیصلہ یہ ہے کہ تو میدان جنگ میں میرے سامنے آجا میں تجھ کو

حق و باطل کا مزہ چکھا دوں اور تیری زبان درازی کی پوری سزا دوں۔
تو مجھ کو موت سے ڈراتا ہے ارے بدبخت یہ عین زندگی ہے۔ اگر تو فرات کو میرے قدموں میں بہا دے جب بھی پیاسا رونگا تجھ پر اور تیرے دریا پر لعنت برسائے عمر و سعد ایک ایک پھوک پیاس کیا یہ جسد خاکی جس وقت خون میں نہائے گا۔ اُس وقت بھی لہو کے ہر قطرے سے حسینؓ کی صدا بلند ہوگی۔ ناہنجار زبان روک اور ہمت ہے تو سامنے آ۔ میں تجھ کو بتا دوں کہ حسینؓ و یزید میں کیا فرق ہے۔"

اب تیغ حیدری چمکی اور پانچ آدمی ایک ایک کر کے فنا ہوئے۔ تو شمر نے عمر و سعد سے کہا۔ فتح ہو یا شکست مگر حق یہ ہے کہ کسی میں ہمت نہیں کہ علی کے پوتے کا مقابلہ کر سکے۔" اتنے عرصہ میں دو شقی اور ختم ہو چکے تھے علی اکبرؓ کی تلوار نے یزیدیوں کو جیسے جی آگ کے معنے بتا دیئے جس طرف رُخ ہوتا تھا سنّاٹا تھا۔ لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں حتیٰ کہ عروف بن سلیمان مقابلہ کو نکلا اور کہا "میں اس عروف کا بیٹا ہوں جس کو تیرے دادا نے قتل کیا۔ عمر اس آرزو میں ختم ہوئی کہ علیؓ کے بعد حسنؓ حسینؓ سے اس خون کا بدلہ لوں۔ آج خدا خدا کر کے یہ موقع میسر ہوا ہے کہ میری آنکھ تجھ کو خون میں تربتر دیکھیں۔ اور یہ ہاتھ جن کی طاقت کا جواب دُنیا میں نہیں تیری گردن مروڑ دیں۔ ہتھیار پر فخر ہے تو وار کر اور کشتی پر ناز ہے تو نیچے اتر آ۔" ابن حسینؓ جواب دینا چاہتے تھے کہ مکر کے پتلے نے تلوار کا وار اس زور سے کیا کہ بایاں کندھا زخمی ہو گیا اور خون بہنے لگا۔ عمر و سعد کے لشکر سے یہ آواز بلند ہوئی کہ علی اکبر آج

عرف و علی کی لڑائی کا فیصلہ ہے: عرف نے علی کو زخمی کیا۔ اب حسینؑ کو بلاؤ کہ آکر بیٹے کی مدد کریں"۔ علی اکبرؑ نے عمر و سعد سے کہا "ناہنجار زبان روک اور ایسے الفاظ منہ سے نہ نکال"۔ یہ کہہ کر سیدھے ہاتھ سے عرف کے سینے میں برچھا مارا۔ ہر چند عرف نے سپر پر روکا اور بچنے کی کوشش کی۔ مگر چشم زدن میں برچھا آر پار تھا۔ اس کے بعد زخمی ہاتھ سے ابنِ حسینؑ نے ایسی تلوار ماری کہ عرف کا سر زمین پر تھا جس کو برچھی پر اٹھا کر علی اکبرؑ نے کہا۔

" عمر و سعد! اب بتا فیصلہ کس کے حق میں ہوا۔ جو تماشہ شیر خدا نے دکھایا تھا۔ اس کا ایک کرشمہ تو نے غلام علیؑ کے ہاتھ سے دیکھ لیا۔ یاد رکھ کہ بڑے سے بڑے ختم کر دوں گا۔ تو پانی کو کہتا ہے۔ ارے ستم شعار ہماری پیاسیں ختم ہو گئیں ورنہ یہ زخمی ہاتھ تیری جمعیت کے مقابلہ میں فرات سے پانی لاتے تو ہماری طاقت دیکھ چکا۔ مگر میرا دل خوش ہوتا جب تو سامنے آتا۔ اب اگر کوئی اور جری ہے تو بھیج دے"۔

عمر و سعد نے سب کی طرف دیکھا۔ مگر عرف کا حشر دیکھ کر سب کے دل ٹھنڈے ہو گئے تھے ایک بھی آگے نہ بڑھا عمر و سعد نے اوپری دل سے کہا "بس تو میں خود ہی جاتا ہوں" مگر جب اس کا جواب فوج نے کچھ نہ دیا تو اس نے کہا "سب مل کر حملہ کر دو"۔ چنانچہ ایک پورے دستہ نے علی اکبرؑ کو گھیر لیا۔ اس پر بھی ابنِ حسینؑ کی تلوار جدھر جاتی تھی آگ اور خون کے دریا بہا دیتی تھی عمر و سعد نے یہ رنگ دیکھ کر چار دستے منتخب کئے۔ اور کہا "تمہارے واسطے اس سے زیادہ کیا شرم کی بات ہوگی کہ ایک شخص نے اتنوں کو قتل کر دیا اور زخم ہزار لئے

اس کو مار نہیں سکتے۔" اب ایک حملہ حسینؑ کے چاند پر ہوا۔ اور چاروں طرف سے تلواریں پڑنے لگیں یہاں تک کہ عمرو سعد نے بآواز بلند کہا۔

حسینؑ آؤ علی اکبر کی لاش مبارک ہو۔"

امام حسینؑ ان کی لاش خیمہ میں لائے تو پیشانی سے جیتا جیتا خون نکل رہا تھا بی بی زینبؑ دروازہ میں کھڑی تھیں۔ چہرہ پر خون کی تللیاں بہتی دیکھ کر کہا "بھائی لاؤ میرے دولھا کو گود میں دو۔ جوان ہو گئے تو پیار کرتے شرم آتی تھی۔ اس وقت جی بھر کر لپٹوں گی۔ عمرو سعد سے کہہ بچے کہ قیامت کے روز اسی طرح علی اکبرؑ کو ساتھ لے کر نانا جان کو دکھاؤں گی کہ یزید اور ابن زیاد کے حکم سے عمرو سعد نے میرے بچے کے خون کا سہرا باندھا ہے۔ یہ لہو کی دھاریں اکبرؑ میاں کے سہرے کی لڑیاں ہیں۔ مجھے یہ خبر نہ تھی کہ اس چاند کو میدان کربلا کے لئے جوان کر رہی ہوں۔

خدا کے لئے عمرو سعد سے پوچھو کہ کس دل سے اس پھول سے حلق پر تلوار چلائی۔ ارے سنگ دل عرب کے قصائی بھیڑوں کو بھی پانی پلا کر ذبح کرتے ہیں تو نے علیؑ کے پوتے کو بھیڑ بکری کے برابر بھی نہ سمجھا۔"

اب بی بی زینبؑ کی حالت ردی ہو گئی۔ بچہ کا خون ہاتھ میں لے کر اپنے منھ پر ملا اور بھائی سے کہا "بسم اللہ کیجئے اور نچائیے۔ بس اب زندگی کے ارمان پورے ہوئے اکبرؑ کے بیاہ کا سہرا بھی دیکھ لیا۔ اب کیا باقی رہا۔" امام حسینؑ نے بہن کے سر پر ہاتھ رکھا اور گلے سے لگایا۔ اور فرمایا "زینبؑ صبر کا وقت ہے صبر شکر کے سوا دوسرا لفظ زبان پر نہ آئے۔ عمرو سعد نے مجھ سے کہا تھا علی اکبرؑ نے میدان جنگ میں یہ الفاظ کہے تھے کہ "رونگٹا رونگٹا حسینؑ پکارے گا علی اکبرؑ

سمجھا تھا۔ آخر وقت جب تلوار گردن پر پڑی تو باپ باپ پکارتے زمین پر گرا۔ آنکھیں تمہارے انتظار میں کھلی ہوئی ہیں۔ میں نے ان کے سامنے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر صرف اتنا کہا کہ "توفیق صبر عطا فرما۔ اس وقت تک اکبرؓ کی کھلی ہوئی آنکھوں کو پیار نہیں کیا۔ اب تمہارے سامنے پیار کرتا ہوں کہ آخری لمحہ بھی باپ کی یاد دل سے نہ گئی۔ زینبؓ میں نے پہلی آواز نہ سنی۔ ورنہ پہنچ جاتا۔ اور زمین پر نہ گرنے دیتا۔"

شہربانوؓ کی حالت ناقابل بیان تھی۔ بی بی زینبؓ کو چکر آ گئے۔ اور وہ یہ کہہ کر لاش پر گریں "پھوپی ان کھلی ہوئی آنکھوں پر قربان گئی"

آفتاب نصف النہار پر تھا۔ جب دس دقت سے بھوکے اور تین دن کے پیاسے حسینؓ ابن علیؓ نے جوان بیٹے کی لاش کے چہرہ پر منہ رکھ کر یہ کہا اور دفن کر دیا کہ "علی اکبرؓ بیٹا پھوپی کے بھکر واسے لال تمہارے باپ پر نثار ہو کر تمہارے پہلو میں سو رہے ہیں حسین کے ساتھی ایک ایک کر کے رخصت ہوئے۔ وہ بھی اس دنیا میں تھوڑی دیر کا مہمان ہے۔ خدا معلوم اس کو قبر کہاں نصیب ہو۔ اور ہو یا نہ ہو۔ میدانِ کربلا کے شہید تمہارے سپرد ہیں طبلِ جنگ بج رہا ہے۔ اب مرد کی صورت خیمہ میں اللہ ہی اللہ ہے۔ میدان کی اجازت تم کو میں نے دی اب تم مجھ کو دو"

بی بی شہربانو کی درخواست

امام حسینؓ علی اکبرؓ کو دفن کر کے خیمہ میں واپس آئے تو شہربانوؓ نے ہاتھ جوڑ کر کہا:-

حاضری کے وقت سے اس وقت تک کوئی درخواست زبان پر نہ لائی

مگر آج ماما کلیجہ کے ٹکڑے اڑا رہی ہے کہ اصغرؑ پیاس کے مارے تڑپ تڑپ بے دم ہوگیا۔ ایمان میرے کان میں کہہ رہا ہے کہ اصغرؑ میری گود خالی کرنے آیا تھا اور میرا پھول میرے ہاتھوں میں چند لمحہ کا مہمان ہے مجھے خبر نہ تھی کہ کربلا کی خاک میرے معصوم کو اپنے پہلو میں بلا رہی ہے۔ میری التجا قبول کیجئے اور میرا بچہ دشمنوں کو دکھائیے کہ اس کے حلق میں آج دو روز سے دودھ کا ایک قطرہ نہیں پہنچا عمرو شمر سے فرمائیے کہ جھگڑا ہم سے ہے تو ہمارے ساتھ جو چاہے سلوک کر میرا معصوم اصغرؑ بے گناہ ہے اس کو چند قطرے پانی کے پلا دے کہ اس کی جان پر آبنی۔ امام عالی مقام یہ تمام عمر میں پہلی درخواست ہے اور اس کی قبولیت کا انحصار آپ کے کرم پر ہے"۔

امام حسینؑ کی خاموش آنکھیں بچّہ کی بے گناہی سے روئیں اور فرمایا۔

"مجھے امید نہیں کہ دشمن تیرے لال پر رحم کریں۔ شہربانو جن لوگوں سے توقع رکھتی ہو انھوں نے سیدہ کے لال کے ساتھ کیا کیا جو تیرے لال پر رحم کریں گے مگر تم کہتی ہو اس لئے جاتا ہوں"!

کربلا کا ننھا شہید

کس قدر قیامت خیز تھی وہ ساعت جب فاطمہؑ کے لختِ جگر نے ہاتھ بڑھائے اور شہربانوؑ نے اپنے کلیجے کا ٹکڑا جس کا منکا ڈھل چکا تھا۔ جس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں جس کے ہاتھ پاؤں صرف سانسوں کی گود میں تھے یہ کہکر شوہر کو دیا "ابنِ علی اپنا معصوم خدا کے سپرد کرتی ہوں۔ ہوا گرم ہے لو سے

تھپیڑے میرے بچے کو جھلسا نہ دیں۔ عبا اٹھا لیجئے اور کلیجے سے لگا لیجئے۔ ڈرتی ہوں کہ کہیں پانی سے پہلے ہی میرا چاند گہنا نہ جائے۔ ہوا کے گرم جھونکے اس پھول کو کملا نہ دیں۔ ابنِ رسول اللہ دعا کیجئے کہ عمرو سعد کا پتھر دل پگھل جائے اور وہ میرے میاں کو چند قطرے پانی کے دیدے آپ بسم اللہ کیجئے ایک عمرو سعد نہیں تو نہ سہی۔ اس کے لشکر میں بہت سے صاحبِ اولاد ہوں گے۔ جن کی گودیں بھری پڑی ہوں گی۔ جو بچوں کے باپ ہوں گے۔ میرا بچہ ان کو اپنے بچے یاد دلائے گا۔ اُن کے دل تڑپ اُٹھیں گے اور وہ رو کر میرے اصغر کو پانی پلائیں گے۔ جلدی کیجئے میں نے غلطی کی اس قدر دیر میں خیال آیا۔ ہاں ابنِ رسول اللہ میں بھول گئی۔ عمرو سعد بھی تو بچوں والا ہے (اس کو عداوت آپ سے ہے میرے اصغر نے اس کا کیا بگاڑا؟۔ اس سے کہیئے میرا بچہ بیعت نہیں سمجھتا۔ پیاس نے اس کا ننھا سا کلیجہ بھون دیا۔ اس کو دکھا دیجئے کہ دو دن میں اس کا چہرہ اُتر گیا۔ زبان خشک ہوگئی۔ ہونٹوں پر پپڑیاں بندھ گئیں۔ اس سے کہیئے کہ اس کے دادا علیؓ اور اس کی دادی فاطمہؓ کی مقدس روحیں پوتے کی پیاس پر بلبلا رہی ہیں۔ پانی ہم کو نہ دے ہمارے خیمہ میں نہ آنے دے۔ اپنے ہاتھ سے زیادہ نہیں۔ ایک گھونٹ، چند قطرے اس کے حلق میں ٹپکا دے اس کی کیفیت سُنا میری امانت عمرو سعد تک پہنچا دیجئے اور میرا بچہ یہ کہکر اس کی گود میں دیدیجئے کہ شہر بانو کی امانت تجھکو دیتا ہوں تو مسلمان ہے اور یہ امانت اُس باپ کا بچہ ہے جس کے نانا پر تیرے باپ اور دادا ایمان لائے۔ اور جس کا تو کلمہ پڑھ رہا ہے۔

دنیا اس واقعہ پر آسمان اس منظر پر اور زمین اس کیفیت پر جب بھی اور

اب بھی روئی اور روئے گی۔ امام حسینؑ نے بچہ کو لے کر چلنے کا قصد کیا تو دوسرا قدم ایک سر پر پڑا جو دامن لپٹا ہوا امام کے پاؤں پر رکھا تھا۔ سر اٹھایا تو دیکھا کہ ماں جائی بہن زینبؑ بنت علیؑ پاؤں پر پڑی ہے بے تاب ہو کر فرمایا۔

زینبؑ مجھے اس کا علم نہ تھا کہ میری وجہ سے تجھ پر اور تیرے پیاروں پر مصیبت آئیگی۔ اور تیری ماں حسینؑ کو اس لئے پال رہی تھی کہ اس کی وجہ سے زینبؑ اور اس کے بچوں کو یہ وقت دیکھنا پڑے گا۔ قیامت کے روز تیری ماں اور باپ دونوں میری بے گناہی کی آواز دیں گے۔

جب خیال آتا ہے کہ تیرے بچے تین دن تک پانی کے ایک ایک قطرے کو ترستے ہوئے رخصت ہوئے تو کلیجہ کٹ جاتا ہے۔"

بی بی زینبؑ کی چیخ سے خیمہ گونج اٹھا۔ وہ پھر قدموں پر گریں اور کہا۔ قربان جاؤں اس صورت کے جو ماں باپ دونوں کی صورتیں یاد دلا رہی ہے۔ بھیا! کیا کہہ رہے ہو زینبؑ کا دل خود ہی زخمی ہے۔ اس پر نمک نہ چھڑ کو عون و محمد اصغر پر قربان کئے زینبؑ اور اس کا تمام گھر اس پر نثار خوش نصیب ہوں کہ زندگی کی آخری گھڑیاں ان قدموں میں گذریں اور موقعہ ملا کہ ماں کے دودھ کا اثر عمر و سعد کو دکھا دوں اور ان جفا کاروں کو بتا دوں کہ خاندانِ رسالت کی عورتیں کس بے جگری سے میدان میں آتی ہیں اور ماں باپ کی امانت پر اپنے بچے قربان کرتی ہیں حسینؑ میدانِ کربلا میں زینبؑ سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں۔ جس کو ماں سے سرخرو ہونے کا موقع ملا۔ بھیا میں کچھ عرض کرتی ہوں۔ شہربانو ناتجربہ کار ہے اور اس کو عرب کا حال معلوم نہیں بنو امیہ اور بنو فاطمہؑ

کے تعلقات کی اس کو کیا خبر سیدھی سادی بیگم ان گھڑپنچیوں کا حال کیا جانے یہ کیا سمجھے کہ عمرو سعد آلِ رسول کے بچہ بچہ کا دشمن اور خون کا پیاسا ہے۔ بھیا میرا دل دھڑک رہا ہے۔ ہاتھ پاؤں میں سنسنیاں آ رہی ہیں بنتِ حسینؑ میرے بچہ کو دشمنوں میں نہ لیجائیں کہیں ظالم اس کو نقصان نہ پہنچائیں۔ دل کو اتنی دیر سے سنبھال رہی ہوں اور کہتی ہوں لاکھ سنگ دل ہوں۔ مگر اولاد والے ہیں۔ معصوم پر ہاتھ نہ اُٹھے گا۔ لیکن دل نہیں مانتا اور یہی ڈر لگتا ہے کہ اس کی جان سے دُور بے ایمان کوئی گل نہ کھلا دیں۔ میری پیاری بھاوج خدا تیری مامتا ٹھنڈی رکھے اور اصغرؑ کی ہزاری عمر ہو مگر ہائے کیا کروں۔ دل نہیں مانتا۔"

اتنا کہہ کر بی بی زینبؓ بچہ کے چاروں طرف پھریں اور کہا "جانتی ہوں موت سر پر آگئی مگر اس کی آئی مجھ کو آئے میں زندہ ہوں اور اصغرؑ ظالموں کے پھندے میں پھنسے بی بی تمہاری ضد ہے بھیجدو۔ بھیا میرا بچہ میری گود میں دو۔ اس کو رخصت کر دوں بی بی زینبؓ نے پڑھ پڑھ کر بچہ پر پھونکا اور اس کے ننھے ہاتھ اور سر آنکھوں سے لگائے اور رو رو کر کہا "اچھا لے جایئے۔"

دُنیا کے پردے پر اور حیاتِ زندگی کی تاریخ میں اس سے پہلے ہی نہیں اس کے بعد بھی وہ قیامت خیز گھڑی نہ آئی کہ وہ شخص یا گروہ جو کھانے اور پانی سے سیراب ہو رہا ہو۔ اس شخص کے خلاف جس کے نانا کا کلمہ پڑھ رہا ہو اتنا کٹر اور پتھر ہو جائے کہ عورتوں اور بچوں پر ظلم توڑے اور تیوری پر بل نہ آئے۔ بچہ کو گود میں دیکھ کر عمرو سعد نے قہقہہ لگایا اور لوگوں سے کہا حسینؑ کوئی لشکر لا رہے ہیں۔ پانی بھر دو۔ مگر مزہ جب ہے کہ پانی کے ساتھ ہی مشک اور حسینؑ

دونوں چھلنی ہوجائیں اور حسین پانی کو ترستا ہوا دنیا سے اُٹھے دیکھو پورا انتظام کرو ایک قطرہ پانی کا حلق میں نہ پہنچے" جس وقت ہوا آگ کے شعلوں میں نہا رہی تھی جب کربلا کا میدان زمین و آسمان سے انگارے اُگل رہا تھا۔ اس وقت صبر و رضا کا ایک مجسم نمونہ عمرو سعد کے سامنے اس گھوڑے پر سوار کھڑا تھا۔ جس کی زبان پیاس کے مارے باہر نکل آئی تھی اور حسرت و یاس سے مڑ مڑ کر اپنے سوار کے قدموں میں آنکھیں مل رہا تھا۔ رسول اللہ کا کلمہ پڑھنے والے مسلمان آئیں اور قدرت کا تماشہ دیکھیں، روئیں اور چلائیں چیخیں اور پیٹیں اس گھوڑے کا سوار وہ سوار ہے جو اُن کے مولا و آقا کے کندھوں پر سوار ہوا۔ یہ دھوپ میں جلنے اور جھلسنے والا انسان بنتِ رسول کا دودھ پی کر اور علی ابن ابی طالبؓ کے ہاتھوں میں کھیل کر جوان ہوا ہے۔ یہ زبان جو آج خشک ہے اور جس میں کانٹے پڑ چکے ہیں اس کو خاتم النبیین نے بوسے دیئے ہیں۔ انسانیت رو رہی ہے عقیدت سر پٹک رہی ہے اور مروت منہ پیٹتی ہے جب دیکھتی ہے کہ حسینؓ ابنِ علیؓ نے عبا کا دامن اُٹھایا اور معصوم اصغر کا پسینہ پونچھ کر فرمایا۔

"حاشا و کلا عمرو سعد تین روز کیا اگر تین مہینے اسی طرح گذر جاتے پانی اور دانہ اڑ کر منہ میں نہ جاتا، آگ اس جسم کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتی اور گرمی کے شرارے جسد خاکی کو پھونک دیتے مگر تیری طرف رُخ نہ کرتا اور تجھ سے بات نہ کرتا لیکن جس نام کا کفش بردار ہوں، جس کی لگن دل کو لگی ہوئی ہے جو جانِ ایمان ہے اُس کی بشریت پر بھی قرآن شاہد ہے۔ اس لئے عمرو سعد ماتا کے درد سے مجبور ہو کر تجھ کو انسان نہیں صاحبِ اولاد سمجھ کر ٹھہرا یا تو نے اس معصوم کو

تیرے پاس بھیجا ہے۔ دیکھ اس کی زبان ہونٹوں سے باہر آگئی۔ اس کی آنکھیں بند ہیں۔ اس کا حلق خشک ہے دنیا کا عیش اور زندگی کی بہار تجھ کو اور تیرے ساتھ یزید اور ابن زیاد کو مبارک ہو۔ مگر میرے کلیجہ کا ٹکڑا اس دنیا میں تھوڑی دیر کا مہمان ہے۔ دیکھ عمر وسعد دیکھ اس کے سانس کی کیا کیفیت ہو رہی ہے مجھ کو نہیں اصغر کو اس کی معصومیت کو دیکھ کر زیادہ نہیں پانی کے چند قطرے پلا دے تاریخ تیرے اس عمل پر فخر کرے گی اور میرے نانا کی اُمت تیرے اس فعل کو نیکی سے یاد کرے گی۔ اس کا پھول سا چہرہ اور یہ نازک جسم لُو کے تھپیڑوں کی برداشت نہیں کر سکتا۔ جلدی کر اور اپنے ہاتھ سے میرے معصوم کے حلق میں پانی کے دو قطرے ٹپکا دے۔ دیکھ ان ہونٹوں کو خشک ہیں اس زبان کو سوکھ گئی اور اس صورت کو مرجھا رہی ہے۔ آگے بڑھ انسان بن اور انسانیت کو بٹّہ نہ لگا۔

شہر بانو اور بنت علیؑ خیمہ کے دروازے پر کھڑی جھانک رہی ہیں کہ اس پیام کا کیا جواب دیتا ہے دونوں کی دونوں نے کلیجہ کا ٹکڑا اس حالت میں کہ اُن سے ہمیشہ کو جدا ہوتا ہے تیرے پاس بھیجدیا"۔ یزیدی لشکر کی بیس ہزار آنکھوں میں ایک آنکھ بھی سرمۂ انسانیت سے مزین نہ نکلی اُن کے قلب کی سیاہی چہروں تک پہنچ چکی تھی اور ظلم وستم کی گھٹائیں اُن کے جسم میں پیوست ہو چکی تھیں۔ انسان نہیں جانور اور جانور نہیں پتھر تھے کہ دودھ کو ترستے اور پانی کو پھڑکتے معصوم کی اس کیفیت کا ماخذ کی ماری ماں کے پیام اور باپ کی التجا کا استقبال قہقہوں سے کیا۔ کیسا نازک وقت ہے کہ اس ہولناک میدان میں آفتاب آتش بار کے سایہ میں

کھڑا ہونے والا انسان اپنی تقریر ختم کرنے کے بعد عمر وسعد کے یہ الفاظ سنتا ہے "حسینؑ کا بچہ زندہ نہ جانے پائے۔"

ہوا لرز رہی تھی اور پہاڑ تھرا رہے تھے۔ جب امام حسینؑ نے یہ الفاظ سن کر اپنے چاند کو دامن سے چھپانے کی کوشش کی۔ عبا ہاتھ میں تھی اور کلیجہ دھکڑ دھکڑ کر رہا تھا کہ ابن کاھل حرملہ کا تیر معصوم کے گلے کو چھیدتا ہوا امام کے بازو میں گھسا۔ قیامت کی مصیبت اس سے زیادہ نہ ہوگی کہ اس معصوم نے جس کے حلق کے آر پار تیر گھسا ہوا ہے جو باپ کی گود کو اپنے خون سے شرابور کر رہا ہے۔ آنکھ کھولی اور باپ کو سوکھی زبان دکھا کر ہمیشہ کے واسطے بند کر لی۔

چکر آیا۔ پاؤں کانپ گئے جس وقت علی اصغرؑ نے باپ کی گود میں آخری ہچکی لی حسین ابن علی کا مہمان دم توڑ رہا تھا۔ بچہ کو زمین پر لٹا کر اپنے ہاتھ سے تیر نکالا۔ اور بچہ کو سینہ سے لگا کر خیمہ کا رخ کیا دونوں نند بھاوجیں دروازے میں کھڑی تھیں امام حسینؑ کو لہولہان دیکھ کر دل ہوا ہو گیا۔ زینبؑ چکرا کر گریں۔ اور شہر بانو یہ کہہ کر آگے بڑھیں "ہائے کیا ہوا؟"

امام حسینؑ نے بچہ کی لاش بیوی کی گود میں دی اور زینبؑ کو اٹھا کر کہا "اے بہن تیرا لال حوضِ کوثر کے قطروں سے سیراب ہو گیا!"

خیمہ میں کہرام مچ گیا۔ بی بی زینب نے شہر بانوؑ سے کہا "بھاوج ڈیڑھ سال کی کمائی کربلا کے میدان میں لٹا دی۔ میرے بچہ کو میرے مہمان کو تم نے بھوکا پیاسا گھر سے نکالا۔ شہر بانو اس کی خدمت تم کو وبال ہو گئی۔ ہائے کس پیار سے ہمک کر میری گود میں آیا اور کیسی حسرت سے آخری نظر مجھ پر ڈالی۔

ارے نہیں شہر بانو نہیں اس کو نکالنے والی اس کو مارنے والی پھوپی میں ہوں۔ بھائی کی گود میں میں نے دیا۔ پانی کو میں نے بھیجا۔ ارے خدا کے لئے بتاؤ میرے قصور کی کیا سزا ہے۔ اماں اور نانا کو حشر میں کیا منہ دکھاؤں گی۔ جب وہ کہیں گے کہ اصغر کو شہادت کے واسطے تو نے بھیجا۔ لاؤ میرے بچہ کو میری گود میں دو۔ شہر بانو اپنے بچہ کی قمیص بدلوں یہ خون میں لتھڑی ہوئی قمیص مجھے دو۔ اس پر قربان ہوں۔ اس کو سر پر رکھوں۔ اس کو آنکھوں سے لگاؤں زین العابدین لو بھائی کے سہرے کا ارمان تھا اصغر دولہا بنا۔ اس کی برات چڑھ رہی ہے۔ اس دولہا کو گود میں لے کر بیا ہنے جاؤ۔ بھائی کے ہاتھ کانپیں گے۔ مصیبت کا پہاڑ ٹوٹا ہے۔ کس دل سے اصغرؑ کو قبر میں رکھیں گے۔ اے کربلا تیری گود میں آج میری گود کا کھیلنے والا آتا ہے جو میرے سینہ پر لوٹتا تھا جو ہمیشہ شہر بانو کے ہاتھوں میں سوتا تھا وہ آج تیری گود میں سوئے گا۔

بھائی میرے مہمان کی صورت ایک دفعہ اور دیکھ لو۔ یہ صورت آنکھ سے اوجھل ہوتی ہے۔ اور اصغرؑ ہمیشہ ہمیشہ کو جاتے ہیں۔ بیٹا پھوپی کا قصور معاف کر دینا۔ دادا اور دادی سے میری شکایت نہ کرنا کہ پیاسا گھر سے نکالا۔ تم چلو میں بھی آتی ہوں۔ رات اگر دشمن نے فرصت دی تو قبر پر آکر لپٹوں گی چمٹوں گی۔ لپٹاؤں گی۔ آج تک میری اور شہر بانو کی گود تھی اب دادا اور دادی کے پاس جاؤ خدا حافظ و نگہبان ہے۔"

کس دل سے امام عالی مقام نے اصغر کو دفن کیا اس کا اندازہ آسان نہیں ہے۔ قصد کیا کہ سیدھے میدانِ جنگ میں پہنچ کر اصغر کے خون کا بدلہ

بس مگر ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ ناموسِ رسول خدا کے سپرد کر دوں یہ جو دم باقی رہے ہیں آخری مرتبہ ان کو اور دیکھ لوں خیمہ میں داخل ہوئے تو خون اب بھی بازو سے بہہ رہا تھا، کپڑے خون خون تھے۔ بیوی اور بہن کو معصوم اصغرؑ کے صدمہ نے ابھی تک یہ خبر بھی نہ تھی کہ بچہؑ کے ساتھ باپ کے بازو سے بھی فوارہ چھوٹ رہا ہے۔ سب سے پہلے زینبؑ کی نظر امام حسینؑ کے خون پر پڑی "ہائے بھائی" کہہ کر لپٹ گئیں۔ اور بدحواسی میں چیخ کر کہا: "ارے جلد پانی لاؤ زخم دھوؤں۔" پھر خیال آیا تو کہا: "ارے بھول گئی پانی کہاں۔ پانی تو آلِ رسول پر یزید کے حکم سے بند ہوئے تین دن گذر گئے" سر سے ردا اتار دی اور بھائی کا بازو کھول کر کہا: "قیامت کے روز اسی طرح نانا جان کے حضور میں عرض کروں گی کہ آپ کی امت نے میرا سر ننگا کیا۔"

بیمار صغرا کا قاصد

امام حسینؑ علی اصغر کو سپرد زمین کر کے خیمہ کی طرف آ رہے تھے۔ کہ ایک سانڈنی سوار سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ قریب پہنچا تو اونٹ بٹھا کر نیچے اترا ہاتھ چوم کر قدموں میں گرا اور کہا: "چہرۂ اقدس کی کیا کیفیت ہے اور یہاں کیا ہو رہا ہے مدینہ کا مسافر ہوں اور چونکہ ایک وعدہ کر چکا ہوں اس کے ایفا کے واسطے حاضر ہوا ہوں۔ للہ فرمائیے یہ سامنے کس کا لشکر ہے اور خیمہ کس کا ہے۔ آپ کا قیام کس جگہ ہے اور بیعتِ یزید کا کیا حشر ہوا۔ سنا تھا کوفہ آپ کے ساتھ ہے معلوم ہوا آپ کربلا میں مقیم ہیں۔"

امام حسینؓ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا "تم نے میرے واسطے کیوں تکلیف اٹھائی اور وعدہ کس کا ہے اور کس سے ہے کون ہو کہاں سے آئے ہو اور کیوں آئے ہو؟"

مسافر نے جواب دیا "میں مکہ معظمہ کا رہنے والا ہوں فاطمہؓ کا غلام ہوں ایک روز دوپہر کے وقت جب گرمی غضب کی پڑ رہی تھی میں ایک گلی سے جا رہا تھا کہ میں نے یاحسینؓ یاحسینؓ کی آواز سنی اور یہ آواز اس قدر دردناک تھی کہ کلیجہ کے پار ہوئی جاتی تھی۔ میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو ایک لڑکی دروازے میں زمین پر بیٹھی یاحسینؓ یاحسینؓ کے نعرے لگا رہی تھی۔ میں نے پاس جا کر پوچھا تو کون ہے اور حسینؓ کو کیوں پکار رہی ہے۔ میرے سوال پر اس لئے کہ اس میں تسکین تھی اس کا دل بھر آیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور کہا آج مہینہ بھر سے زیادہ ہو گیا۔ نماز فجر کے بعد دروازے پر آ بیٹھتی ہوں کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ میرے دل کی لگی بجھا دے کوئی اولاد والا مجھ پر رحم کھا کر میرے باپ تک میرا پیام پہنچا دے۔ آنکھیں رستے سے لگی ہوئی ہیں کہ اپنے باپ حسینؓ بن علیؓ کی زیارت کروں۔ مائیں اپنے بچوں کو گود میں لئے باپ اپنی بچیوں کی انگلی پکڑے میری آنکھوں کے سامنے سے نکلتے ہیں۔ میں ان سے سوال کرتی ہوں کہ حسینؓ بن علیؓ کی خیریت بتا دو وہ دیکھ کر چلے جاتے ہیں کوئی مسلمان میری طرف رخ نہیں کرتا میں بیمار ہوں اور اس دنیا میں چند روز کی مہمان۔ ایک بدنصیب لڑکی جو دنیا سے ناشاد و نامراد اٹھ رہی ہے اپنے نانا کی امت سے سد رد کر التجا کرتی ہے کہ واسطہ خدا کا باپ سے بچھڑی ہوئی۔ بھائیوں سے چھوٹی ہوئی صغرا کا خط اس کے باپ تک پہنچا دو۔ اے بھائی سانڈنی سوار اگر تو کوفہ کی طرف

جاتا ہے تو اپنے بچوں کا صدقہ مجھ کو ساتھ لے لے مجھے بیمار نہ سمجھ میں تیرے اونٹ کے ساتھ بھاگوں گی۔ میں تجھے کھانے اور پانی کی تکلیف نہ دوں گی۔ میری بھوک اڑ گئی۔ میری پیاس ختم ہو گئی تو جہاں تک جائے مجھے ساتھ لے۔ جب کہیں اور جائے تو مجھے راستہ بتا دے۔ میں پوچھتے پوچھتے کوفہ چلی جاؤں گی یقین کر میرے پاؤں باپ کی زیارت کو تیرے اونٹ سے تیز اٹھیں گے۔ ملاقات کا شوق میری تکان دور کر دے گا۔ اور میں ہانپتی کانپتی نہیں۔ اچھلتی کودتی اپنے کنبہ میں پہنچ جاؤں گی۔ میرے پاس کچھ نہیں جو تجھ کو دوں۔ یہ میرے کپڑوں کے دو جوڑے ہیں تیرے بچوں کے کام آئیں گے۔ یہ ایک چھلنی ہے۔ اگر قبول کرلے۔ میرا زخمی دل تجھ کو دعائیں دے گا۔ خدا تیرے بچوں کی عمر دراز کرے' میری آنکھیں اپنے ماں باپ کی صورت کو ترس رہی ہیں۔ میرا دل بھائیوں کے دیکھنے کو تڑپ رہا ہے اے سانڈنی سوار ساری ساری رات آنکھوں میں کٹ جاتی ہے۔ تارے گن گن کر صبح کرتی ہوں جب وقت اذان کی صدا بلند ہوتی ہے تو دل کہتا ہے آج باپ کی زیارت نصیب ہو گی۔ مگر جب وہی موذن مغرب کا پیغام پہنچاتا ہے تو آکر لیٹ جاتی ہوں۔ لیکن دروازہ کھلا رکھتی ہوں کہ میرے باپ کو آواز دینے کی تکلیف نہ ہو۔ اے خوش نصیب مسلمان حسینؓ سے بچھڑی ہوئی دکھیاری صغرا کی دعائیں لے۔ یہ دکھے ہوئے دل کی صدا خدا کے حضور میں قبول ہو گی!"

" اتنا کہہ کر بیمار بچی بابا بابا کہتی ہوئی بیہوش ہو گئی۔ میں نے ہوش میں لانے کی تدبیریں کیں تو کیا دیکھتا ہوں کہ بچی بخار میں جھلس رہی ہے۔ میرا دل کٹ گیا میرے آنسو نکل پڑے۔ جب دیکھا بیمار کی ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ گئیں۔ گوشت کا

پتہ نہیں اور سانس ہڈیوں میں چل رہا ہے۔ میں چیخ اٹھا جب مجھے معلوم ہوا کہ مظلوم بچی کی زبان سے بیہوشی میں بھی باپ کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں جس وقت بیمار بچی ہوش میں آئی تو میں نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہا "کچھ اس لئے نہیں کہ مسلمان ہوں، بلکہ اس لئے اور صرف اس لئے کہ یہ کیفیت دیکھ کر میرا دل تڑپ اٹھا۔ میں تیرے سامنے قسم کھاتا ہوں کہ جب تک تیرا خط تیرے باپ تک نہ پہنچا دوں گا۔ مجھ کو زندگی کی ہر راحت حرام ہے۔ میری بیمار بچی یہ کپڑوں کے جوڑے خدا تجھ کو نصیب کرے ہیں اپنی خدمت کی اجرت قیامت کے روز تیرے نانا سے لونگا۔ زمین شق ہو اور میں سما جاؤں۔ اس سے پہلے کہ تجھ سے اپنا معاوضہ طلب کروں۔ میرا بچہ بیمار ہے اور میں اُس کے واسطے دودھ لینے آیا ہوں اور پھوٹ جائیں یہ آنکھیں اگر اپنے بچے کی صورت تیرا پیام پہنچانے سے پہلے دیکھ لیں۔ میں تجھ کو ضرور ضرور ساتھ لیجاتا لیکن تو دیکھ لے میرے اونٹ پر کجاوہ نہیں ہے۔ اس کو باندھنے جا رہا تھا، مگر خدا کے بھروسہ پر تیری خدمت کو روانہ ہوتا ہوں۔"

"میں اب الفاظ میں وہ کیفیت ادا نہیں کر سکتا جو بیمار پر طاری ہوئی وہ میری گفتگو سے ساکت ہو گئی۔ حیرت سے میرا مُنہ دیکھنے لگی۔ اور صرف اتنا کہا "بھائی خدا کے واسطے مجھے گنہگار نہ کر اور اپنے ننھے کو پہلے دودھ دے آ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ روئے اور اس کا صبر مجھ پر پڑ جائے۔ اے بھائی میرا بھی ایک معصوم بھائی بابا کے ہمراہ ہے۔ اس کی تصویر میری آنکھ کے سامنے پھر گئی۔ للہ اپنے بچہ کو پہلے دودھ دے آ۔ خدا تیری مامتا ٹھنڈی رکھے۔ تیرے بچہ کی ہزاری عمر ہو اور سب بچوں کے طفیل میرا بھائی جیئے۔ میں نے ہر چند کہا مگر وہ نہ مانی اور میں بچہ کا دودھ دیتے

ہی کوفہ کو روانہ ہوا پرسوں صبح کو جب میں کوفہ پہنچا ہوں تو معلوم ہوا آپ کربلا میں تشریف فرما ہیں۔ خدارا بتائیے کیا حالت اور یہ کیا کیفیت گذر رہی ہے''۔

امام حسینؓ نے قاصد کی طرف دیکھ کر ہاتھ بڑھایا۔ خط لیا اور کہا:۔

''پیارے بھائی تو میری بچی کا خط لے کر آیا ہے۔ تیرا شکریہ ادا نہیں کر سکتا جس بچی کا تو پیامبر ہے وہ میری بیٹی صغراؓ ہے۔ اور میں اس وقت جس حال میں ہوں، خدا میرے جانی دشمن یزید ابن زیاد اور عمر و سعد کو بھی اس سے محفوظ رکھے۔ تجھے معلوم ہوگا کہ میں نے اس باپ کی گود میں پرورش پائی ہے اور اس ماں کے دودھ سے پلا ہوں جنہوں نے مہمانوں کے واسطے خود فاقے کیے۔ مگر اس وقت میں اس قابل نہیں کہ صغرا کے مہمان کو پانی کے دو گھونٹ پلا دوں بھائی آج تیسرا دن ہے کہ آل رسولؐ پر یزید اور ابن زیاد کے حکم سے عمر و سعد نے دانہ پانی بند کر رکھا ہے۔ میرا تمام خاندان بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر میدانِ جنگ میں ختم ہو چکا۔ صبح سے اس وقت تک سب کا صفایا ہو گیا۔ جس اصغر کا تو ذکر کر رہا ہے اور جس کی یاد میں بیمار صغراؓ نے تجھ کو دودھ کے واسطے بھیجا وہ دودھ تو درکنار پانی کے چند قطروں کو تڑپتے ہوئے زمین کے نیچے گیا۔ میری بہن کے دونوں بچے عون و محمدؓ قبروں میں اس معصوم کو لوریاں دے رہے ہیں۔ جن ہاتھوں میں یہ خط لیا ہے یہ اکبر جیسے شیر اور قاسم جیسے پیارے خاک میں لٹا چکے۔ میرے بھائی میری بچی اور میرے بچے کے محسن قیامت کے روز تیری دعوت کروں گا اور جس طرح تو نے عہد کیا ہے میں بھی میدانِ کربلا میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک حوض کوثر سے تجھ کو

سیراب نہ کر لوں گا۔ مجھ کو اس کا ایک گھونٹ بھی حرام ہے۔"

قاصد قدموں پر گر پڑا اور کہا "اجازت دیجئے کہ عمرو سعد ملعون کے مقابلے میں جا کر نثار ہوں" امام حسینؓ نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ جب اصرار زیادہ بڑھا تو فرمایا "تیری خدمت یہی ہے جو تو نے انجام دی۔ اب اس کا جواب بھی بیمار بچی کو پہنچا دے۔ ذرا میں اس کو پڑھ لوں اور عورتوں کو سنا دوں" یہ کہہ کر امام حسینؓ خیمہ میں تشریف لائے اور خط پڑھنا شروع کیا۔

"بابا ایک مہینہ ایک سال ہو گیا۔ راتیں آنکھوں میں کٹتی ہیں اور دن دروازہ میں ختم ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ تم اچھی ہو جاؤ گی تو بلوا لوں گا۔ بابا اب میں بالکل اچھی ہوں۔ بخار کو بھی آرام ہے اور کھانسی کو بھی۔ آپ کے پاس اللہ رکھے سب بچے موجود ہیں ان کو دیکھ دیکھ کر دل بہلاتے ہوں گے۔ مجھ بیمار کو کیوں یاد کرنے لگے۔ ایسے بھولے کہ خیر صلاح تک نہ بھیجی، اچھے بہرے ابا جان میرا قصور معاف کر دیجئے آپ کے چلتے وقت رو ئی نہیں تھی جو آپ خفا ہو گئے۔ میں تو اوڑھنی سے یوں ہی منہ پونچھ رہی تھی۔ میرے ابا مجھے جلدی سے اپنے پاس بلوا لیجئے۔ دیکھئے تو سہی مجھ پر کیا گذر رہی ہے اصغر بھیا کی یاد میں گھنٹوں مچھلی کی طرح تڑپتی ہوں تو ماشاء اللہ پاؤں پاؤں چلتے ہوں گے۔ ہائے کس طرح کہوں کلیجہ منہ کو آ رہا ہے۔ بھیا کو دیکھے کتنے دن ہو گئے۔ نام لے لے کر کس طرح ہمکتے تھے۔ ارے میرا بھائی ہزاری عمر ہو اکبر بھیا بھی مجھ کو بھول گئے ہیں تو سب کی کنیز ہوں پھوپی جان سے یہ امید نہ تھی کہ اپنی لونڈی کو اس طرح بھول جائیں گی اور پلٹ کر خبر تک نہ لیں گی ہیں یہ تو نہیں کہتی کہ وہ

مجھے بھائی کی اولاد سمجھیں اور بھتیجی کہیں مجھے اپنے بھائی کی ماما ہی سمجھ لیں۔ وعدہ کرتی ہوں خدمت کروں گی۔ اماں بیوی کا سر دھلاؤں گی پھوپی جان کا اور اُن کے بچوں کا کھانا پکاؤں گی۔ اکبر بھائی کے کپڑے سیلوں گی۔ اصغر بھیا کو ساتھ سلاؤنگی، لوری دونگی منہ ہاتھ دھلاؤں گی۔ ننھا سا دولھا بناؤں گی۔ بابا جان آپ کو مجھ پر رحم نہیں آیا۔ میں نے سُنا ہے دادی جان ایسی رحم دل تھیں کہ چکی پیس پیس کر اللہ کے نام دیتی تھیں۔ ابا جان اکبر بھیا کسی کو بھی میرا دھیان نہ رہا بارہ رہ کر کلیجہ میں ہوک اُٹھتی ہے آنکھیں سب کی صورت کو پھڑک رہی ہیں۔

میں نے اپنے اصغر کے واسطے ایک شلوکا تیار کیا ہے۔ انشاء اللہ ہاتھ سے پہناؤں گی۔ پھوپی جان اپنے بچوں میں ایسی لگیں کہ اتنا خیال بھی تو نہ رہا کہ جلدی بلانے کا وعدہ کر آئی ہیں جلدی ہی جلدی میں اتنے دن تو ہو گئے۔ اب خبر نہیں وہ جلدی کب پوری ہوگی"۔

رو رو کر ہچکیاں اور سسکیاں لے لے کر امام حسینؓ نے بیمار اصغر کا خط ختم کیا اور باہر نکل کر قاصد سے فرمایا۔

"احسان ہوگا میرا پیام میری بچی تک پہنچا دوگے کہ جب موت سر پر کھیل رہی تھی جب زندگی کا حقیقی مقصد مکمل ہو رہا تھا۔ جب دلی خواہش پورا ہونے کا وقت آ چکا تھا۔ جب حسین میدانِ کربلا میں نانا کی اُمت کو صبر و استقلال کے معنی بتا رہا تھا۔ جب حسینؓ کی آنکھیں زینبؓ کو بن بچوں کا دیکھ چکی تھیں۔ جب حسنؓ کی نشانی حسینؓ کی بدولت اس کے سامنے دُنیا سے مٹ چکی تھی۔ جب حسینؓ کے ہاتھ اصغرؓ و اکبرؓ کو تیروں میں دبا چکے تھے جب عباسؓ حسینؓ

کی کمر توڑ چکا تھا جب ماں اور باپ کی صدائے تحسین اور بھائی کے مرحبا کے نعرے اس کے کانوں میں گونج رہے تھے جب نانا کی مقدس آواز اس کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی اور جس وقت اس کے اپنے بھائی اور بہن کے بچے کلمۂ توحید پر قربان ہو چکے تھے اور جب ایک بیمار بچی کے سوا جو اس سے کوسوں دور اس کی یاد میں تڑپ رہی تھی اُس کے مردہ بچے اُس کی آنکھ کے سامنے تھے اُس وقت صرف ایک ارمان تھا اور وہ یہ کہ زندگی کے اُن آخری لمحوں میں وہ دنیا سے رخصت ہونے سے قبل اس بچی کی صورت دیکھ لے جس کی یاد میں نیند اچٹتی تھی۔ اور جس کے خیال سے دل روتا تھا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے اس ساعت آخر میں وہ خواہش پوری ہوئی اور صغرا کا خط پہنچ گیا۔ میرے پیارے بھائی میں موجود نہ ہوں گا مگر صغرا کے سامنے شہادت دیجیو کہ شہادت سے قبل حسین نے تیرے خط کو آنکھوں سے لگایا اور بوسہ دیا۔ بھائی جو دیکھ رہا ہے وہ کہدیجیو جو سُنا ہے وہ سُنا دیجیو اور کہیو کہ خدا کے سپرد کیا۔ وہی تیرا حافظ و نگہبان ہے۔ جن کو یاد کر رہی ہے وہ سب خدا کے ہاں پہنچ گئے' ماں اور پھوپی زندہ رہیں تو خدا معلوم کیسی کیسی تحقیر اور تذلیل کے بعد تجھ تک پہنچیں گی۔ باپ کی یاد اگر زیادہ ستائے صبر سے کام لیجیو۔ بھائی اب تو میرے سامنے رخصت ہو جا۔ ایسا نہ ہو کہ دشمن تیرا بھی خاتمہ کر دیں اور میرا پیام میری بچی تک نہ پہنچے۔"

عابدِ بیمار کا اصرار

قاصد قدموں سے آنکھیں مل کر رواتہ ہوا امام حسینؑ خیمہ میں تشریف لائے

تو ایک عجیب منظر تھا عابدِ بیمار مسلح ہتھیار لگائے سامنے کھڑے تھے۔ نقاہت و ناتوانی اس قدر تھی کہ بات نہ کر سکتے تھے۔ بخار چڑھا ہوا تھا۔ ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ باپ کی صورت دیکھ کر کچھ کہنا چاہتے تھے کہ چکر آیا۔ گرے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب بات نہ کی گئی تو بی بی زینبؓ نے کہا:

"میں اور شہربانو دونوں سمجھاتے سمجھاتے تھک گئے دو قدم چلا نہیں جاتا۔ کس طرح میدان میں جا سکتے ہیں۔ اب آپ خود ان کے سوال کا جواب دیجئے۔"

امام حسینؓ نے عابدِ بیمار کو کلیجہ سے لگا کر کہا۔

"کیا تم چاہتے ہو کہ سادات کی نسل دنیا سے منقطع ہو جائے۔ اگر تم کو یہ منظور ہے تو بسم اللہ کرو۔ مگر قیامت کے روز دادا، دادی کے اس سوال کا جواب دینا ہوگا۔ تمہاری شہادت بنو فاطمہ کا خاتمہ ہے ایسا غضب نہ کرو۔ زندہ رہو اور مسلمانوں کو بتاؤ کہ باپ نے کربلا میں کس طرح اپنے کلیجہ کے ٹکڑے خدا کی مرضی پر قربان کئے۔"

عابدِ بیمار کو باپ کی وصیّت

باپ کی اس تقریر سے عابدِ بیمار خاموش ہوئے تو پھوپی نے ان کو لٹایا اور امام میدان کے واسطے تیار ہوئے۔ اب بیمار کی آنکھ سے آنسو گرنے لگے۔ آپ نے ان کو گلے لگا کر فرمایا۔

"جس طرح ہر ابتدا کی انتہا ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر زندگی کی انتہا موت ہے۔ دوراندیش ہنس کھیل کر اس کا استقبال کرتا ہے اور بے وقوف رو پیٹ کر

اس کے منہ میں جاتا ہے مگر کس قدر اچھی ہے وہ موت جو دوسری زندگیوں کو زندہ کر دے۔ میرے نانا دنیا کے بہترین انسان کی زندگی دنیا میں ایک انقلابِ عظیم پیدا کر گئی۔ میرے باپ شیرِ خدا کے کارنامے اس دنیا کو اَن مٹ تماشے دکھا گئے۔ ضرورت تھی کہ ایسے باپ کے بعد جس کی زندگی بے مثل رہے گی۔ میں نہ صرف پرستارانِ توحید کو، بلکہ اس دنیا کے بسنے والوں کو بتا دوں کہ یہی انسان اپنے اعمال سے زندگی اور موت دونوں کو جنّت اور دوزخ بنا دیتا ہے۔ اور ہر باغیچۂ حیات میں ایسے پھول بھی کھلا سکتا ہے، جو ذاتِ باری کی طرح فنا سے محفوظ رہیں۔ میری زندگی نے جواب دے دیا ایک ساعت کی مہمان ہے آج دوپہر کے اندر اندر میدانِ کربلا میں ایسے پھول مہکا دیئے۔ جن کی خوشبو جب تک دنیا آباد ہے اس کو معطر کرے گی۔ حسینؑ کی موت اُن لوگوں کی زبان سے بھی دادِ شہادت لے گی۔ جو اُس کے نانا کے مقدس نام کے دشمن ہیں۔ یہ رونے کا نہیں خوش ہونے کا وقت ہے۔ اگر تم زندہ رہے تو دیکھ لینا یزید ابن زیاد اور عمر و سعد جو قتلِ حسینؑ کے متمنی ہیں کتّے کی موت مریں گے اور اگر میرا قیاس غلط نہیں تو سُن لینا کہ محرم کی دس تاریخ ہر سال دُنیائے اسلام میں قیامت بپا کرے گی میں تم کو ایک پیام دیتا ہوں جو مسلمانوں تک پہنچا دینا حیاتِ انسانی مخزنِ آفات و الام ہے۔ وہ مسلمان جو افلاس و تنگدستی میں گرفتار ہو کر زندگی سے بیزار ہو جائے۔ اس سے کہنا کہ وہ تھوڑی دیر کے واسطے حسینؑ کی بھوک و پیاس کو بھی یاد کرے اور غور کرے کہ بیوی بچوں کو بھوکا پیاسا دیکھ کر حسینؑ کے دل پر کیا گذری ہوگی۔ مائیں اگر معصوم بچوں کا جنازہ دیکھیں تو غور کریں کہ کن آنکھوں سے حسینؑ نے اصغرؑ

کو خون میں لتھڑا ہوا دیکھا ہوگا باپ جب اپنے جوان شیر کو قبر میں دبائے تو یاد رکھے کہ حسینؑ نے بھی اکبرؑ کو قبر میں دبا دیا تھا۔ اور جس وقت اس کا تمام گھر ختم ہو چکا اُس وقت بھی اس کی زبان پر اللہ ہی اللہ تھا۔

میری شہادت کے بعد اگر عمرو سعد اور اُس کے ساتھی شرارت کریں تو صبر کرنا اور برداشت کرنا تم حسینؑ کی اولاد ہو اور اس باپ کے بیٹے ہو جس کا صبر دنیا میں مشہور ہوگا ایسا نہ ہو کہ زبان سے کوئی لفظِ شکایت نکل جائے سخت سے سخت مصیبت میں بھی صبر و شکر ہاتھ سے نہ جائے۔

سیّدہ کے لال کی شہادت

اس کے بعد امام حسینؓ نے بی بی زینبؓ کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ اور کہا میا جائی اماں کے دودھ کا جو حق اماں کے بعد ادا کیا دنیا اس کا جواب نہ دے سکے گی حسینؑ کی عاشق زار بہن بھائی کے گلے مل اور رخصت ہو کہ طبلِ جنگ بج رہا ہے اور ایک سر کے واسطے ہزار ہا مسلمان تلواریں لئے کھڑے ہیں جس طرح سوتے ہوئے بھائی کی بلائیں لے کر قربان ہوتی تھی اور دیکھ دیکھ کر شکریہ کے نفل پڑھتی تھی۔ اسی طرح اُس کے سر کو گلے سے لگا کر خدا کا شکر ادا کیجو زینبؓ کس منہ سے تیرا شکریہ ادا کروں، تو نے اپنی عمر بھر کی کمائی نثار کر دی اور اس وقت کوئی اتنا نہیں کہ تیرا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دوں۔ میا جائی زینبؓ خدا تیرا بہترین وارث ہوگا۔ میری ماں کی صابر و شاکر بچی تیرے ہونٹوں پر حسینؑ قربان ہو، ہائے زینب زندگی کے آخری لمحوں میں بھیڑیاں

بندھی ہوئی دیکھ رہا ہوں۔ میدان کربلا سے عمر وسعد نہال نہال جائیگا۔ مگر بنت علیؓ خالی ہاتھ روتی پیٹتی روانہ ہوگی جن بچوں کو بھائی حمایت کے واسطے لائی تھی وہ اس لق ودق میدان میں سو رہے ہیں پس میری بہن جبر کر اور جس طرح حسین نے علیؓ کی شان دکھا دی اسی طرح تو بھی فاطمہؓ کی جھلک دکھا دے۔ آ میری پیاری زینبؓ بھائی سے مل اور رخصت ہو طبل جنگ بج رہا ہے"

اس کے بعد امام حسینؓ نے شہر بانوؓ کی طرف دیکھ کر کہا" فاطمہؓ اور علیؓ کی بہو تو اس کی بھاوج ہے جس کا کلیجہ کٹ کٹ کرتے میں نکلا مگر قاتل کا نام نہ بتایا۔ تو اس شیرخوار بچہ کی ماں ہے جس نے حرملہ کے تیر پر مسکرا کر جان دی شہر بانو سخت سے سخت ظلم میں بھی زبان طعن سے آشنا نہ ہو۔ عمر سعد کے کڑوے گھونٹ شہد بن کر حلق سے اتریں۔ اس کی شادمانی حقیقتاً فانی ہے تو تامل سے دیکھے گی تو نصرت کے شادیانے ابن زیاد اور یزید کے واسطے عبرت کے تازیانے ہوں گے حسینؓ کی بے کفن لاش تیرے سامنے پڑی ہو اور خون آلود سر آنکھوں کے سامنے تڑپ رہا ہو۔ لیکن زبان سے اُف نہ نکلے۔ اور دل اس صداقت کا لطف اُٹھائے جس پر حسین سب کچھ قربان کر چلا خانماں برباد قافلہ جب حدود یثرب میں داخل ہو تو درود پڑھ کر مسجد نبوی میں جانا اور حریم مبارک کے پردے پکڑ کر بصد عجز ونیاز التجا کرنا کہ فاطمہؓ کا لٹا ہوا خاندان در اقدس پر حاضر ہے دعا فرمایئے کہ میدان کربلا مسلمانوں کو سبق دے اور ان کی کشتی کا ناخدا بنے شہر بانو تیرے کرم کا شکریہ آسان نہیں۔ اب خدا تیرا نگہبان ہے"

اس کے بعد امام حسینؓ نے سب سے پہلے سرورِ دو عالم کا عمامہ سر سے باندھا تیغ حیدری کمر میں لگائی اور سیدۃ النساء کے ہاتھ کی سی ہوئی ردا کمر سے باندھی اور گھوڑے پر سوار ہو کر میدانِ جنگ میں تشریف لائے۔ عمرو سعد نے آگے بڑھ کر کہا "خدا کا شکر ہے حسین کا خاندان ختم ہوا اور اب کوئی باقی نہیں۔ بہتر تھا کہ حسینؓ کو زندہ گرفتار کرتے اور قیدی بنا کر لے جاتے۔ مگر ابن زیاد کا حکم ہے کہ آج شام کو حسین کا سر کربلا سے روانہ ہو جائے اس لئے مناسب ہو گا کہ دائیں طرف سے حملہ کر دو" یہ کہکر اُس نے قہقہہ لگایا اور امام حسینؓ سے یوں مخاطب ہوا "خلیفہ یزید اور ابنِ زیاد کا حکم یہی ہے کہ میں آپ کو زندہ نہ چھوڑوں۔ اگر آپ اب بھی خلیفہ کی بیعت پر آمادہ ہو جائیں تو میں اپنے حکم سے آپ کو زندہ چھوڑ دوں گا۔

امام حسینؓ مسکرائے اور جواب دیا۔

"عمرو سعد ابن زیاد اور یزید کے احکام تو نے پڑھ لئے اور ان کی تعمیل میں حسینؓ بن علیؓ کے بچّے بچّے کا جنازہ تیری آنکھوں سے گزر گیا فاطمۃ الزہرا کا ہرا بھرا چمن تیرے ہاتھوں دوپہر میں اجڑا مگر ان پھولوں کی ہر پنکھڑی تیرے واسطے درسِ عبرت ہے بیوقوف عمرو سعد فرات کا ہر قطرہ تجھ کو اپنی داستان سنا رہا ہے۔ اور اس ریت کا ہر ذرہ اگر سنے تو اور دیکھے تو بہت کچھ سنا اور بتا رہا ہے۔ تو نے دیکھ لیا کہ موت و زندگی کا معاملہ خدائے بہتر و برتر کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن میں نے بنو فاطمہؓ کے وہ چاند سے ٹکڑے جو دنیا کو جگمگا رہے تھے اپنے ہاتھ سے خاک میں ملا دیئے بیعت یزید کی صدا تیرے اور شیطان کے منھ سے

قدم قدم پر نکل رہی تھی اگر میں ڈگمگا جاتا، خاندان کا تعلق اور بچّوں کی محبت اگر مجھ کو پھسلا لیتی تو زندگی اور زندگی کے عیش مجھ سے دُور نہ تھے۔ مگر خدا کا شکر ہے جس نے مجھے صبر کی توفیق بخشی عمرو سعد ہم پر تین شبانہ روز سے دانہ پانی حرام ہے۔ تو چند لمحے پانی نہ پی تو تجھے قدر ہو۔ اور معلوم ہو جائے کہ شہدائے کربلا کس طرح صداقت پر قربان ہوئے۔ میں اگر چاہتا اور بعیت یزید منظور کر لیتا تو تجھ جیسے نہ معلوم کتنے آدمی میرے قدموں میں گرتے اور خود یزید میرے پاؤں چومتا مگر ضرورت تھی کہ مسلمانوں کے واسطے صبر و شکر کی استقامت اور ایثار استقلال اور خودداری کی ایسی بنیاد رکھدوں جس پر آنے والے مسلمان بآسانی عمارتیں تیار کر سکیں اور میدانِ کربلا کو پیش نظر رکھ کر سخت سے سخت مصائب میں استقلال کو ہاتھ سے نہ دیں۔ میں پیغمبر زادہ ہوں پیغمبر نہیں ہوں۔ اور میرا عقیدہ ہے کہ عالم الغیب صرف خدائے وحدہٗ لاشریک ہے۔ مگر تجھے بتائے دیتا ہوں کہ تیری توقعات پوری نہ ہوں گی اور دنیا بہت جلد تجھ کو اپنا کرشمہ دکھا دے گی۔ میں نے قبل از جنگ تجھ سے کہا تھا کہ بعیتِ یزید ناممکن ہے اور دعا کرتا ہوں کہ خدا مجھ کو اس وقت کے واسطے زندہ نہ رکھے کہ میں چند روزہ زندگی کے واسطے ایک فاسق و فاجر کی بعیت کا دھبّہ بنو فاطمہؓ کے دامن پر لگاؤں۔ اب تو حسین بن علی کے الفاظ کا جو محض صداقت پر ختم ہیں یقین کر مجھ کو تیری حالت پر رحم آتا ہے تو اپنا نامۂ اعمال سیاہ کر چکا۔ تو نے میرے بچے بیدردی سے قتل کئے اور تیرے اعمال سے شیطان بھی اس وقت پناہ مانگ رہا ہے عمرو سعد خدا سے ڈر موت کو برحق سمجھ اور اپنی توقعات کو جو سراب کی طرح چمک رہی ہیں۔

حقیقت کی کسوٹی پر پرکھ کہیں اب ایسا نہ ہو کہ تیری بدبختی کا باعث میں قرار دیا جاؤں۔ عمرو سعد یہ ہماری آبائی شان ہے۔ یہ ہمارا موروثی جوہر ہے کہ سخت سے سخت دشمن کو بھی تباہی سے بچا کر اپنا کرم دکھا دیتے ہیں۔ تو جن اسباب کو اذیت سمجھ رہا ہے وہ وقت آخر بن میرے واسطے مسرت سے بدل گئے۔ میرے جد امجد حضرت ابراہیم کی طرح پیاس کی آگ کامیابی کے پھولوں سے بدل چکی۔ بچوں کا خون دودھ اور شہد کی نہریں بن کر میرے سامنے لہریں لے رہا ہے عمرو سعد تیرا ایمان کہاں غارت ہو گیا۔ تیرے ضمیر کو کیا آگ لگ گئی۔ تو اس لئے خوش نہ ہو کہ ہزار ہا آدمیوں نے مٹھی بھر نہتے انسانوں کو ذبح کر دیا۔ بلکہ اس لئے خوش ہو کہ اس ہادی برحق کی اُمت میں جس کو تو پیغمبر آخر الزماں سمجھتا ہے ایسے ایسے کفش بردار موجود ہیں جو حق و باطل کے امتیاز میں موت کو زندگی سے بہتر سمجھتے ہیں اور ظاہری آنکھیں جس کو بربادی خیال کرتی ہیں وہ اس کو کامیابی کی بنیاد سے تعبیر کرتے ہیں بنو امیہ نے اس وقت تک جو کچھ کیا تاریخ اس کو دہرائے گی۔ اور ان کے اعمال مسلمانوں کے بچہ بچہ کی زبان پر ہوں گے میدانِ کربلا ان کے اعمال پر مہر تصدیق ثبت کرے گا اور حسین بن علی کی شہادت بساط بنو فاطمہؓ پر ایسا چاند ہو گا جو مدت العمر چمکے اور دمکے گا میں نے بنو فاطمہ کو کامیابی کی قیمت زیادہ نہیں دی۔ اور حصول مقصد میں آج جو کچھ مجھ کو مل گیا وہ بہت کچھ ہے۔ یہ میری محترم ناں سیدۃ النساء کے دودھ اور میرے بزرگ باپ شیر خدا کی پرورش اور میرے مقدس نانا سرورِ دوعالمؐ کی تربیت کا طفیل ہے کہ کلیجہ کے ٹکڑوں کا خون عطر سمجھ کر آنکھوں سے لگایا اور ہزار ہزار شکر ہے اس قادر ذوالجلال کا جس نے مجھے ایسا ضمیر عطا فرمایا

کہ میں یزید جیسے گمراہ کی بیعت سے محفوظ ہوں۔ اب جبکہ وقت آخر ہے میں تجھ کو بتا دیتا ہوں کہ اس تمام دوران میں مجھ کو اگر کھٹکا تھا تو صرف یہ کہ میرا ضمیر دغا نہ دے جائے۔ بچوں کی محبت غالب آ کر مجھ کو یزید کی طرف مائل نہ کر دے عمر و سعد دیکھ یہ صرف ماں کے دودھ کا اثر تھا جھوٹی توقعات اور فانی ضروریات حقیقت سے مغلوب ہو گئیں۔ اور میں سرخرو خدا کے حضور میں جا رہا ہوں۔

تجھ کو معلوم ہے اس وقت تو اور تیری جمعیت کس کے مقابلہ میں ہے تجھ کو معلوم ہے میرے سر پر عمامہ کس کا ہے یہ تلوار کس کے نام کی تسبیح پڑھ رہی ہے اور کس کے نعرے لگا رہی ہے! تیرے سامنے حسینؓ نہیں علیؑ فاطمہؓ حسنؓ اور وہ کامل انسان ہے جس کے نام کو دنیا بوسہ دے رہی ہے۔"

عمر و سعد نے اس تقریر کا جواب اس طرح دیا۔

"حسین! تم نے جو کچھ کہا وہ شاید صحیح ہو۔ مگر یہ وقت وعظ و درس کا نہیں ہے۔ تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ جو سر میں نے اب تک تن سے جدا کئے وہ شجرِ فاطمہ کی کونپلیں تھیں اصل شے آپ کا سر ہے۔ جس کے واسطے صبح سے کوشش کر رہا ہوں۔ حسین میرا دل بے چین ہے اور اس وقت کے واسطے تڑپ رہا ہوں۔ جب تمہارا سر ابن زیاد کے پاس پہنچے اور مملکت عراق کا عامل مقرر ہو کر اپنی خدمات کا صلہ پاؤں حسین مجھے اس تلقین سے وحشت ہوتی ہے دیر نہ کرو ایسا نہ ہو کہ اسی حیث بحث میں شام ہو جائے اور ہماری محنت برباد ہو مجھے صرف تمہارے سر کی ضرورت ہے۔ ابن زیاد مضطرب ہو گا۔ خلیفہ یزید راہ دیکھ رہے ہوں گے۔ میں اور میری جمعیت تمہاری اس فضول گفتگو کو اب سننے کے واسطے تیار نہیں۔ میری فوج کا

ہر بہادر حملہ کی اجازت کا طلبگار ہے اور یہ میرا احسان ہے کہ میں خاموش ہوں۔"

عمرِ وسعد نے یہ کہکر ایک شخص کو حکم دیا کہ سب سے پہلے تو ہی حملہ کر اور ایک ہی وار میں حسینؑ ابن علیؑ کا سر اتار لے یہ انس بن سنان تھا جو امام حسینؑ کے سامنے آیا۔ مگر ابھی قریب نہ آیا تھا کہ بھوکے پیاسے امام نے دور ہی سے ایک برچھی ایسی ماری کہ گھوڑے سے گرا اور زمین پر تڑپنے لگا۔ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر اُس کا حقیقی بھائی آگے بڑھا اور قریب پہنچا مگر ایک ہی وار نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اس طرح آٹھ آدمی ایک ایک کر کے میدان میں آئے اور امام کے ہاتھ سے قتل ہوئے اب حسب عادت عمرِ وسعد نے اپنے لشکر کو للکارا اور کہا "خاموش کیوں ہو سب مل کر حملہ کرو" اتنا سنتے ہی جفا کار چاروں طرف سے حملہ آور ہوئے عمرِ وسعد نے باواز بلند کہا "ایک ہزار دینار اس شخص کے واسطے ہیں جو حسینؑ کا سر تن سے جدا کرے" اب کیا تھا ہر طرف سے تیر نیزے اور تلواریں تھیں عمرِ وسعد سمجھتا تھا کہ علیؑ کا شیر بھوک کا شکار ہو چکا اسے معلوم نہ تھا کہ شیر کے پنجہ میں خدا کے شیر کی طاقت ہے۔ تلواریں پھوٹیں، برچھے ٹوٹے اور حالت یہ ہو گئی کہ جو آگے بڑھا وہی گر کر ختم ہوا۔ میدانِ کربلا کے شعلے حسینؑ ابن علیؑ کی تیغ سے شعلوں کو سجدہ کرنے لگے۔ کربلا کی آگ نے نمرود کو زندہ کیا۔ سیدہ کا لال اس آگ میں اپنے نانا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح پھول کی مانند تیر رہا تھا۔ ہاتھ میں تلوار چہرہ پر تبسم اور ہونٹوں پر مسکراہٹ۔ لشکر عمرِ وسعد میں ہنگامہ بپا ہو گیا۔ گردنیں کٹ کٹ کر اور لاشیں تڑپ تڑپ کر ڈھیر ہونے لگیں۔ جہاں قہقہوں کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ وہاں کہرام مچ گیا۔

کوئی بھائی کو رو رہا تھا اور کوئی بہنوئی کو عمر و سعد نے جب یہ حالت دگرگوں دیکھی اور حسینؑ کی تیغ آب دار قہر خدا بن کر ہر سمت گری تو سب سے پچھلی صف میں جا کھڑا ہوا۔ انعام دوگنا تگنا کیا اور وعدے سینکڑوں ہزاروں، جبلہ نامی ایک شخص بگڑا اور کہا "اس انعام کو خود کیوں نہیں حاصل کرتا۔ تیری شجاعت کہاں غارت ہوئی۔ ہم کو کٹوا کر خود حکومت کرنی چاہتا ہے۔ آخر ہم کیوں موت کے منہ میں جائیں حسینؑ کا ہاتھ علیؑ کا اور علیؑ کا ہاتھ قدرت کا ہاتھ ہے یہ میدان جنگ نہیں۔ میدانِ قیامت ہے۔ جہاں ہر شخص کو جان کی پڑی ہوئی ہے۔ حسینؑ کی تلوار نے خون کے دریا بہا دیئے اور دو چار نہیں سینکڑوں جانیں اس کی تلوار کی نذر ہو گئیں۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ اس تلوار کی آگ کتنے گھر اور خاندان سیاہ کر دے گی۔ عمر و سعد غنیمت سمجھ کہ فوج اپنی جگہ قائم ہے اور قدم نہیں ہٹے۔ تو حسینؑ کی طاقت سے واقف تھا۔ ہم کو جان بوجھ کر موت کے منہ میں دھکیل دیا۔ آنکھیں کھول اور دیکھ۔ تلوار نہیں چھلاوہ ہے۔ بجلی ہے۔ پرکالا ہے۔ آنکھیں خیرہ ہو رہی ہیں۔ کدھر سے آتی ہے، اور کدھر جاتی ہے۔ عمر و سعد یہ دیکھ کر گردنیں اڑتی اور جسم پھڑکتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ تلوار خون آلود نظر آ رہی ہے۔ مگر پتہ نہیں چلتا۔ کب اٹھی کدھر گری اور کہاں نکلی دل کانپ رہے ہیں۔ جسم تھرا رہے ہیں۔ گردنیں سکڑ رہی ہیں۔ تلوار کی آواز رعد کی چمک ہے کہ گرج کی خبر ہے اور گرنے کا پتہ نہیں۔ اٹھتی دکھائی دیتی ہے۔ گرتی معلوم ہوتی ہے لیکن جاتی دکھائی نہیں دیتی۔ ارے بدبخت شجاعت کا ایک سمندر ہے جو حسینؑ کی تلوار سے اُبل رہا ہے۔ صداقت کے بادل ہیں کہ اس کی تلوار سے جھوم جھوم

کر برس رہے ہیں۔ ہماری گردنیں آڑے آڑے کر اس کی تلوار کا اور ہمارے دل بلک بلک کر اس کا منہ چوم رہے ہیں!" عمرو سعد ضبط نہ کر سکا اور قہر آلود نگاہوں سے جبلہ کو دیکھ کر ایسی تلوار ماری کہ سر الگ جا پڑا۔ اس کے بعد آگے بڑھا اور کہا "حسین کو میدان میں روک کر ایک دستہ خیمہ میں جائے اور آگ لگا دے کہ حسینؓ کی عورتیں باہر نکل آئیں اور میں حسین کے بدلے زینبؓ کے خون سے اپنی تلوار رنگ لوں۔"

امام حسینؓ نے یہ سن کر عمرو سعد سے کہا "کیا شجاعت اسی کا نام ہے اور اسی برتے پر یزید کی بیعت لینے آیا تھا۔ ابھی حسینؓ ابن علیؓ زندہ ہے۔ اور تیرے ایک دستہ کی کیا۔ ان ہزاروں آدمیوں کی بھی مجال نہیں کہ ناموسِ رسالت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ لیں۔"

یہ کہہ کر امام حسینؓ آگے بڑھے ہر طرف سے وار ہو رہے تھے۔ اور تیروں پر تیر پڑ رہے تھے مگر امام کی تلوار ہر طرف قتل عام کر رہی تھی۔ اور کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ سامنے آئے۔

عمرو سعد نے ہر چند کوشش کی مگر ہر تدبیر بے سود رہی۔ دفعتاً برق رفتار گھوڑے نے فرات کا رخ کیا اور چشم زدن میں مع سوار کے دریا کے اندر تھا۔ چاہتا تھا پانی میں منہ ڈالے۔ مگر آقا کی صورت دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ حسینؓ نے ارادہ کیا کہ پانی پئیں، چلو بھرا مگر بچوں کی پیاس نے منہ تک نہ جانے دیا۔ ادھر عمرو سعد نے شمر سے کہا "مردہ نے زندوں کو مردہ کر دیا۔ اب اگر مردہ زندہ ہو گیا تو مردے اور زندے چیختے چلاتے میدان سے بھاگیں گے۔"

ایسا نہ ہو حسینؑ کے حلق میں پانی کا قطرہ پہنچ جائے۔ امان نامی ایک شخص نے اس وقت تیر مارا جو امام کے حلق میں گھسا اور تمام منہ لہو لہان ہو گیا۔

درود اس نانا پر جو ہادی برحق تھا۔ اس ماں پر جو سیدۃ النساء تھی۔ اس باپ پر جو شیر خدا تھا۔ اس بچے پر جو اس تیر سے زخمی ہوا۔

خون کی کلیاں تھوکتے ہوئے میدان میں تشریف لائے عمر وسعد یہ سمجھ کر کہ زخم کاری ہے سامنے آیا۔ اس کی صورت دیکھتے ہی امام نے فرمایا "سامنے سے غارت ہو جا" یہ سنتے ہی عمر وسعد کے ہوش جاتے رہے پیچھے ہٹا اور شمر ذی الجوشن سے کہا اپنا تمام دستہ لے کر ٹوٹ پڑ۔ چنانچہ سو پیادے لے کر شمر نے حلقہ ڈال لیا۔ مگر مقصد حاصل نہ ہوا۔ اور امام نے ان پیادوں کا بھی صفایا شروع کر دیا۔ اس وقت اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ کوئی مکر کیا جائے۔

شمر نے بآواز بلند کہا۔

"بھائی کی آگ میں زینب باہر آ گئی"

امام کا ادھر دیکھنا تھا کہ ذرعا بن شارق نے بائیں ہاتھ پر تلوار ماری۔ اور یہ ایسا وار تھا کہ ہاتھ کٹ گیا۔

درود نانا پر اس کی بیٹی پر اور اس کے نواسے پر۔

امام نے قصد کیا کہ ذرعا کو اس کے حملہ کا جواب دیں۔ مگر خون کے فوارے نے اس قدر کمزور کر دیا کہ گر پڑے۔ اور سنان بن انس نے گرے ہوئے زخمی سید اور کربلا کے دولہا کو ایسا نیزہ مارا کہ سینہ سے پار ہو گیا۔

آج جمعہ کا روز ہے اور دنیائے اسلام کے ہر حصے میں عید المومنین منائی گئی۔

ہے۔ خطبے ختم ہوئے۔ نمازیں پڑھی جاچکیں۔ نعرۂ توحید اور صدائے تکبیر بلند ہو چکی۔ اس وقت نے چند لمحے پہلے عربستان کی مسجدوں میں جس پیغمبر آخر الزماں کا نام گونج رہا تھا۔ اس کے نواسے اس کے بیٹے اس کے پیارے۔ اس کے جگر گوشے حسین کے سینہ میں سنان بن انس کا نیزہ وار پار ہے۔ اور دوشِ رسولؐ کا سوار کربلا کی جلتی بھلتی ریت میں چت گرا ہوا ہے عمر و سعد اور اس کی فوج خوشی کے مارے اچھل رہی ہے اور حسینؓ بن علیؓ کے تڑپنے پر ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے ہیں آخر سنان نے نیزہ باہر کھینچا اور اس کے ساتھ ہی جگر کے ٹکڑے باہر آگئے شمر اس وقت خنجر لے کر آگے بڑھا۔ تو دیکھا چہرہ پر مسکراہٹ ہے۔ حیرت زدہ ہو کر خاموش ہو گیا تو خولی قریب پہنچا۔ اور کہا دم واپسیں ہے۔ اگر زندہ حسینؓ کا سر کاٹوں گا تو یزید مالا مال کر دے گا۔ یہ کہہ کر اس سینہ پر سوار ہوا جس کو فاطمہؓ اور علیؓ بوسے دیتے تھے جس کو رسولِ عربی نے آنکھوں سے لگایا تھا! امام عالی مقام نے خولی سے کچھ فرمانا چاہا۔ مگر خولی نے مہلت نہ دی اور سیدہ کے لال کا سر تن سے جدا کر کے نیزہ پر بلند کر دیا!!

زینبؓ اور شہر بانو کی آنکھیں صبح سے روتے روتے اب تھک کر خاموش ہو گئی تھیں۔ آنسو خشک ہو چکے تھے اور دم کے سوا کچھ باقی نہ تھا۔ سر نیزہ پر دیکھ کر ندعا میں چیخیں مار کر لپٹیں۔ اور بیہوش ہو کر گریں۔ کچھ دیر بعد ہوش آیا تو پھر جھانکنے آئیں کہ سر کو دیکھیں مگر اب عمر و سعد کے حکم سے اس جسم پر جس کی روحِ ثبات و استقلال کے رنگ دنیا کو دکھا گئی۔ گھوڑے کود رہے تھے کہ ہڈی پسلی چکنا چور ہو جائے۔ شہر بانو یہ دیکھ کر کلیجہ پکڑ کر بیٹھ گئیں مگر بی بی زینبؓ سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور آواز بلند للکار کر کہا:۔

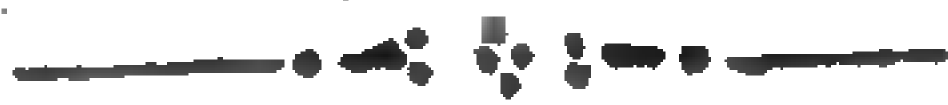
"عمر وسعد اگر قتل کر لینے اور خانماں برباد کر دینے کے بعد بھی عداوت کی آگ نہیں بجھی تو صرف اتنا کر کہ مردوں کو سامنے سے ہٹا دے کہ حسینؓ کی لاش کو گود میں لوں اور تیرے گھوڑے مردہ بھائی کے ساتھ بہن کو بھی کچل دیں۔

عصر کی نماز ہو چکی تھی۔ دھوپ کی شدت میں فرق آگیا تھا اور آفتاب نے اپنا چہرہ کردوں کے ہاتھ سے پٹ پٹ کر سرخ کر لیا تھا کہ شمرؔ و عمر و سعد کڑتے دندناتے ہنستے قہقہے لگاتے خیمہ میں داخل ہوئے۔ وہ آواز جس نے زمین و آسمان کو تھرا دیا وہ آواز جس نے کربلا کو خاک سیاہ کر دیا۔ دفعتاً فضا شہادت میں گونجی اور ریگستان کربلا کے کانوں میں یہ صدا پہنچی۔

شمر تیری آنکھیں پھوٹ جائیں۔ اس سے پہلے کہ زینبؓ بنت علیؓ پر نظر ڈالتا۔ زمین شق ہوتی اور میں سما جاتی۔ اس سے پہلے کہ بے حجاب تیرے سامنے کھڑی ہوتی۔ آج میرے معصوم چہرے کو تیری خونخوار نظروں سے بچانے والے شہید ہو چکے جفاکار اپنی آنکھیں پھوڑ ڈال اور مجھ کو نہ دیکھ او سنگ دل میں بنت علیؓ ہوں۔ اس وقت میرا باپ علیؓ اور میرے بھائی حسنؓ اور حسینؓ زندہ نہیں ہیں او ملعون میرے سامنے سے ہٹ جا میں رسولؐ زادی ہوں اور اس رسول کی نواسی ہوں۔ جس نے حاتم طائی کی قیدی لڑکی کو اپنے ہاتھ سے ردا اڑھائی"۔

پھوپی کی آواز سن، خیمہ کا بیمار اٹھا اور چاہتا تھا کہ شمر کو تلوار مارے مگر نہ چلا گیا اور گر پڑا شمر نے فیصلہ کیا کہ فوراً زین العابدینؓ کو قتل کر دو تاکہ حسینؓ کا نام و نشان دنیا سے مٹ جائے۔ اور اس طرح بنو فاطمہؓ کا کھٹکا مطلق باقی نہ رہے۔ مگر عمر و سعد نے اس رائے سے اتفاق نہ کیا۔ عابد

بیمار کا قتل یزید کے حکم پر منحصر رکھا اور حکم دیا کہ دونوں عورتوں کے کپڑے اور زیور اتار کر رسیوں سے باندھ دو۔ اور زین العابدین کو اسی رسی میں جکڑ کر تینوں کو ایک اونٹ پر بٹھا دو۔ اور باقی کو دوسرے اونٹوں پر۔



خانماں برباد قافلہ

جب قافلہ روانہ ہوا تو سب سے آگے اونٹ پر علیؑ کی بیٹیؑ بہو۔ اور عابدِ بیمار مشکیں بندھی ہوئی سوار تھے۔ یہ وہ دردناک منظر تھا جس کو انسانی آنکھیں آسانی سے نہ دیکھ سکتی تھیں۔ بیمار کو غش پر غش آرہا تھا۔ ماں اور پھوپی سنبھالتے تھے مگر اُس کی زبان سے حسینؑ کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا۔ کربلا کے ریگستان کا ذرہ ذرہ اپنے مہمان کی مصیبت پر ڈاڑھیں مار رہا تھا۔ چاند روتا پیٹتا طلوع ہوا اور تارے پیٹتے چلاتے نمودار ہوئے عمرؔ سعد، شمر، اور خولی شب ماہ کا لطف اٹھاتے ایک اور پڑاؤ پر قیدی بیڑیاں اور ہتھکڑیاں کر دی گئیں اور اس لئے کہ قیدی بھاگ نہ جائیں رسیاں کھینچ کر مضبوط کر دی گئیں۔

رات ایک ہی تھی۔ آسمان و زمین وہی تھے۔ چاند اور تاروں میں کوئی فرق نہ تھا مگر عمرو سعد۔ شمر۔ اور خولی کی اُمیدوں سے ہری بھری، اور توقعات سے لبریز تھی۔ آخر خدا خدا کر کے صبح صادق نمودار ہوئی اور جنگل بیابان میں عابدؑ کی صدائے توحید نے شجر و حجر کے کلیجے توڑ دیئے۔ وہ تینوں پڑے ہنستے اور آوازے کستے رہے۔ اور ان تینوں نے بندھے بندھے نماز فجر ادا کی۔ رات کی تاریکی آہستہ آہستہ فنا ہو رہی تھی۔ اور قدرت نے دن کی روشنی کی ہلکی سی چادر جنگل میں بچھانی شروع کر دی تھی۔ ہوا کے جھونکے ٹھنڈے تھے اور پرندوں کا نغمہ فضائے آسمانی میں تیر رہا تھا کہ زمین سے زینب بنت علیؑ کی یہ دعا جنگل میں گونجی۔

"خالق الموجودات! حسینؑ کے بعد زینبؑ کی پہلی رات ختم ہوئی۔ رات کس طرح کٹی اور دل پر کیا گزری؟ اس کا حال تیرے سوا کوئی نہیں جانتا۔ زمین سانپ بن کر

ڈستی رہی اور آسمان پہاڑ کی طرح ٹوٹتا رہا۔ مگر تقدیر میں اب بھی موت نہ تھی۔ الٰہ العالمین تجھ کو معلوم ہے کہ ہوش سنبھالنے کے بعد آج پہلی مرتبہ تیرے حضور میں اس طرح حاضر ہوئی ہوں کہ ایمان ملامت کر رہا ہے لیکن تو جانتا ہے کہ میں مجبور ہوں۔ مجھے پانی میسّر نہیں کہ وضو کرتی۔ مٹی نصیب نہیں کہ تیمم کرتی۔ میری گردن اور ہاتھ بندھے ہوئے ہیں رکوع کے لائق ہوں نہ سجدے کے۔ اے عالم الغیب ہم تینوں کی یہ نماز قضا کے برابر ہے مگر جس طرح بھی ہو سکی پڑھی۔ اگر قبول فرمائے تو بندہ نواز ہے۔" زینبؑ کی اس دعا سے عمر وسعد قریب آیا اور کہا "اگر پھندہ سخت ہے تو مجھ سے کہہ دیتیں میں ڈھیلا کر دیتا۔ نماز کا یہ عذر غلط ہے۔"

بی بی زینبؑ نے آہستہ سے فرمایا "جس سے عذر کر رہی ہوں وہ دیکھ رہا ہے کہ ہم تینوں کے جسم تیری رسیوں سے نیلے پڑ چکے۔ اے عمر وسعد شرم کا وقت ہے۔ میں نے اپنے بچے کا بخار لیے ماتھے کو اس کی گردن پر رکھ کر دیکھا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ ایمان وانصاف دربار یزید سے رخصت ہو چکے کہ ابن زیاد جیسا روسیاہ اور تجھ جیسا سنگ دل مخلوقِ خدا کے حاکم بنے۔ ذرا اس کے جسم کو ہاتھ لگا یہ بخار میں جھلس رہا ہے اور روسیاہ! یہودی بیمار بھیڑ کو قربانی تک کے واسطے جائز نہیں سمجھتے تو نے رسول اللہ کے مریض نواسے کو قیدی بنایا ہے۔ بنو فاطمہ دنیا سے رخصت ہو چکے ان کی ایک نشانی عابد بیمار زندہ ہے جس کا تماشا دکھانے تو ابن زیاد اور یزید کی قربان گاہ میں لے جا رہا ہے عمر وسعد، شمر اور خولی۔ ایمان کی آنکھوں میں اپنے اعمال کو پرکھو اور انتظار کرو۔ اس روز کا جس کی خبر نانا جان کی زبانِ مبارک نے کلام الٰہی کے حوالہ سے دی اور جس کا نام یوم الحق ہے۔

امام زین العابدین نے پھوپی کو روکا اور کہا "جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اس پر بحث فضول اور گفتگو بیکار ہے۔ البتہ ہم عمرو سعد سے ایک کرم کے خواستگار ہیں کہ ہمارے باپ کا سر جو رات بھر ہماری آنکھوں کے سامنے پڑا رہا ہم کو دیدے۔ ہم سے زیادہ بدبخت انسان دنیا میں کون ہوگا۔ کہ رسیوں میں اس طرح گرفتار ہیں کہ اُٹھ بھر سرک نہیں سکتے۔ اگر یہ کہوں کہ رسیاں ڈھیلی کر دو تو گنہگار، اگر یہ خواہش کروں کہ مجھ کو میرے باپ کے سر تک پہنچا دو تو خاطی۔ ہاں یہ خواہش ہے کہ حسین کا سر میری گود میں ڈال دو۔ میں اُسے سینے سے چمٹائے ابنِ زیاد اور یزید کے دربار میں ہنسی خوشی چلا جاؤں گا" خولی نے جواب دیا کہ تو بیمار ہے اور شاید دمشق پہنچنے سے پہلے ہی موت آجائے مگر سُن اور سمجھ کہ جس طرح تو اس سر کے واسطے بے چین ہے اس سے بہت زیادہ میں انعام کے واسطے مضطرب ہوں تیرا باپ گمراہ تھا۔ اُس نے خلیفہ یزید کی بیعت سے انکار کرنے کے بعد ہم کو کافی اذیت پہنچائی۔ تو یہی غنیمت سمجھ کہ ہم نے تم لوگوں کے سامنے حسینؑ کے سر کو نہ ٹھکرایا۔ اگر تو وعدہ کرے کہ اس سر کو اپنے پاؤں سے ٹھوکریں مارے گا تو یہ سر تجھ کو مل سکتا ہے۔" بیمار کے پاس اس کا جواب ایک خاموشی تھی جو ان تینوں کے علاوہ تمام اہلِ بیت پر طاری ہوئی مسلم بن عقیل کا خاندان اس کی تاب نہ لا سکا اور مسلم شہزادی نے کہا "چُپ زبان روک ایسی گستاخی نہ کر کہ زمین تجھ کو نگل لے یہ سر جو تیرے سامنے پڑا ہے اب بھی دونوں جہاں کا مالک ہے۔"

حسینی قافلہ کوفہ میں

کوفہ جس کی مکاری امام حسینؓ کی شہادت کا بڑا سبب ہوئی، کربلا کا المناک نتیجہ سن چکا۔ آج اس کی سرزمین اپنے بسنے والوں کے ایمان اپنی دغابازی پر لعنت برسا رہے ہیں۔ بچے اور بڈھے مرد اور عورتیں یہ معلوم کرکے کہ خاندان رسالت جو ان کی طلبی پر آیا تھا کربلا میں پہنچ کر تاراج ہوگیا اور خانماں برباد قافلہ مع سر کے ابن زیاد کے پاس جا رہا ہے سرنگوں بیٹھے ہیں۔ ان کے اعمال، ان کے دھوکے ہر طرف سے ان کے سامنے آتے ہیں۔ ان کی آنکھیں ان کو وہ سماں یاد دلاتی ہیں کہ کس طرح انھوں نے لمبے چوڑے وعدے کئے اور بالآخر مسلمؓ اور مسلمؓ کے بچوں کی جان لی۔ ان کا ایمان بتاتا ہے کہ ابن زیاد کے خوف اور دنیا کی محبت نے ان کی دنیا اور دین دونوں برباد کر دیئے۔ ان میں سے بعض تڑپ اٹھتے ہیں۔ اور آنکھوں سے خون کے دریا بہہ جاتے ہیں۔

عمر و سعد نے کوفہ سے ادھر پڑاو کیا۔ اور بہت سے کوفی جنگل میں منگل دیکھنے کی غرض سے موقعہ پر آئے آدھی رات کے سنسان وقت میں زینبؓ بنت علیؓ کے جو رسیوں سے بندھی ہوئی خدائے بہتر و برتر کے حضور میں تھی۔ کان میں دفعتاً یہ آواز پہنچی "بی بی میں حاضر ہو جاؤں"

نگاہ اٹھا کر دیکھا تو ایک بڑھیا عورت سر پر ردا ڈالے اور منہ چھپائے سامنے کھڑی ہے۔ چاند نے بڑھیا کو صورت پہچاننے میں مدد دی۔ اجازت ملتے ہی قدموں میں گری اور ہاتھ جوڑ کر کہا "غریب محتاج ہوں۔ یہ تھوڑا سا ثرید ادنیٰ

پانی اس امید پر لائی ہوں کہ قبول ہو گیا تو بیڑا پار ہے۔ بی بی میں غیر نہیں ہوں مجھے مدینہ میں بی بی فاطمہؑ کی کفش برداری کی عزت حاصل ہوئی ہے۔ فرمائیے آپ ان کی کون ہیں اور بتولؑ کے لخت جگر سے آپ کا کیا تعلق ہے میں جس وقت کا ذکر کر رہی ہوں اس وقت میری مالک میری آقا بی بی فاطمہؑ کی گود میں ایک بچی تھی جس کا نام زینبؑ تھا بتا رسولؐ زادی خدا کے واسطے بتا تیرا نام کیا ہے۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ صورت جو عرصہ سے اوجھل تھی آج پھر سامنے ہے۔ اور میں اس وقت بنت الرسولؐ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں۔"

بی بی زینبؑ کی آنکھوں سے آنسو کی لڑیاں بہہ رہی تھیں انھوں نے بڑھیا کا سر اٹھایا اور کہا "میں فاطمہؑ کی بیٹی نہیں لونڈی ہوں۔ بی بی کی خدمت میں عمر گذری ہے۔ اس سبب وہی عادت وخصلت پیدا ہو گئی تو محبت سے جو کچھ لائی ہے سیدہ کی کنیز اس کو سر آنکھوں پر رکھے گی تو نے اس جنگل اور پردیس میں ہم مظلوموں کی مہمان نوازی کی ہماری دعائیں تیرے ساتھ ہیں خدا تجھ کو خوش رکھے۔"

بڑھیا نے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے۔ لپٹ گئی اور کہا "زینبؑ میں نے تجھ کو گود میں کھلایا ہے۔ تو یقیناً بنت الرسولؐ کے کلیجہ کا ٹکڑا ہے۔ بیٹا میری آقا زادی مجھ سے پردہ نہ کر یہ شکل وصورت میری بی بی کی ہے۔ میرا دل پکڑ رہا ہے میں دو پہر سے بیٹھی اپنے مولا کا سر آنکھوں سے لگا رہی تھی۔ زینبؑ میرے سر پر ہاتھ رکھ دے۔ اور آخر وقت خوش خبری سنا دے کہ میں خوش وخرم دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔ اور معلوم ہو جائے کہ جان بنت زہرا کے قدموں میں نکلی۔"

بڑھیا یہ کہہ کر الگ ہوئی اور امام حسینؑ کا سر گود میں لے کر چیختی ہوئی

بی زینبؑ کے قدموں میں گری اور کہا "بی بی مجھ کو اجازت دے کہ اس سر پر اور ان قدموں پر قربان ہو جاؤں۔"

بڑھیا کی حالت ردی ہو گئی تو بی بی زینبؑ نے اس کا سر گود میں لیا اور کہا "ہاں بنت الرسول کی لونڈی زینبؑ میں ہی ہوں" اتنا سنتے ہی بڑھیا پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی۔ اس نے چیخ ماری اور ختم ہو گئی۔

خانماں برباد قافلہ جب کوفہ کے بازاروں میں اس طرح پہنچا کہ آگے آگے یزید کے قیدیوں کا اونٹ تھا۔ اس کے پیچھے مسلح محافظ اس کے بعد باقی اہل بیت فوج کی حراست میں۔ تو لوگ تماشہ دیکھنے باہر نکل آئے۔ شہر بانو اور بنت علیؑ نے جن کے ہاتھ جکڑے ہوئے اور سر ننگے تھے اپنی گردنیں نیچی کر لی تھیں کہ غیر محرم ان کو نہ دیکھ سکیں۔

عبیداللہ ابن زیاد کے دربار میں

عبیداللہ ابن زیاد کا دربار آراستہ ہو رہا ہے۔ کامیابی کے خیال نے اس کا دل باغ باغ کر دیا ہے۔ خوشنودی یزید کی توقعات انواع واقسام کے لباس میں۔ اس کے روبرو جلوہ گر ہیں۔ ایک مرصع تخت۔ اور دگر کرسیاں بچھی ہوئی ہیں قلعہ قسم قسم کے تکلفات سے سجایا گیا ہے۔ مسلح سپاہی ہر چہار طرف کھڑے ہیں خبر گذار دور دور نکل گئے ہیں کہ قافلہ کے آنے کی خبر پہنچائیں۔ ابن زیاد اور اس کے ہوا خواہ آزادی اور بے فکری سے قہقہے لگا رہے ہیں۔ عصر کی نماز ختم ہو چکی تھی۔ قافلہ کی آمد کا غلغلہ بلند ہوا۔ جس وقت سادات کے اونٹ قلعہ کے قریب پہنچے تو

فاطمہؓ بنتِ زیاد منہ پر نقاب ڈالے باہر نکلی اور دُور سے خاموش کھڑی یہ سماں دیکھتی رہی یہاں تک کہ عمرو سعد اور شمر کے حکم سے رسّی سے بندھی ہوئی سیدانیاں اتاری گئیں۔ عابدِ بیمار کی حالت گرمی کی شدت اور سفر کی تکان سے بگڑ رہی تھی۔ ظالموں نے عورتوں کے ساتھ بیمار کے ہاتھ بھی کمر کے پیچھے باندھ رکھے تھے اور قدم نہ اٹھ سکتا تھا۔ اونٹ سے اترتے وقت بیمار کو ضعف آیا اور بے حال ہو کر گرا۔ زینبؓ اور شہر بانو۔ سکینہ اور مسلمؓ کی شہزادی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ ان کے دل رو رہے تھے لیکن اتنی مجال نہ تھی کہ اُف کر سکیں یا ایک قدم بڑھا سکیں۔ عابد کے گرنے سے سر زخمی ہوا اور خون نکلنے لگا۔ تو زینبؓ نے بے قرار ہو کر کہا۔ "ارے سنگ دلوں ظلم کی انتہا ہو چکی"۔ فاطمہ بنتِ زیاد سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ وہ قریب آ گئی اور کہا "جس بھائی نے یہ ستم توڑے اُس کی بہن اِن قدموں کی خاک اکسیر سمجھتی ہے۔ کاش ماں مجھ کو نہ جنتی کہ میں خاندانِ نبوت کا یہ حشر ان پھوٹی آنکھوں سے دیکھتی عبید خدا اس پر بجلی گرائے۔ اس حکم سے پہلے زمین میں دھنس جاتا۔ فاطمہؓ کچھ اور کہتی مگر شمر اور خولی نے حکم دیا کہ "قیدیوں کو قلعہ میں داخل کرو"۔

اب وہ سماں ہے کہ ابن زیاد تخت پر جلوہ گر ہے اور سید الشہداء کا سر اُس کے سامنے اخدام دست بستہ اور دست دائیں بائیں کھڑے اور بیٹھے ہیں۔ ظالمانِ کربلا تمام واقعات اپنے اپنے کارنامے اور شجاعت کے گیت سنا رہے ہیں۔ دفعتاً ابن زیاد نے آنکھ اٹھا کر سامنے دیکھا۔ اور کہا "یہ عورت کون ہے؟"

عمرو سعد نے جواب دیا "یہ حسینؓ کی بہن زینبؓ ہے"۔

ابن زیاد کے چہرہ پر مسکراہٹ آئی۔ اور کہا۔

"زینبؓ ایک مچھلی سارے جل کو گندہ کر دیتی ہے۔ ایک حسینؓ کی نافرمانی سے تمام خاندان تہس نہس ہو گیا۔ یہ نافرمانی کا انجام ہے۔ الحمدللہ حسینؓ کی کوششیں بیکار ہوئیں۔ اور اس نے بغاوت کا انجام دیکھ لیا۔ تم نے دیکھا کس طرح خدا نے تم کو تمہارے اعمال کی سزا دی۔"

بی بی زینبؓ نے مسکراتے ہونٹوں کا سنجیدہ زبان سے اس طرح جواب دیا۔ الحسینؓ نے جو کچھ کیا۔ خدا اور اس کے رسول کے مطابق۔ زندگی اس کے قدموں پر قربان ہو رہی تھی اور تیرا سپہ سالار عمرو سعد اور ایک عمرو سعد ہی نہیں ہر بے ایمان ترغیب دے رہا تھا کہ حسین کا ہاتھ تجھ جیسے جفاشعار کے ہاتھ میں پہنچ جائے۔ مگر حسینؓ نے اس لئے کہ اس کی بیعت اسلام پر ایک دھبہ ہوتی۔ جو بنو فاطمہؓ کے مٹائے نہ مٹتی حق پر نہ صرف اپنی بلکہ اپنے عزیزوں تک کی جانیں نثار کر دیں۔ اور ہر اذیت کو ہنس کھیل کر گوارا کر لیا۔ مگر تو نے اور تیرے ہمنوا روسیاہوں نے بنو امیہ کے دامن پر ایسا داغ لگا دیا جس کو مسلمانوں کے آنسو قیامت تک نہیں دھو سکتے کہ کیا کوئی مسلمان آنکھ یہ تماشہ دیکھ سکے گی۔ کہ تیری حقیقی بہن فاطمہ بنت زیاد جس کا نام فاطمہؓ محض بی بی فاطمہؓ کے تقدس پر رکھا گیا۔ پردے اور برقعہ میں کھڑی ہو اور سچی فاطمہؓ کی بیٹی زینبؓ جس کے سر پر اس لئے کہ تلاوتِ کلام الٰہی میں کھل گیا تھا۔ سرورِ دو عالمؐ نے اپنے دستِ مبارک سے ردا اڑھائی تیرے سامنے ننگے سر قیدی بنی کھڑی ہو میرے نانا نے بنت اشعب کو غزوہ بتوک میں چادر اڑھائی تو نے اپنے دربار میں رسول زادیوں کو بے نقاب کیا۔ تیری ماں بہنیں حجاب کے احکام کی تعمیل کریں۔ اور جس پر حکم نازل ہوا۔ اس کی بہو بیٹیاں بے نقاب کی جائیں۔

حسینؓ نے حق و باطل کا فیصلہ کر دیا۔ اور تم لوگوں کو بتا دیا کہ سچا مسلمان ایمان کے معاملہ میں جان اور خاندان کی پروا نہیں کرتا۔

ابن زیاد نے اس کا جواب صرف اتنا دیا "یہ تمہارے بھائی کا سر ہے۔ جو خدا کے حکم سے قتل ہوا اور اپنے کئے کی سزا بھگتی"!

عابد بیمار نے جواب میں کلام الٰہی کی آیت پڑھی جس کا مطلب یہ تھا کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ جس سے مفر نہیں۔ میری پھوپی نے جو کچھ کہا اس کا جواب دے۔ اور دیکھ ہم نے غیر مسلموں کے ساتھ کیا سلوک کئے۔ تم مسلمانوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا ابنِ زیاد موت تیری زندگی پر ہنس رہی ہے۔ اور اختیار تیری بے اختیاری یاد کر کے رو رہا ہے۔ تو نہ دیکھ مگر ہم دیکھ رہے ہیں تیری حکومت اپنی اس مجبوری اور بے کسی پر جو آنے والی ہے رو رو کر حاکم الحاکمین کی ابدی و ازلی طاقت کے گیت کے گا رہی ہے۔ میرے نانا نے تم کو اس لئے مسلمان کیا تھا کہ تم ان ہی کے پیاروں کو ذبح کرو۔ اور کیا تم نے اسی لئے کلمہ پڑھا تھا کہ گلشن توحید کے بسے ہوئے ٹکڑوں کو اس طرح رسیتوں سے کسو کہ جسم نیلا ہو جائے اور قدم نہ اٹھا سکیں"۔

اس کا جواب ابن زیاد نے کچھ نہ دیا۔ اور ایک چھڑی سے سید الشہداء کے سر کو چھیڑنے لگا۔ اس پر زید بن ارقمؓ صحابی رسول اللہ سے ضبط نہ ہو سکا اور انہوں نے فرمایا "کیا کرتا ہے چھڑی ہٹا لے۔ اور ادب سے کام لے۔ میں نے ان رخساروں پر رسول اللہ کو بوسے دیتے دیکھا ہے"۔

ابنِ زیاد سن کر آپے سے باہر ہو گیا۔ اور کہا "تمہاری اس گستاخی کی سزا قتل ہے"۔

زیدؓ کھڑے ہوئے اور کہا: "جو کچھ کر چکا اعمال نامے کی بربادی کو وہی کافی ہے اور کچھ ہو تو وہ بھی کرے۔ جو آنکھیں حسینؓ کے سر سے خوش ہو سکتی ہیں اور جو کچھ دیکھیں تھوڑا ہے۔ یہ تماشہ بھی دیکھ لے۔"

ابن زیاد مصلحتاً خاموش ہوگیا۔ اور کہا: "صحابہ رسول اللہ نہ ہوتے تو یقیناً قتل کر دیتا۔" زیدؓ نے جواب دیا: "جن کے صحابہ ہونے کا یہ اعزاز اُسی کے جگر گوشہ کی یہ تذلیل لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ۔ زیدؓ کے یہ الفاظ یاد رکھ میدان حشر میں تیری ماں بہنوں اور بہو بیٹیوں کی اس سے زیادہ تذلیل اور تضحیک تیری آنکھوں کو دیکھنی ہے۔ تیری بہن فاطمہ بنت زیاد ننگے سر پر چادر ہے۔ مگر اب اُس ساعت کا انتظار کر جب اس خانماں برباد قافلے کے جو جنت کا مالک ہے قدموں پر فرشتے آنکھیں ملیں گے۔ حوروں کا دامن ان کا حجاب ہوگا۔ اور تیری ناموس کی بربادی شروع ہوگی۔ حوادث کربلا ختم ہوئے سیدانیوں کے مصائب ختم ہو رہے ہیں۔ مگر تیری تباہی کا اب آغاز ہونے والا ہے حسینؓ کی شہادت دیکھ چکا۔ دنیاوی بہار ہو چکی۔ موت کا تماشہ اور غضب الٰہی کا تماشہ دیکھ۔

ابن زیاد نے پھر وہی الفاظ دہرائے کہ "صحابیت کا احترام ہے۔" اور حکم دیا "کہ قیدیوں کی رسیاں اور کس دی جائیں۔" اس کے بعد قافلہ دمشق روانہ ہوا۔

دربار یزید

دمشق میں فتح کی خبر پہلے ہی پہنچ گئی تھی اور قصر یزیدی میں ہر طرف خوشیاں منائی جا رہی تھیں اور اس کے ساتھ ہی یزید کو اندیشہ تھا کہ گو میں نے

فتنہ ختم کر دیا۔ مگر اس کے بعد جو مصیبت نازل ہو گی اس کا انسداد میرے اختیار سے باہر ہے۔ مسلمان مجھ سے برگشتہ ہو گئے اور اپنے دلوں میں ضرور کہتے ہوں گے کہ جب میں نے رسول اللہ کے نواسے کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ تو میرے اسلام پر لعنت ہے۔ وہ مجھ پر اعتماد نہ کریں گے اور بہت ممکن ہے اس کا بدلہ مجھ سے لیں۔ چنانچہ اس نے کربلا کا حال سن کر علی الاعلان بھرے دربار میں یہ الفاظ کہے۔

خدا اس لونڈی بچے عبید کو تباہ کرے جس نے حسینؓ کو قتل کیا۔ عمرو سعد۔ شمر اور خولی ہشاش بشاش اور باغ باغ دنوں کی منزلیں گھنٹوں میں طے کرتے دمشق جا رہے تھے۔ ان کے اختیار میں نہ تھا کہ کس طرح اڑ کر یزید کے پاس پہنچ جائیں۔ بہادری کی داد لیں اور فتح کے مفصل حالات سنا کر انعام و اکرام سے مالامال ہوں۔ اور منہ مانگی مرادیں پائیں۔ یزید دن کے جشن ہو ہی رہے تھے۔ دن عید اور رات شبرات تھی۔ رات بھر چراغاں اور دن بھر رنگ رلیاں۔ قافلہ سادات مارا مارا چلا جا رہا تھا۔ عورتیں اور بچے۔ جن کا وارث سوائے ایک بیمار کے کوئی نہ تھا تھک کر چور ہو گئے مگر ظالموں کو اپنی خوشیوں میں ان پر رحم نہ آیا۔ جس وقت یہ قافلہ موصل کے قریب پہنچا تو وہاں کے باشندوں نے والئی موصل کے اشارہ سے دروازے بند کر لئے عمرو سعد اور شمر متحیر ہو گئے کہ بجائے اس کے کہ ہماری خوشیوں میں شریک ہوتے، خاطر و مدارات کرتے۔ استقبال میں مصروف ہوتے ہم سے متنفر ہو گئے۔ کیا یہ لوگ بھی یزید کی حکومت سے باغی ہو گئے ہیں۔ انھوں نے حیرت و تعجب سے موصلیوں کے سامنے جو ان پر لعن طعن کر رہے تھے یہ باتیں کہیں۔ مگر وہ مطلق نہ ڈرے اور کہا کہ جب یزید نے خاندان رسالت کے

ساتھ یہ کیا۔ اور تم جیسے ناہنجار مسلمانوں نے اس کا ساتھ دیا تو ہم کو اس سے اور تم سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔ بہتر ہے کہ تم یہاں سے روانہ ہو جاؤ اور جو کچھ تمہارے دل میں آئے۔ یزید سے کہہ دو" موصل کی اس ایمانداری کا اثر یہ ہوا کہ آگے بڑھ کر حلب۔ عسقلان۔ سے کسی جگہ بھی عمر و سعد نے قیام نہ کیا۔ جب رات ہو جاتی تو اتر پڑتا اور صبح ہوتے ہی آگے روانہ ہو جاتا۔

آخر وہ وقت بھی آ گیا کہ شہدا کے سر اور سادات کا قافلہ دمشق پہنچا صبح ہی سے یزید کا دربار سجایا جا رہا تھا اور لوگ جوق در جوق جمع ہو رہے تھے۔ مرصع تخت کے ہر چہار طرف ایرانی قالین بچھے ہوئے تھے۔ چپہ چپہ پر مسلح سپاہی کھڑے تھے۔ اور فتح کی خوشیاں منائی جا رہی تھیں عمر و سعد نے موصل کی کیفیت قاصد کی زبانی یزید سے کہلا بھیجی وہ پہلے ہی خائف تھا اور سمجھتا تھا کہ دربار کے اس مجمع میں گو زبانیں جانوں کے خوف سے اظہار مسرت کر رہی ہیں۔ مگر دل حسینؓ کے قتل اور میرے ظلم پر رو رہے ہیں اس نے اپنے الفاظ پھر دہرائے۔ اور اس وقت بھی کہا۔

"میرا مقصد ہرگز یہ نہ تھا جو ہوا حسینؓ کے سر کو سونے کے طشت میں رکھ کر میرے سامنے لاؤ۔"

وہ ساعت قیامت سے کم نہ تھی جب شہدا کے سر یزید کے سامنے پیش ہو رہے تھے۔ رسی سے بندھی ہوئی سیدانیاں معصوم بچے اور بیمار عابد اس کے سامنے کھڑے تھے۔ شمر نے یہ دیکھ کر کہ یزید مسلمانوں کے خوف سے پریشان ہے۔ بشیر بن مالک سے کہا "آپ حسینؓ کا سر پیش کیجئے اور کہیئے کہ میں نے قتل کیا ہے۔" بشیر بن مالک اس دھوکہ میں آ گئے۔ لالچ نے ان کو اندھا کر دیا تھا اور سر سامنے

بشیر بن مالک [illegible]

رکھ کر فخر سے کہا "اس جھگڑے کا مٹانے والا میں ہوں"۔

یزید نے عابدِ بیمار یعنی امام زین العابدین سے کہا۔ "تیرے باپ کی یہ خواہش تھی کہ میری حکومت کا خاتمہ کر دے مگر خدا کو منظور نہ تھا۔ دیکھ لے میں زندہ ہوں اور اس کا سر میرے سامنے ہے"۔ بیمار نے کوئی جواب نہ دیا مگر بی بی زینبؓ نے کہا: "تجھ کو چند روز بعد موت بھی آجائے گی۔ مگر شیطان آج تک زندہ ہے یہ ہماری آزمایش کی گھڑیاں تھیں جو ختم ہو چکیں۔ جس خدا کا نام لے رہا ہے اور اس کو با اختیار سمجھتا ہے کیا اُس کے رسول کی اولاد کے ساتھ اس ظلم و ستم کے بعد بھی تو اپنا منہ اس کو دکھائے گا؟"

یزید بولا "میں میدانِ جنگ میں موجود نہ تھا اس ظلم و ستم کی ذمہ داری ابن زیاد اور عمرو سعد پر ہے"۔

بی بی زینبؓ نے جواب دیا "تو کربلا میں موجود نہ تھا مگر دمشق میں اس رسولؐ کی بچیاں جس کا تو کلمہ پڑھتا ہے۔ رسیوں سے جکڑی بے حجاب تیرے سامنے کھڑی ہیں۔ کیا یہ کچھ کم ظلم ہے؟ تو نے جس کو دشمن سمجھا تجھ سے بہت بہتر تھا اور میرا باپ اور بھائی تجھ سے اور تیرے باپ سے بدرجہا افضل تھے۔ یہ سنتے ہی یزید تخت سے کھڑا ہو گیا۔ اور کہا "لاریب تیرا دادا میرے دادے اور تیری ماں میری ماں سے افضل ہیں۔ مگر یہ فیصلہ خدا کرے گا کہ میرے اور تیرے باپ میں افضل کون ہے"۔

بی بی زینبؓ نے کہا "خدا کے فیصلہ سے پہلے اس کا فیصلہ مسلمانوں نے کر دیا اور کر دیں گے تو نے دیکھ لیا اور دیکھ لیں گے کہ کون افضل ہے"۔

اب یزید خاموش ہو گیا اور حکم دیا کہ "رسیاں کھول دو اور سیدانیوں

کو گھر میں بھیجدو۔" اس وقت زینبؑ نے بآواز بلند کہا۔" اپنی حکومت میں رسول زادیوں کا تماشہ مردوں کو دکھا چکا۔ اب اپنی عورتوں کو ہمارا تماشہ نہ دکھا۔ ہمارے گھر چھن چکے۔ ہمارے زیورات لُٹ چکے۔ جسم پر جو کپڑے موجود ہیں یہ پھٹ گئے۔ مہینہ بھر سے زیادہ ہوگیا کہ ہمارے بدن پر پانی نہ پڑا۔ ہم تیمم سے نمازیں پڑھ رہے ہیں۔ ہمارے سر چکٹ گئے اور ہماری صورتیں بگڑ گئیں جن آنکھوں سے تو حسینؓ کا سر دیکھ رہا ہے اُن ہی آنکھوں سے عابدؑ کے بازو در گلا دیکھ کہ تیری رسیوں سے ہمارے جسم نیلے ہیں اگر تیری آگ کے شعلے اب ٹھنڈے ہوگئے تو ہم کو زیادہ رسوا نہ کرا و رہمیں بھی قتل کر دے اب ہم کو زندگی کی ضرورت نہیں۔"

بی بی زینبؑ کے اس ارشاد پر یزید نے ان کے قیام کا علیحدہ انتظام کر دیا۔ اور امام حسینؓ کے سر پر آہستہ آہستہ چھڑی مارنے لگا۔ جس وقت اُس نے یہ لفظ کہے۔

"یہ ہے وہ منہ جسے میری بیعت سے انکار تھا"

تو ابو ذر میلرہ اسلمی نے کہا" ارے ظالم کیا کرتا۔ جہاں یہ تیری چھڑی ہے۔ اس پر رسول اللہ نے بوسے دیئے ہیں۔"

یزید کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اسلمی اصحابی رسول اللہ ہیں خاموش ہوگیا۔ اور حکم دیا کہ" قاتلانِ حسینؑ کے انعام کا فیصلہ جلد کروں گا۔"

بی بی زینبؑ کی خواہش پر امام حسینؑ کا سر اُن کے سپرد کر دیا گیا۔

گو معاملہ ختم ہو چکا تھا۔ مگر یزید دیکھ رہا تھا کہ مسلمان صرف تلوار کے زور سے خاموش ہیں واقعہ کربلا نے گو ہیبت طاری کر دی لیکن حسینؑ سے شہید

ہو کر ان کے دل فتح کرلیے اور شہادت حسینؓ نے بنو فاطمہؓ کا ایسا سکہ بٹھا دیا ہے جو اب زائل نہیں ہو سکتا۔ رات کے وقت وہ شراب کے نشہ میں مست ہو کر سونے کی کوشش کرتا مگر اس کے دل پر کچھ ایسا خوف چھایا ہوا تھا کہ تھوڑی دیر بعد آنکھ کھل جاتی۔ ٹہلتا اور سوچتا کہ کس طرح یہ دھبہ دُور کردوں۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ نصف گزر چکی تھی اور مخلوقِ خدا نیند کی لپیٹ میں بے خبر تھی۔ تارے بساطِ فلک پر اٹھکھیلیاں کر رہے تھے اور ہوا خاموشی کے ساتھ نظام عالم کی تکمیل میں منہمک تھی۔ دفعتاً قیام گاہِ سادات سے کسی عورت کا نالہ بلند ہوا۔ یہ اس قدر درد انگیز تھا کہ یزید ڈر کے مارے کانپنے لگا۔ جا کر دیکھا تو زینبؓ بنت علیؓ بھائی کا سر گود میں لئے بلبلا رہی ہے۔ اس کی فریاد نے کہرام مچا رکھا ہے۔ زمین و آسمان اس کے ہمنوا ہیں۔ اور دمشق کا ذرہ ذرہ رات کی تاریکی اور ہوا کے فراٹے میں شہادت حسینؓ کا مرثیہ پڑھ رہا ہے۔ آگے بڑھا اور کہا۔ "زینبؓ جو ہونا تھا وہ ہوچکا تیرا نالہ مسلمانوں کا کلیجہ توڑ دے گا۔ اور میری تلوار ان کے سر اڑا دے گی۔ مسلمانوں کے اس قتل و خون کی ذمہ دار تو اور تیرے بھائی کا سر رہے گا۔ زینبؓ حسینؓ کا سر دے دے کہ تیرا سوگ کم ہو اور صبر آجائے۔"

طیش سے ایک خفیف سی مسکراہٹ بی بی زینبؓ کے منہ پر آئی انھوں نے یزید کے سامنے بھائی کے سر کو بوسہ دیا۔ اور کہا۔ "تو کہتا ہے کہ جو ہونا تھا ہوچکا مگر تجھے یہ معلوم نہیں کہ ابھی کچھ بھی نہیں ہوا۔ جو کچھ ہونا ہے وہ اب ہوگا۔ اور اس کا وقت اب آرہا ہے جس کو تو ہوچکا سمجھتا ہے۔ یہ ایک تمہید تھی اس کی جو ہونے والا ہے اور ایک جھلک بھی۔ اس کی جو ہوگا۔ حوادث کربلا مُردہ قوم کو زندہ کریں گے۔

سوتوں کو جگائیں گے۔ جب انسانی دنیا میں طاقت کی حکومت ہوگی۔ ظالم مظلوم کو تاراج کرے گا۔ اور طاقت ور کمزور کو فنا کرنے پر آمادہ ہوگا۔ اور خون کے پرنالے بہیں گے اور انسانی زندگی چیونٹی سے زیادہ وقعت نہ رکھتی ہوگی جب کمزور کی زبان طاقت ور کے سامنے التجا کرتے کرتے گھس جائے گی۔ جب شہ زور ہاتھ نحیف خرمنِ ہستی کو جلا کر خاک کر دیں گے۔ اور جس وقت نفسانیت کا دور دورہ اور لاچار کی بربادی ہوگی۔ اس وقت تاریخ کربلا کا زرّیں اصول دہرائے گی۔ اور جن لوگوں کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں وہ بھی حسینؓ کے نقشِ قدم پر سر جھکا دیں گے اس وقت اسلام کا ڈنکا دنیا میں بجے گا۔ اور میرے نانا کی مقدس روح جو طیبہ میں آرام فرما رہی ہے۔ میرے اس بھائی کو جس کا سر گود میں ہے دعا دے گی۔

یزید ابھی کچھ نہیں ہوا۔ تو نے اپنے احکام کی تعمیل دیکھ لی۔ مگر اس تعمیل کا انجام ابھی دیکھنا باقی ہے۔ تو دیکھے گا اور ہم دکھائیں گے کہ خدا کا قہر تجھ کو اور تیرے ساتھ رو یا ہانِ کربلا کو کس طرح کتے کی موت مارتا ہے۔ یہ سلطنت اور حکومت جس کے واسطے تو نے خاندانِ رسالت کو تہ تیغ کیا۔ اور ناموسِ اسلام کی بے حرمتی کی خود تیری اولاد کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوگی۔ اور تیری زندگی میں تیرے منہ پر اور میرے نانا کا کلمہ پڑھنے والے تیری قبر پر اُس وقت تک تھوکیں گے جب تک دنیا آباد ہے یزید اب ہمارے بھائی کا سر ہمارے پاس رہنے دے۔ اور ہم کو رخصت کر کہ اپنے جدّ امجد کے مزار پر حاضر ہو کر دل کی آگ بجھا سکیں۔"

یزید خاموش رہا اور اسی وقت حکم دیا کہ نعمان بن بشیر امام حسینؓ کے سر اور قافلہ کے ساتھ مع سواروں کے روانہ ہوں اور مدینہ پہنچا آئیں۔

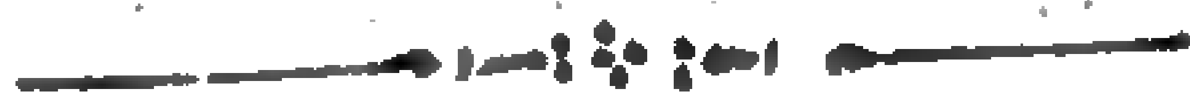
دمشق سے مدینہ

نعمان بن بشیر بظاہر یزید کے ملازم تھے۔ مگر دل سے اہل بیت کے مداح اُنہوں نے اپنے ساتھ وہ تمام ادویہ اور خوشبوئیں جواب تک امام حسینؓ کے سر پر لگائی جارہی تھیں کثرت سے ساتھ لیں نماز فجر کے بعد یہ قافلہ دمشق سے روانہ ہوا۔ یزید بھی اس وقت کھڑا تھا اتفاق سے ایک قصائی نے اپنی بھیڑوں کو پانی پلاکر ذبح کیا۔ امام زین العابدین نے یزید سے کہا" میرا باپ تیری نگاہ میں اِن بھیڑوں کے برابر بھی نہ تھا کہ حسین اور اُس کے بچوں کو پانی پلاکر ذبح کرتا۔ اِس قصائی کو دیکھ کہ ذبح کرنے سے پہلے بھیڑوں کو سیراب کیا" یزید نے کوئی جواب نہ دیا اور بی بی زینبؓ سے جن کی گود میں بھائی کا سر تھا۔ کہا" اونٹ پر سوار ہو جاؤ"

ا بی بی زینبؓ سے جن کی گود میں بھائی کا سر تھا۔ کہا" اونٹ پر سوار ہو جاؤ" بی بی زینبؓ نے فرمایا" ہم جاتے ہیں خدا کو یہی منظور تھا کہ ہم برہنہ سر اور رسن بستہ تیرے سامنے کھڑے ہوں مشیت اپنا کام کر چکی اور مقصد کی تکمیل ہو گئی حسینؓ اور اُس کے بچے شہید ہو چکے۔ اب تو اپنی موت کا انتظار کر اور دیکھ یہ سر حسینؓ ابن علی کا ہے۔ خاتونِ جنت کے لال کا ہے! تو کچھ اور دیکھ رہا ہے۔ یہ دیکھ زبان حلق سے باہر نکلی ہوئی ہے۔ یزید تو نے پیاسے حسینؓ کو اُس جگہ ذبح کیا جہاں جانور تک پانی سے پیٹ بھر رہے ہیں۔ تو اندازہ نہیں کر سکتا۔ مگر میں بتاتی ہوں کہ ہمارے پہنچنے پر مدینہ میں قیامت بپا ہوگی تو اس سر کے قریب آ اور دیکھ۔ یہ کھلی ہوئی آنکھیں بیمار صغراؑ کا انتظار کر رہی ہیں۔ تو ان آنکھوں کو دیکھ۔ جو بعد شہادت بھی اس کے

واسطے کھلی ہوئی ہیں، یہ تیری حکومت کے تماشے تھے۔ اب ان تماشوں کا منتظر رہ جو خدا کی طاقت دکھائے گی۔" قافلہ روانہ ہوا اور تھوڑی دور آگے چل کر نعمانؓ نے بہ منت زین العابدینؑ سے عرض کیا۔ "میں حکم کا غلام ہوں جہاں جی چاہے تشریف لے چلئے۔ میری تکلیف کا خیال نہ کیجئے۔ جہاں حکم دیجئے گا پڑاؤ کروں گا اور جب فرمائیے گا کوچ کروں گا۔" امام زین العابدینؑ نے نعمان کا شکریہ ادا کیا اور سیدھے کربلا پہنچے۔ شہدا کی ہڈیاں چورہ ہو گئی تھیں۔ وہ دفن کیں۔ سید الشہداء کے سر میں اختلاف ہے یہاں سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ صغرا بنت حسینؑ کو پہلے سے خبر پہنچ چکی تھی اور بیمار روتی پیٹتی سڑک پر آبیٹھی تھی۔ ظہر کی نماز ہونے والی تھی کہ قافلہ مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔ مسلمانوں نے زار و قطار آنسوؤں سے اپنے مہمانوں کا استقبال کیا۔ عابد اور صغرا گلے لپٹ کر بے ہوش ہو گئے

نماز ظہر کے بعد جب زینبؓ لئے ہوئے قافلہ کو لے کر روضۂ اقدس پر حاضر ہوئیں تو کہرام مچا ہوا تھا۔ دیر تک یہ سب وہاں حاضر رہے اس کے بعد گھر واپس آئے۔



قاتلانِ حسینؓ کا انجام

امام حسینؓ اور اُن کے ہمراہیوں کا بے گناہ خون میدانِ کربلا میں گر چکا مگر اُس کی چھینٹیں ابھی دنیا کے دامن پر موجود ہیں قصر یزیدی میں فتح و نصرت کے شادیانے بج چکے لیکن اِن نقاروں سے ابھی ماتم کی صدا بلند ہونی باقی ہے ابنِ زیاد شہیدِ اکبر کے سر کو دیکھ دیکھ کر باغ باغ ہو چکا مگر ان آنکھوں کو اسی باغ میں ابھی خزاں کا دَور بھی دیکھنا ہے عمر و سعد اپنے لشکر جرارت مٹھی بھر بے قصور مسلمانوں کو تہ تیغ کر کے دل کے حوصلے پورے کر چکا۔ مگر ابھی اس کو وہ تلوار دیکھنی باقی ہے جو اس کے سر پر چمکے گی۔ شمر اور خولی اپنے کارناموں کی داد ابنِ زیاد سے لے چکے مگر قدرت سے اس کا صلہ ملنا باقی ہے۔ حرملہ بن کاہل معصوم اصغر کا کلیجہ اپنے تیر سے چھلنی کر کے چین کی نیند سو گیا۔ مگر اب دکھ کی نیند آنی باقی ہے۔

موت امیر اور غریب بادشاہ اور فقیر سب کو آئی اور آئے گی۔ اس سے دوزخی بچا نہ جنتی۔ نیک نج سکا نہ بد۔ اس نے ولی کو چھوڑا نہ پیغمبر کو، ظالم کو نہ مظلوم کو قاتلانِ حسینؓ کی موت کو سزائے ظلم قرار دینا بڑھیا عورتوں کے کوسنے ہوں گے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ موت کس صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ خدا اپنا غضب کس طرح ڈھاتا ہے اور بے گناہوں کا وارث جب کمزوروں کی حمایت کو اُٹھتا ہے تو خدائی طاقت کو بھولے ہوئے شہ زوروں کی کیا گت بناتی ہے۔

یزید کا آخر وقت

اس کسوٹی پر سب سے پہلے یزید کو دیکھنا ہے اس کی ۳۹ برس کی عمر میں موت اتفاقیہ سہی، درد قولنج بھی معمولی سہی۔ مگر بنت علیؑ کے وہ الفاظ جن کو سن کر یزید اور اس کا دربار سناٹے میں رہ گئے تھے کہ حسینؓ کے خون سے جس سلطنت کو پانی دیا۔ اس پر تیری اولاد بھی نہ تھوکے گی۔ دنیا کو یاد ہوں گے۔ جب حمص میں اس کو موت کا یقین ہو گیا تو اپنے لڑکے معاویہ کو بستر مرگ پر بلایا اور امور سلطنت میں وصیتیں شروع کیں۔ ابھی یزید نے آغاز ہی کیا تھا کہ معاویہ نے ایک چیخ ماری اور کہا "خدا اس سلطنت سے محفوظ رکھے جس کی بنیادیں سبط الرسولؐ کے خون پر رکھی گئیں" یزید بیٹے کے یہ الفاظ سن کر بہت تڑپا۔ مگر معاویہ لعنت بھیج کر چلا گیا۔ لوگوں نے ہر چند سمجھایا کہ تیرا انکار بنو امیہ کی سلطنت کا خاتمہ ہے۔ مگر اس کی سمجھ میں نہ آیا یزید ہاتھ پاؤں مارتا اور سر پٹکتا تین شبانہ روز درد قولنج میں اس طرح کہ ایک قطرہ پانی کا بھی حلق میں جاتا تو تیر بن کر حلق میں اترتا۔ بھوکا پیاسا تڑپ تڑپ کر دنیا سے رخصت ہوا اور حامیان بنو امیہ نے معاویہ کو بالجبر تخت پر بٹھایا لیکن وہ رو کر اور چیخ کر بھاگا۔ اور جا کر ایسا گھر میں گھسا کہ پھر نہ نکلا۔ اور حسینؓ حسینؓ کے نعرے لگاتا ہوا مر گیا۔

یزید اپنی قوت کے ابن زیاد اپنی طاقت کے خولی اور عمرو سعد اپنی شرارت کے مظاہرے کر چکے۔ اب خدا اپنا قہر اس طرح ڈھاتا ہے کہ عبید ثقفی کوئی

بادشاہ یا امیر نہیں والیٔ حکومت' با اختیار نہیں ایک معمولی قیدی بے بس اور لاچار جیل خانہ کی چار دیواری میں محصور و مجبور حسینؓ ابن علیؓ کی حمایت کو اٹھتا ہے۔ دنیا اس کا مضحکہ اڑاتی ہے۔ محافظ اس کو مخبوط الحواس سمجھتے ہیں اور حکومت اس کو دیوانہ خیال کرتی ہے۔ لیکن قدرت اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھتی ہے اور اس قیدی کو جس پر لوگ قہقہے لگا رہے ہیں۔ کوفہ کا حاکم بنا دیتی ہے۔ مختار کا پہلا حکم یہ ہوتا ہے کہ "وہ تمام آدمی جو میدانِ کربلا میں امام حسینؓ کے خلاف لڑے۔ تھے قتل کے واسطے حاضر ہوں"

کوفہ جس نے جگر گوشۂ رسولؐ سے بے ایمانی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کی تھی۔ مختار کا یہ حکم سنتے ہی تھرا اٹھا۔ اور وہی سرزمین جس پر مسلمؓ اور مسلمؓ کے بچوں کی پناہ جرم سمجھی گئی تھی ڈھنڈورہ پیٹ رہی ہے کہ کربلا میں امام کے خلاف تلوار اٹھانے والا اگر ایک متنفس بھی کسی گھر میں مل گیا تو دیواریں تک اکھاڑ پھینکوں گا۔"

نماز فجر کے بعد مختار کا اعلان ہوا۔ ظہر سے پہلے قیس۔ طحران۔ بشیر۔ اسود۔ عمرو بن الحجاج دست بستہ حاضر کر دیئے گئے مختار کا چہرہ ان کی صورت دیکھ کر سرخ ہو گیا۔ قیدی خوف سے اور مختار غصہ سے کانپ رہے تھے۔ مختار نے ان لوگوں سے کہا۔ تم مسلمان ہو اور جس کو پیغمبر آخر الزماں کہتے ہو اس کے بچوں کو پیاسا مار کر تم نے شہید کیا۔ اور یہ خیال نہ آیا کہ دنیا کی یہ ہوا عارضی ہے۔ میں اگر تمام کوفہ کو قتل کر دوں اور ایک آدمی بھی زندہ نہ چھوڑوں تو بھی امام حسینؓ کے خون کے ایک قطرہ کی قیمت ادا نہیں ہو سکتی" قیدی ہر چند روئے پیٹے۔ جب کسی طرح کام نہ بنا تو کہا۔ ہم عمرو سعد اور ابن زیاد کے حکم سے مجبور ہوئے" مختار نے کہا" تمہاری مجبوری عمر اور عبید کے حکم

سے بھی اور میری خدا اور اُس کے رسولؐ کے حکم سے ہے۔ افسوس یہ ہے کہ تمہارے قتل سے بھی نہ میرا غصّہ فرو ہو سکتا ہے نہ تمہارے قصور کی کافی سزا مل سکتی ہے۔ اس لئے جلاد تم کو سسکا سسکا کر قتل کرے گا" اس حکم کی تعمیل ہو رہی تھی کہ قیدیوں کا دوسرا گروہ حاضر ہوا۔ ان کا سردار صریح اور ابن ازدو تھا چیختا چلاتا مختار کے روبرو آیا اور کہا "ہم نے یزید اور ابنِ زیاد کے دھوکے میں آکر خاندانِ رسالت پر تلوار اٹھائی۔ ہمارا قصور معاف کر دے" مختار غصّہ سے کھڑا ہو گیا اور کہا "ملعون تجھ کو یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ اس جرم کے بعد تو حق رکھتا ہے کہ اپنا ناپاک چہرہ دنیا کو دکھا سکے۔ زمین و آسمان تم بدبختوں سے پناہ مانگ رہے ہیں۔ میں خدا سے عہد کر چکا ہوں کہ جب تک مختار کی تلوار قاتلان حسینؑ کو فی النار نہ کرے گی۔ میں چین سے نہ بیٹھوں گا" یہ کہکر اس نے حکم دیا کہ پہلے گروہ کی طرح ان کو بھی سسکا سسکا کر قتل کر دو"

مختار کی آنکھیں غصّہ سے سُرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے اپنے سرداروں کی طرف دیکھ کر کہا "تم پر دانہ اور پانی حرام ہے۔ اس وقت تک جب تک کہ عمرو سعد۔ شمر اور خولی کو میرے سامنے زندہ نہ لے آؤ"

عمرو سعد کا انجام

باغیانِ رسالت کا قتلِ عام صبح سے ہو رہا تھا کوفہ کے مفسد بھاگنے شروع ہوئے کچھ بصرے چلے گئے کچھ تہہ خانوں میں چھپے کچھ جنگلوں میں مگر مختار کی فوج نے ایک کو نہ چھوڑا۔ شمر کو تہہ خانے سے عمرو سعد کو پہاڑ کی کھوہ سے اور

خولی کو جنگل سے پکڑ کر لائے اور حاضر کیا جس وقت عمرو سعد سامنے آیا تو مختار کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور اس نے کہا "خدا اور رسول کے دشمن تو بتا کہ تجھ کو کیا سزا دوں جس سے میری اور مسلمانوں کی وہ آگ ٹھنڈی ہو جو تیرے ناپاک ہاتھوں نے کربلا میں لگائی۔"

عمرو سعد نے جواب دیا "میں بے گناہ ہوں یزید اور ابن زیاد کے حکم سے میں مجبور تھا، قتل حسینؓ کی ذمہ داری ان پر ہے میں بے خطا ہوں۔" اس کے جواب میں مختار نے حکم دیا کہ عمرو سعد کا لڑکا حفص کربلا میں مدد دے رہا تھا اسے فوراً پکڑ لاؤ۔"

ابو سعد سلمی نے عرض کیا "حاضر ہے"۔ جب وہ سامنے آیا تو جلاد سے کہا "عمرو سعد کے سامنے اس کے لڑکے کا سر تن سے جدا کر تاکہ اس کو معلوم ہو جائے کہ امام حسینؓ کے دل پر اکبر و اصغر کی لاش دیکھ کر کیا گذری ہوگی۔" اسی وقت عمرو سعد کے لڑکے کو قتل کر دیا گیا عمرو سعد پیٹ رہا تھا کہ مختار کا اشارہ ملتے ہی جلاد نے عمرو سعد کی گردن بھی اڑا دی۔

شمر کا انجام

عمرو سعد سے فارغ ہو کر مختار نے شمر سے یوں خطاب کیا "تو ہی وہ جفاکار انسان ہے جس نے جگر گوشۂ رسولؐ کی شان میں گستاخی کی۔" شمر تھر تھر کانپ رہا تھا۔ رونے لگا اور ہاتھ جوڑ کر کہا "مجھ سے تو عمرو سعد نے کہا تھا۔" مختار نے کہا "اچھا اے شقی القلب انسان اپنا وہ ہاتھ اٹھا جس سے

امام معصوم کی گردن پر خنجر پھیرا۔" یہ کہکر مختار نے تلوار اٹھائی۔ تو شمر نے بہ منت التجا کی کہ "میں بہت پیاسا ہوں۔ پانی کے چند قطرے پلا کر مجھے قتل کر۔" مگر مختار نے یہ درخواست یہ کہہ کر نامنظور کی شمر وہ وقت یاد کر جب تیری فوج نے فرات پر قبضہ کیا ہے اور معصوم بچے اور پردہ نشین سیدانیاں تین شبانہ روز پانی کے ایک قطرے کو ترستی رہیں۔ شمر اور کچھ کہنا چاہتا تھا کہ مختار نے سر ہلایا اور جلّاد نے سر تن سے جدا کر دیا۔

حرملہ بن کاہل کی موت

اتنے میں لوگ حرملہ بن کاہل کو لائے مختار کو علی اصغر کی پیاس اور حرملہ کے تیر کے خیال نے بلبلا دیا اور کہا "حرملہ کے گلے پر تیروں کی بارش کرو اور نزع کے وقت آخری تیر گلے کے آر پار ہو۔"

خولی کا حشر

حرملہ کی لاش تڑپ رہی تھی کہ خولی لایا گیا۔ اُسے دیکھتے ہی مختار نے کہا "یہی وہ سیاہ کار ہے جس نے سبطِ رسول کے کلیجے میں برچھا مارا اور سر کو نیزہ پر چڑھایا۔ اس کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالو۔" جب اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے گئے تو دونوں پاؤں کاٹنے کا حکم دیا اور کہا "یقین کر تیرے قتل کے بعد بھی تیری لگائی ہوئی آگ کے شعلے مختار کے دل میں بھڑکتے رہیں گے۔ اور جو کچھ کر رہا ہوں اور ہو رہا ہے۔ یہ تمہارے اعمال کی کافی نہیں پوری سزا خدا کے ہاں ملے گی۔"

اس کے بعد خولی کا دھڑ باہر پھنکوا دیا گیا۔ تاکہ لوگ اس کا حشر دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔

عبیداللہ ابنِ زیاد کا قتل

اب مختار کو عبیداللہ ابنِ زیاد کا فکر ہوا کیونکہ صرف وہی باقی رہ گیا تھا مختار نے بایزید ابنِ انس سے کہا کہ "تو فوراً ابنِ زیاد پر حملہ کر اور زندہ یا مردہ جس طرح ہو میرے سامنے لا"۔ دوسری طرف ابراہیم بن مالک اشتر سے بھی یہ الفاظ کہے اور ان کو بھی روانہ کیا۔ ابن زیاد پہلے ہی خوف زدہ ہو رہا تھا۔ جب دونوں طرف سے چڑھائی ہوئی تو پریشان ہو گیا۔ صلح کے واسطے بہت سے پیام بھیجے۔ مگر جب ناکام رہا تو میدان میں آیا اور ابراہیم کے ہاتھ سے مارا گیا۔

جس وقت عبیداللہ ابنِ زیاد گرا ہے۔ اس وقت ابراہیم نے نعرہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ بلند کیا اور کہا "تونے دیکھ لیا خدا ظالموں کا اس طرح خاتمہ کرتا ہے۔ ہم بادشاہ نہیں ہیں یہ صرف قہر خدا تھا۔ جو مختار کی صورت میں تم پر نازل ہوا" یہ کہہ کر اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور مختار کے پاس بھیج دیا۔

اس طرح کربلا کے موذی ایک ایک کر کے فی النار ہوئے۔

مختار کا دَور حقیقتاً خدا کی قہر تھا جس نے دشمنانِ اہلِ بیت کو اُن کے اعمال کا مزہ چکھا دیا۔ ورنہ مختار کو حکومت پر سلطنت سے واسطہ نہ تھا بنوامیہ کی سلطنت بدستور قایم رہی اس سلطنت میں چودہ بادشاہ ہوئے۔ مگر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سوا قریب قریب سب ایک ہی عادت و خصلت کے یہاں تک کہ سلطنت کا پانسہ بدلا اور حکومت عباسیوں میں پہنچی۔ ابوالعباس

نے تخت پر بیٹھتے ہی حکم دیا کہ بنو اُمیّہ کا ایک بچّہ بھی زندہ نہ رہے۔ اور شاہانِ بنو اُمیّہ کی قبریں کھود کر پھینک دی جائیں۔ اور سب سے پہلے یزید کی ہڈّیاں نکال کر جلائی جائیں۔ اس سلسلے میں طبری کا بیان ہے کہ یزید کی ہڈّیاں جلنے سے پہلے ہی قبر سے سیاہ برآمد ہوئیں۔



تبصرہ

شہادت کی یہ مفصل تاریخ پڑھ کر اور بنو امیہ و بنو فاطمہ کے تعلقات معلوم ہو جانے کے بعد ہر شخص معاملہ کو سمجھ سکتا ہے۔ اس میں کلام نہیں بنو امیہ میں عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے شخص بھی پیدا ہوئے۔ مگر عام طور پر بنو امیہ کے قریب قریب تمام بادشاہ جب تک زندہ رہے بنو فاطمہؓ کی آگ میں جھلستے رہے اور رزمگاہِ کربلا میں جو کچھ ہوا یہ بھی اسی آگ کی چنگاریاں تھیں۔

اہلِ تسنن کا وہ گروہ جو واقعہ کربلا کو وقعت نہیں دیتا اور امام حسینؓ کو اس کا ذمہ دار قرار دیتا ہے۔ یقیناً غلطی پر ہے میں سمجھتا ہوں کٹر سے کٹر اور جابر سے جابر مسلمان خواہ وہ یزید کی امت ہو یا شیطان کی اس کا جواب نہیں دے سکتا کہ امیر معاویہؓ مسلمانوں میں پہلے شخص تھے جنہوں نے اسلام کے پاکیزہ اصول جمہوریت کو ٹھکرا کر اپنے بیٹے یزید کو منصب خلافت کے واسطے تجویز کیا۔ مسلمان امیر معاویہؓ کے اس فعل سے ان کے متعلق آسانی سے رائے قائم کر سکتے ہیں۔ شیعہ ہوں یا سنی میں اس رائے میں بھی مسلمان کا ہمنوا نہیں ہوں کہ امام حسینؓ مظلوم تھے۔ میری رائے میں امام کو مظلوم کہنا اُن کی شان کو بٹہ لگانا ہے، یزیدیا نے آخر لمحہ تک حسینؓ کے قدم چومے۔ ان کو ظلم سے بچنے کا ہر وقت موقع میسر تھا۔ مگر ان کو اسلام کا وہ جوہر دکھانا تھا جس کی چمک آج دنیا کو خیرہ کر رہی ہے مسلم اور غیر مسلم ہندوستان اور یورپ غرض دنیا بھر وہی نام جب کر رہی کام کرکے کامیاب ہو رہی ہے۔ وقت نے سرورِ دو عالم کو اس فضیلت کے اظہار کا موقع نہ دیا۔ اس لئے یہ بنیاد حسینؓ بن علیؓ نے کربلا کے میدان میں رکھ کر ایک ایسا نمونہ

جناب یہ الفاظ تحریر کرتے وقت حقانی ہوش ... یزید نے امام حسین کے واسطے لیا تھا "بیعت یا موت۔" ظلم سے بچنے کا مطلب تھا بیعت۔ اور وہ بھی یزید کی، ادنیٰ

پیش کر دیا جس کو دنیا ہمیشہ سر آنکھوں پر رکھے گی۔

مسلمانوں کے ایک فریق کو چھوڑ کر جن کی زبان مبارک یہ فرماتی ہے کہ "حسینؓ کربلا میں خود چڑھ کر گئے"۔ باقی مسلمانوں میں شیعہ سنی کا اختلاف اس سلسلہ کی سب سے اہم اور افسوسناک حقیقت ہے۔ مجھے اس معاملہ میں شیعہ سنی حضرات کی کمزوری اور ہٹ دھرمی جس جگہ نظر آئی۔ میں نے اس کو نمایاں کر دیا لیکن خلیفہ اول و دوم کی شخصیت کو مجروح کرنے میں اہل تشیع کو میں برسر حق نہیں سمجھتا، اور میری رائے میں خلیفہ دوم کا بی بی شہر بانو کو سید الشہداء کے واسطے اس نازک وقت میں منتخب کرنا ان کے خلوص کا کافی ثبوت ہے۔ اب رہی حضرت عثمانؓ کی خلافت کچھ شک نہیں بنی امیہ کو اپنے منصوبوں کی تکمیل کا سب سے زیادہ موقعہ اسی خلافت میں میسر ہوا۔ اور بادی النظر میں خلافتِ عثمانیؓ ایک اعتبار سے اس افراتفری کی ذمہ دار قرار دی جاسکتی ہے لیکن خلیفہ ثالث کی طبیعت و عادات کا پورا مقابلہ کرنے کے بعد واقعات ان کی بے گناہی اور نیک نیتی ثابت کر رہے ہیں۔ اسی طرح جنگ جمل کی تمام ذمہ داری بجائے ام المومنین کے ان مفسدوں اور فتنہ پردازوں پر ہے جو پہلے سے تاک میں تھے جن کی کارگزاریوں نے قیامت بپا کی۔ ہاں سنیوں کا وہ گروہ جو واقعہ کربلا کو یہ کہکر ٹال دیتا ہے کہ امام حسینؓ کیوں گئے۔ ضرور قابلِ بحث ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ عقلِ سلیم کو یہ معلوم ہو کر سکون ہو جاتا ہے کہ جو اپنے باپ دادا کا ہی نہیں۔ وہ خدا اور اس کے رسول کا کیا ہوگا۔ میرا ایمان یہ ہے کہ یہ لوگ اس درد سے جو انسانیت کی ایک نعمت ہے محروم ہیں۔ اور چونکہ ان کی انسانیت ناقص ہے اس لئے اُن سے شکایت فضول۔

ختم شد

تبصرہ: بہرحال مصنف نے کوشش کی ہے کہ اُسکے عقائد کا اظہار نہ ہو اور اُس نے تمام فرقوں کو "متحد" رکھنے کی کوشش کی ہے۔

ساری کتاب میں نے پڑھی اور بغور کئی مرتبہ پڑھی

ایک بات تو میں اور تمام اہل علم حضرات بڑے وثوق

سے کہہ سکتے ہیں کہ راشد الخیری نے امام حسین

جناب زینب، حضرت علی اور اہلبیت کے حوالے

سے جتنی باتیں لکھی ہیں وہ بہت حد تک

غلط ہیں — بعض جگہ الفاظ بہت سطحی ہیں

اور راشد الخیری صاحب لفاظی کے شوق میں یہ

بھول گئے کہ داماد رسول، نواسہ رسول، جگر گوشہ

بتول، اتنی غلط (نعوذ اللہ) بات کر ہی نہیں سکتے

جو عقلی اور واقعاتی طور پر غلط ہو — دوسرے

الفاظ میں انھوں نے یہ باتیں قطعاً کی نہیں بلکہ قدیم

راویوں اور حدیث نویسوں کے ذہن کی پیداوار

ہیں — بہر حال ہو سکتا ہے کہ آپ (باوجود علم

رکھنے کے) مجھ سے اختلاف کریں۔

آخر میں ایک بات اور — وہ یہ کہ میں نے

اوپر لکھی ہوئی تمام باتیں، تعصب سے مکمل بالاتر

ہو کر لکھی ہیں۔

سیدہ کا لال

76

سیّدہ کالال

از

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیریؒ